خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

ابو یحییٰ

www.inzaar.org
www.inzaar.pk

خدابول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

ابو یحییٰ

انذار پبلیشرز

A Non-Profit Organization

نام کتاب : خدابول رہاہے

ISBN نمبر : 978-969-9807-16-9

مصنف : ابویحییٰ

ناشر : انذار پبلیشرز: (0092)-0332-3051201

(0092)-0345-8206011

ویب سائٹ : www.inzaar.org

www.inzaar.pk

ای میل : abuyahya267@gmail.com

ٹائٹل : حافظ حسن سلیم

قیمت : 300روپے

ملنے کا پتہ : پوری دنیا میں کسی بھی جگہ گھر بیٹھے یہ کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کیجیے۔

(0092)-03458206011 , (0092)-03323051201

مزید مقامات کے لیے دیکھیے ہماری ویب سائٹ

www.inzaar.org , www.inzaar.pk

دورِ حاضر کے ان اہل وفا کے نام
جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کے
قرآنی مطالبات کو اپنی زندگی بنالیا ہے

’’اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت اور سینوں کے امراض کی شفا اور اہل ایمان کے لیے ہدایت ورحمت آ گئی ہے۔ (اے پیغمبر) انھیں بتا دو کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت کا کرشمہ ہے۔ سو چاہیے کہ وہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس سے بہتر ہے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں۔‘‘ (یونس 10 : 58-57)

خدائے رحمان نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کو بولنا سکھایا۔

(رحمٰن 55 :4-1)

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

(بخاری، رقم: 5027)

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

خدا بول رہا ہے

جس طرح کسی انسان کو اپنی کوئی اولاد بری نہیں لگتی البتہ بعض بچے دوسروں سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں، اسی طرح ایک مصنف کو اپنی بعض تصنیفات زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ یہ قاعدہ اگر ٹھیک ہے تو ''خدا بول رہا ہے'' کی صورت میں اس دفعہ قارئین کی خدمت میں ایک ایسا ناول پیش ہے جس کے متعلق اس خاکسار کا خیال ہے کہ یہ اپنے پیغام کے لحاظ سے بہت موثر اور کہانی کے اعتبار سے بہت دلچسپ ہے۔ یہ اس مصنف ہی کا نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کا بھی خیال ہے جن کی خدمت میں اسے ابتدائی فیڈ بیک یا اسکریننگ کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ اس لیے امید ہے کہ قارئین اس ناول کو پچھلے ناولوں سے زیادہ مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یہ خاکسار کوئی ناول نگار نہیں ہے، جسے اپنے گھر کا چولہا روشن رکھنے کے لیے ہر ماہ دو چار ناول بازار میں لانا لازم ہوتے ہیں۔ میرا پہلا ناول ''جب زندگی شروع ہوگی'' حادثاتی طور پر وجود میں آیا تھا۔ اس کے بعد کے دو ناول ''قسم اُس وقت کی'' اور ''آخری جنگ'' بھی اگلے پانچ برسوں میں اسی وقت سامنے آئے جب اندر کی آواز نے خود اپنا اظہار چاہا۔ پیش نظر ناول ''خدا بول رہا ہے'' بھی اندر کی اسی آواز کا اظہار ہے۔ لیکن یہ آواز اس دفعہ کیا پیغام دے رہی ہے، اس

کا کچھ پس منظر مجھے بیان کرنا ہوگا۔

اس دنیا میں حیات کا پورا کارخانہ اس بارش کے اوپر منحصر ہے جو آسمان سے برستی اور اہل زمین کے سوکھے لبوں اور دھرتی کے پیاسے وجود کو سیراب کر دیتی ہے۔ لیکن آسمان سے بارانِ رحمت صرف بارش ہی کی شکل میں نہیں برستا بلکہ وحی ربانی کی شکل میں بھی نازل ہوتا رہا ہے۔ آخری دفعہ رحمت کی یہ بارش عرب کے صحرا پر ہوئی تھی اور پھر وہاں سے بہنے والے ہدایت کے سرچشموں نے کل عالم کو سیراب کیا تھا۔

خوش قسمتی سے فیضان الٰہی کی یہ بارش قرآن مجید کی شکل میں ابدی طور پر محفوظ کر کے انسانیت کے حوالے کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی مقدس کتاب کا نام نہیں، یہ درحقیقت کلام الٰہی ہے۔ اس کی شکل میں خدا ہے جو ہمارے سامنے بول رہا ہے۔ اس کی صورت میں نبی کریم علیہ السلام کی دعوت ہے جو آج بھی پوری طرح زندہ و تابندہ ہے۔

مگر یہ بہت عجیب بات ہے کہ مسلمان جو اس کتاب مقدس کے حامل بنائے گئے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود عمومی طور پر قرآن مجید سے بہت دور ہیں۔ بیشتر مسلمان قرآن کو نہیں پڑھتے۔ جو پڑھتے ہیں وہ سمجھتے نہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ قرآن مجید کے اصل پیغام یعنی ایمان و اخلاق کی دعوت کو اہمیت دینے پر تیار نہیں۔ یہ دعوت سادہ ترین لفظوں میں اس حقیقت کا نام ہے کہ انسان کو ایک روز اپنے رب کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اُس روز جس کے اعمال قرآن میں بیان کردہ خدائی مطالبات کے مطابق ہوئے، وہ ابدی بادشاہی سے سرفراز کیا جائے گا اور جس نے ان مطالبات کو نظر انداز کیا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

مسلمان عملی طور پر قرآن کے متعلق جو بھی رویہ رکھیں، قرآن مجید کی جو حیثیت ہے وہ کبھی تبدیل نہیں ہوسکتی۔ مرنے کے ساتھ ہی ہر شخص جان لے گا کہ جو کچھ قرآن مجید نے کہا تھا وہ لفظ

بہ لفظ درست ثابت ہو چکا ہے۔ جس کو اس نے اصل مسئلہ بتایا تھا، وہی اصل مسئلہ نکلا۔ جس کو اس نے غیر اہم قرار دیا تھا وہ غیر اہم نکلا۔ جس کو اس نے سیر کہا تھا وہی سیر نکلا۔ جس کو اس نے ماشہ کہا تھا وہ ماشہ ہی نکلا۔

قرآن نے خدائے واحد کی طرف بلایا تھا اور روزِ قیامت لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اس کے سوا نہ دنیا میں کسی کے پاس کوئی طاقت و اختیار تھا، نہ اب ہے۔ اس نے جنت کی فلاح کی طرف بلایا تھا اور لوگ دیکھیں گے کہ جنت کے سوا اب کہیں عافیت اور نعمت موجود نہیں۔ اس نے جہنم کے عذاب سے ڈرایا تھا اور لوگ دیکھیں گے کہ اس کا عذاب واقعی نا قابل برداشت ہے۔ اس نے دنیا کے اُن مسائل سے جان بوجھ کر پہلوتہی کی تھی جن کے درد میں لوگ مرے جاتے تھے اور اُس روز سب دیکھیں گے کہ وہ دنیا اپنے مسائل سمیت ہمیشہ کے لیے فنا کر دی گئی ہے۔ اس نے عمل صالح کو جنت کا ضامن قرار دے کر اس کی ہر تفصیل بیان کر دی تھی اور ہر شخص دیکھ لے گا کہ اس سے ہٹ کر کیا گیا ہر عمل خدائی میزان میں بے وزن ہو گیا۔ اُس روز سب جان لیں گے کہ قرآن کی ہر بات سچ ثابت ہوئی اور ہر ترجیح اہم تر نکلی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن خدائے رحمٰن کی صفت کلام کا ظہور ہے۔ اس کا لفظ لفظ خدائے رحمٰن کا انتخاب ہے جسے جبریل امین نے لوح محفوظ سے پایا اور قلب حبیب علیہ السلام پر پوری امانت داری کے ساتھ نازل کر دیا۔ جسے نہ کبھی شیاطین جن چھو سکے، نہ شیاطین انس اس میں کوئی تبدیلی و تحریف کرنے کے قابل ہو سکے۔ باطل نہ اس کے آگے سے راہ پا سکا، نہ پیچھے سے اس میں داخل ہو سکا۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی وہ ہدایت تھی جو قیامت تک تمام نبیوں اور رسولوں کے قائم مقام ہو کر انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

قرآن مجید کی عظمت اور اہمیت کا یہی وہ احساس تھا جو اب ایک ناول کی شکل میں ڈھل کر

قارئین کے سامنے پیش ہے۔ اس کی کہانی جنت کی زندگی اور میرے پہلے ناول ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے مرکزی کردار عبداللہ سے اٹھی ہے۔ ناول کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب عبداللہ حشر کے مراحل سے گزر کر جنت میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ کہانی میں دو نئے کردار داخل کیے گئے ہیں اور اصل پیغام انھی کی داستان کے پس منظر میں بیان کیا گیا ہے۔

کہانی کا آغاز جنت کی دنیا سے ہوا ہے اور بوجوہ کہانی کی رفتار کچھ ہلکی رکھی گئی ہے۔ مگر جیسے ہی اصل داستان شروع ہوتی ہے، کہانی میں اتنی تیزی اور روانی آجاتی ہے کہ قاری کے لیے انشاءاللہ کتاب چھوڑنا آسان نہیں رہے گا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اس عاجز نے کوشش کی ہے کہ اصل پیغام کو کہانی کے پس منظر میں اس طرح بیان کیا جائے کہ وہ کوئی ٹھونسی ہوئی چیز نہ لگے بلکہ اصل داستان کا ایک لازمی حصہ لگے۔

یہ داستان گوئی اس لیے ضروری ہے کہ لوگ اہم ترین حقائق کو سنجیدگی کے ساتھ لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ایسے میں شاید یہ داستان سرائی ہی لوگوں کو خزانے کے اس نقشے کی طرف متوجہ کردے جسے عرف عام میں قرآن مجید کہا جاتا ہے۔ ایک شخص نے بھی اس ناول سے قرآن تک کا سفر طے کرلیا تو یہ میری محنت کا حاصل ہوگا۔

بندہ عاجز

ابو یحییٰ

یوم العرفہ، 1438ھ

کراچی

سردار عبداللہ! آپ کی اجازت ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں؟

عبداللہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے انتہائی وجیہہ شخصیت کا مالک ایک آدمی کھڑا ہوا تھا۔ یہ شخصیت عبداللہ کے لیے بالکل اجنبی تھی۔ اس وقت جہاں عبداللہ موجود تھا وہاں وہ کسی جاننے والے کی توقع بھی نہیں کر رہا تھا۔ اِس دور دراز جگہ پر اس کے آنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ کچھ دیر خدا کی اِس جنت میں تنہائی میں وقت گزارے جہاں اس کا کوئی جاننے والا نہ ہو۔

جنت کی زندگی کے آغاز کو ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ عبداللہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھا جو جنت میں دوسروں سے کہیں پہلے داخل ہو چکے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو نیکیوں میں سبقت لے جانے کی بنا پر جنت کے اعلیٰ ترین درجات کے وارث ہوئے تھے۔ تاہم باقی اہل جنت جن کے حق میں روزِ حشر نجات کا فیصلہ ہو چکا تھا، وہ بھی رفتہ رفتہ میدان حشر سے یہاں آنا شروع ہو گئے تھے۔

جنت ایک عجیب و غریب جگہ تھی۔ اپنے نام کے برعکس یہ کوئی باغ نہ تھا بلکہ یہ خدا کی قدرت کاملہ سے وجود میں آنے والی وہ وسیع و عریض سلطنت تھی جو زمین سے لے کر ختم نہ ہونے والے آسمانوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ سابقہ دنیا میں ایمان و اخلاق کے امتحان میں سرخرو ہونے والے خدا کے نیک بندے اب حسب مراتب اس جنت کے مالک بن چکے تھے۔

اس جنت کا ایک حصہ وہ بادشاہی تھی جو ہر جنتی کو خدا کی طرف سے بطور جزا عطا کی گئی تھی۔

ایک بہت بڑا حصہ وہ تھا جو دیگر اہل جنت کی ملکیت تھا۔ مگر اس کا ایک بڑا حصہ کسی کی ملکیت کے بجائے فرشتوں کے زیر انتظام وہ تفریح گاہیں اور سیر گاہیں تھیں جہاں لوگ ایک دوسرے سے ملنے یا خدا کی صناعی و کمال اور نعمت و جمال کے جلوے دیکھنے آیا کرتے تھے۔

آج عبداللہ ایک ایسی ہی جگہ آیا ہوا تھا۔ مگر یہاں عام درجہ کے جنتیوں کا آنا ممکن نہ تھا۔ یہ جنت کی ایک درجہ اول جگہ تھی جہاں درجہ اول کے لوگ ہی آسکتے تھے۔ ایسے میں یہ تو بالکل واضح تھا کہ یہ اجنبی اعلیٰ ترین جنتیوں کی فہرست میں شامل تھا۔ مگر یہ بھی طے تھا کہ عبداللہ اس سے پہلے اس اجنبی سے کبھی نہیں ملا۔ عبداللہ کو اس سے اپنی کوئی ملاقات کہیں یاد نہ تھی۔

جنت میں آنے کے بعد عبداللہ کا زیادہ تر وقت انبیا علیھم السلام اور اعلیٰ درجات کے حامل دیگر اہل جنت کی محافل ہی میں گزرتا تھا۔ آج اس کا دل چاہا تھا کہ کہیں ایسی جگہ جائے جہاں کوئی اسے نہ جانتا ہو اور نہ وہ کسی کو جانتا ہو۔ جنت میں ایسی جگہوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ چنانچہ بہت دیکھ بھال کر اس نے ایک ایسی پر فضا جگہ کا انتخاب کیا تھا جس کے متعلق اسے معلوم تھا کہ اس کا کوئی جاننے والا یہاں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ وہ یہاں آیا تھا اور بہت دیر سے تنہا بیٹھا یہاں کے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اب وہ واپس جانے کے لیے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ اس اجنبی نے اس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت طلب کر لی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان صاحب سے کہا۔

کیوں نہیں۔ آپ ضرور تشریف رکھیے۔

میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوا ہوں ......

اجنبی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ عبداللہ نے فوراً کہا۔

آپ کو معذرت کی ضرورت نہیں۔ میں تو اپنی تنہائی سے لطف اندوز ہو چکا ہوں۔ بلکہ اب تو

واپس جانے کے لیے اٹھنے ہی والا تھا۔

مجھے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اسی لیے میں اس وقت آپ کے پاس آیا ہوں۔ ورنہ میں تو بہت دیر سے یہاں موجود تھا۔ بس اس بات کا منتظر تھا کہ آپ اپنی تنہائی سے فارغ ہوں تو میں آپ کے پاس آؤں۔

اجنبی نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا تو عبداللہ کو بڑا اچنبھا ہوا۔ اس نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

مگر آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟ میرا تو یہاں کوئی جاننے والا نہیں ہے۔

عبداللہ کے سوال کے جواب میں اجنبی کچھ بولا نہیں، صرف مسکرا دیا۔

عبداللہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے بڑے وثوق سے یہ بات کہی تھی کہ یہاں اس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنے سے قبل وہ آج یہاں آنے والے مہمانوں کی فہرست دیکھ کر یہ خیال یقینی بنا چکا تھا کہ اس کا جاننے والا کوئی بھی شخص یہاں موجود نہیں ہے۔ اس جگہ کی بے پناہ خوبصورتی کے علاوہ یہاں آنے کی ایک اہم وجہ یہی تھی۔ اسی لیے وہ ابھی تک ورطہء حیرت میں پڑا ہوا تھا کہ یہاں اس کا کوئی جاننے والا کیسے نکل آیا تھا۔

اسریٰ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ اس کا چہرہ اس اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا جو اس کے باطن کو سرشار کیے ہوئے تھی۔ اس کی کیفیات لمحہ بہ لمحہ بدل رہی تھیں۔ کبھی اس کے دل میں سکون اور اطمینان کی لہریں گامزن ہوتیں اور کبھی اس کا وجود مسرت اور شادمانی کے احساسات میں ڈھل جاتا۔ کبھی تلاطم، ہلچل، اہتزاز اور تھرل کی کیفیت اس کے وجود کا احاطہ کر لیتی اور کبھی شوق، محبت اور وارفتگی کے جذبات اس کے اندر جنم لینے لگتے۔ وہ انھی کیفیات میں

تھی کہ ایک سوال نے اسے چونکا دیا۔

آپ کو ابھی تک یقین نہیں آیا کہ آپ جنت میں آ چکی ہیں؟

یہ سوال اس فرشتے نے کیا تھا جو اسریٰ کو جنت میں اس کے محل تک چھوڑنے آیا تھا۔

کیسے یقین آئے گا؟

اسریٰ نے اپنے سامنے موجود ایک تناور پودے کو دیکھتے ہوئے کہا جس کے پتے کافی بڑے بڑے تھے۔ ان پتوں نے شاید اسریٰ کے دل میں پیدا ہونے والی خواہش کو سمجھ لیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو دیکھنا چاہ رہی تھی۔ لمحہ بھر میں سبز رنگ کے پتے قلبِ ماہیت کے بعد شفاف آئینے میں تبدیل ہو گئے جن میں اسریٰ کو اپنا عکس ہر ہر زاویے سے نظر آ رہا تھا۔ اسے جنت میں داخل ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا اور جب سے وہ یہاں آئی تھی ہر لمحے ایسا ہی کوئی کرشمہ دیکھ رہی تھی۔

اس نے پتوں کے آئینوں میں اپنا عکس دیکھا۔ یہ آئینے ہر زاویے سے اسے اس کا سراپا دکھا رہے تھے۔

کیسے یقین آ سکتا ہے؟

اسریٰ نے ان آئینوں میں ہر رخ سے اپنا جمال دیکھتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔ اسے اپنی خوبصورتی پر واقعی یقین نہیں آ رہا تھا۔

آ جائے گا۔ ابھی تو آپ آئی ہیں۔ ابھی تو میدان حشر میں بہت لوگ موجود ہیں۔ ایک ایک کر کے وہ جنت میں آ رہے ہیں۔ جب سب آ جائیں گے تو نئی دنیا مکمل طور پر فعال ہو جائے گی۔ پھر یقین آ جائے گا۔

فرشتے نے اسریٰ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا تو اسریٰ کو احساس ہوا کہ وہ کہاں سے گزر

کر کہاں آ گئی ہے۔اس نے فرشتے سے مخاطب ہو کر کہا۔

کیا ماضی کی دنیا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی؟

ہاں وہ دنیا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

اسریٰ خاموش رہی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا۔اس کی بے یقینی دیکھ کر فرشتے نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

وہ دنیا ختم ہو چکی ہے۔ ہزاروں لاکھوں برس سے جاری انسانیت کی داستان دورِ امتحان سے نکل کر دورِ جزا میں داخل ہو چکی ہے۔وہ دنیا جسے بظاہر کبھی ختم نہ ہونا تھا، ختم ہو چکی ہے۔جس دنیا کو بظاہر قائم نہ ہونا تھا وہ ہمیشہ کے لیے قائم ہو چکی ہے۔

فرشتہ بول رہا تھا اور اس کے لہجے میں عجیب سا گداز تھا۔اسریٰ کا دل چاہا کہ وہ بولتا رہے اور وہ سنتی رہے۔

پچھلی دنیا کے ساتھ قابیل کا اور تمام قاتلوں کا دور ختم ہو چکا ہے۔فرعون کا اور تمام فاسقوں کا دور ختم ہو چکا ہے۔قارون کا دور اور دولت پر ناگ بن کر بیٹھنے والے تمام سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا دور ختم ہو چکا ہے۔ ہامان کا دور اور لوگوں پر راج کرنے والے تمام سیاسی شعبدہ بازوں کا دور ختم ہو چکا ہے۔نمرود کا دور اور عوام پر ستم ڈھانے والے تمام حاکموں کا دور ختم ہو چکا ہے۔

فرشتہ بول رہا تھا اور اس کی آواز کے ساتھ سامنے کچھ مناظر آ رہے تھے۔ اسریٰ کو اندازہ ہو گیا کہ وہ انھی لوگوں کی شکلیں تھیں جن کا نام فرشتہ لے رہا تھا۔قابیل، فرعون، قارون، ہامان، نمرود اور انھی جیسے دیگر مجرم۔فرشتے کی آواز بلند ہوتی رہی:

سابقہ دنیا میں ان مجرموں کی ہر عارضی کمائی اِس دنیا کی مستقل سزا میں ڈھل چکی ہے۔آج

ان لوگوں کا کوئی حال نہیں سوائے دوزخ کے ۔ان لوگوں کا کوئی مستقبل نہیں سوائے جہنم کے۔ ان لوگوں کی کوئی امید نہیں سوائے موت کے ۔ ان لوگوں کی کوئی فریاد نہیں سوائے رونے اور چلانے کے۔مگر یہاں موت کہاں ۔کوئی امید،کوئی آسرا کہاں ۔

اس دفعہ فرشتے کی آواز کے ساتھ ان مجرموں کی جہنم میں سزا کا خوفناک عمل سامنے آنے لگا تھا۔اسریٰ کو جھرجھری آگئی ۔وہ بے اختیار بولی ۔

مگر اسی کے ساتھ خدا سے ڈرنے والوں کا دور شروع ہو چکا ہے۔

فرشتے کو اندازہ ہو گیا کہ اسریٰ میں یہ مناظر دیکھنے کی تاب نہیں ۔اس نے اپنی بات چھوڑ کر اسریٰ کی بات کو آگے بڑھایا۔

ہاں بن دیکھے خدا کی عبادت کرنے ،نظر نہ آنے والی جنت کی امید پر حسن عمل اختیار کرنے ، لوگوں پر نرمی کرنے ،خدائے رحمٰن کے احساس میں جینے اور ایمان ، رحم اور ہمدردی کو زندگی بنانے والوں کا دور شروع ہو چکا ہے۔ماضی کی ہر تکلیف فانی دنیا کی طرح فنا ہو چکی ہے ۔جو بچا ہے وہ ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔آپ کا مستقبل ہمیشہ رہنے والی جنت ہے جسے کبھی ختم نہیں ہونا ہے۔

عبداللہ آج جس جگہ آیا تھا وہ جگہ واقعتاً قدرتی حسن کا ایک شاہکار تھی۔پچھلی دنیا کی اصطلاح مستعار لی جاسکے تو یہ پہاڑ پر بنا ایک اوپن ایئر ریسٹورنٹ تھا۔پہاڑ کے ہر طرف بالکل مختلف منظر تھا۔ایک طرف وسیع و عریض سمندر تھا جس کا نیلگوں پانی آنکھوں کو تراوٹ دے رہا تھا۔ دوسری طرف بلند و بالا اور مختلف رنگوں کے درختوں سے آراستہ ایک جنگل تھا جس میں پرندوں کے چہچہانے کی خوبصورت آوازیں آرہی تھیں، تیسری طرف سرسبز و شاداب میدان تھا جس میں بہت سے خوش رنگ اور خوشنما جانور گھومتے پھر رہے تھے ۔چوتھی سمت میں اہل جنت

کے عارضی قیام کے لیے انتہائی خوبصورت رہائش گاہیں تھیں۔ یہ ان اہل جنت کے لیے تھیں جو کچھ دنوں کے لیے یہاں آ کر ٹھہرتے تھے۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر اجنبی نے ماحول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

میں یہاں آنے پر آپ کے حسن انتخاب کی داد دوں گا۔ یوں تو جنت کی ہر جگہ ہی بے مثل ہے، مگر یہاں کی پرسکون خوبصورتی تنہائی کے متلاشی کسی شخص کے لیے شاید جنت کا بہترین تحفہ ہے۔

اجنبی کی یہ بات کسی پہلو سے غلط نہیں تھی۔ یہاں ہر طرف جو فطری حسن ایک شان دل ربائی کے ساتھ پھیلا ہوا تھا، اس نے سکون کی ایک ردا بھی اوڑھ رکھی تھی۔ پھر ہر منظر کا رنگ بھی جدا تھا اور پہر بھی جدا تھا۔ جنگل کی سمت صبح سویرے کا سماں تھا۔ سمندر دن کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ سرسبز میدان میں شام ہو رہی تھی اور اہل جنت کی رہائش گاہیں رات کے اندھیرے میں جگمگاتی رنگ برنگی روشنیوں سے نہا رہی تھیں۔ ہر جگہ کا آسمان اس جگہ کے پہر کے عین مطابق تھا۔ رہائش گاہوں کے سیاہ آسمان پر دودھیا تارے بکھرے ہوئے تھے۔ نیلے سمندر پر نیلے امبر تلے پیلا سورج چمک رہا تھا۔ سبزے کے افق پر شفق کی لالی آگ برسا رہی تھی اور جنگل کی اوٹ سے طلوع آفتاب سے قبل کا سویرا جھانک رہا تھا۔ وقفے وقفے سے ان تمام جگہوں پر بارش کے ایسے قطرے برستے جو قوس وقزح کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ اس کے ساتھ ہی برستی برکھا کی رم جھم دھیمی دھیمی پر کیف موسیقی کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔

عبداللہ نے اجنبی کی بات پر چاروں طرف دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

پھر آپ کے حسن انتخاب کی داد بھی دینا چاہیے۔ آپ بھی تو اسی جگہ تشریف لائے ہیں۔

مگر مجھے اس جگہ کی کشش یہاں نہیں لائی۔ میں تو آپ سے ملنے آیا ہوں۔ بلکہ آپ کو تلاش

کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔

مجھے تلاش کرتے ہوئے؟ لیکن کیوں؟

بے اختیار عبداللہ کی زبان سے نکلا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اجنبی اسے کیوں تلاش کر رہا تھا جبکہ عبداللہ اسے جانتا بھی نہیں تھا۔

فرشتے کی آواز اسریٰ کے ہوش وگوش کو فردوس بریں میں داخلے کی وہ نوید مسرت دے رہی تھی جس سے بڑی نعمت کوئی نہیں تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ فرشتہ جنت کا ذکر کرتا رہے اور وہ سنتی رہے۔ مگر پھر ایک سوال نے اس کے ذہن کے دروازے پر دستک دے دی۔

کیا قیامت ایسے ہی آئی تھی جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ میں تو اس وقت زندہ نہیں تھی جب قیامت آئی۔ کیا وہ اتنی ہی ہولناک تھی جتنی ......؟

اسریٰ نے اپنا سوال ادھورا چھوڑ دیا۔

حقیقت الفاظ کے جامے میں کبھی بیان نہیں ہوسکتی تھی۔

فرشتے نے اسریٰ کے سوال کے جواب میں کہنا شروع کیا۔

قیامت کی حقیقت اس سے کہیں زیادہ ہولناک تھی جتنا قرآن میں بیان ہوئی تھی۔ آپ جب چاہیں ان تمام واقعات کو اب بالکل اسی طرح دیکھ سکتی ہیں گویا کہ وہ آپ کے سامنے ہورہے ہوں۔ مگر اُس وقت تو زلزلہ قیامت نے زمین سے زندگی کے ہر نام ونشان کو مٹا دیا تھا۔ اس کے بعد ایک طویل مدت تک زمین پر موت کا راج رہا۔ پھر رب کائنات کا اذن ہوا اور فانی زندگی اپنی کامل شکل میں دوبارہ جی اٹھی۔ سب مرد اور عورت جی اٹھے۔ ہر دور کا انسان، ہر خطے کا انسان، ہر رنگ اور ہر نسل کا انسان جی اٹھا۔

فرشتے کے لہجے میں وہی بانکپن تھا۔ اس کا انداز گفتگو واقعی بہت دلکش تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

خدا کے فرشتے تمام انسانوں کو ہانک کر حشر کے میدان میں لے آئے۔ رب ذوالجلال کی ہستی جس نے امتحان کی غرض سے اپنے رخ زیبا پر غیب کا پردہ ڈالے رکھا تھا، عدل کامل کے لیے اس نے غیب کا پردہ اٹھادیا۔ اس کے ظہور کے ساتھ ہی انسانوں کی عدالت شروع ہوگئی۔ اپنی قوموں کو دعوت حق پہنچانے والے انبیا، ان کی تصدیق کر کے بدترین حالات میں ان کا ساتھ دینے والے صدیقین، انبیا کی نیابت میں دعوتِ حق کی گواہی دینے والے شہدا اور نیکی کی زندگی گزارنے والے صالحین؛ سب ایک ایک کر کے خدائے رحمٰن سے اپنا اجر پانے لگے۔

ہاں حشر کے یہ سارے مراحل تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

اسریٰ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا تو فرشتے نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اسے ایک دوسرے پہلو سے آگاہ کیا۔

مگر آپ نے وہ پوری طرح نہیں دیکھا جو کچھ مجرموں کے ساتھ ہوا۔ اس لیے کہ آپ نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ دوسری سمت کھڑی تھیں۔ اصل قیامت تو ان مجرموں کی طرف آئی ہوئی تھی۔ روزِ حشر حق کا انکار کرنے والے کافر، خدا سے بغاوت کرنے والے سرکش، خود کو بڑا سمجھنے والے متکبر، اپنی اور دوسروں کی جانوں پر ستم ڈھانے والے ظالم، کمزوروں کے حق چھین لینے والے غاصب اور خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کرنے والے فاسق، فاجر، مشرک، قاتل اور مجرم ایک ایک کر کے خدائے جبار کے عدل کا تجربہ کر رہے تھے۔

اس سزا جزا میں رائی کے دانے کے برابر بھی عمل نہ تھا جو سامنے نہ آیا ہو۔ جس نے دل و دماغ کی تاریک گلیوں اور اپنی تنہائیوں میں خود کو آوارہ چھوڑا اس نے اپنی آوارگی کو سب کے

سامنے بے نقاب پایا۔جس نے اپنی خلوت میں دوسروں کی تباہی کے منصوبے بنائے، اس نے اپنے ہر مکر وفریب کو عین جلوت میں سب کے سامنے بےحجاب پایا۔جس کے سینے میں دوسروں کے خلاف بغض، نفرت اور عداوت کے شعلے نہاں تھے، اس نے اپنے باطن کی ہر نجاست کو تمام زمانے کے سامنے بالکل عیاں پایا۔

اسریٰ یہ سن رہی تھی اور دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی تھی کہ اللہ نے اسے اس بدترین انجام سے بچالیا تھا۔فرشتہ اس انجام کی مزید تفصیل بیان کرتا رہا۔

جس نے اپنی طاقت، مقام، مرتبے، دولت، صلاحیت اور علم کو اپنے فائدے اور دوسروں کے نقصان کے لیے استعمال کیا، اس نے جان لیا کہ وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ ہر مقتول زندہ ہوگیا۔ ہر برباد شاد وآباد کھڑا تھا۔ ہر مظلوم مسکرا رہا تھا۔لیکن اس ظالم کے لیے عذاب الیم کا سامان جہنم کے شعلوں کی شکل میں تیار تھا۔جس شخص نے اپنی زندگی اور زندگی کی نعمتوں کو بندگی کے بجائے سرکشی اور غفلت کی نذر کیا تھا، اس نے دیکھ لیا کہ اس کی کل کمائی پچھلی دنیا کے ساتھ غارت ہوگئی اور حشر میں اس کے لیے سامان رسوائی کے سوا کچھ نہ تھا۔شرک، الحاد، تکبر، حسد، ظلم، فحاشی غرض معصیت کی ہر قسم وہ بوجھ بن چکی تھی جس کا تحمل کرنا ممکن نہ تھا، مگر اس کو ڈھونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

فرشتے کی بات پر اسریٰ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں تو میدان حشر میں بھی نعمتوں، امن اور سائے میں تھی۔ ہر خوف اور پریشانی سے بالکل محفوظ عرش الٰہی کی رحمت بھری چھاؤں میں تھی۔ میں تو وہاں یہ دیکھ رہی تھی کہ ماضی میں کی گئی نیکیاں وہ بیش بہا کرنسی بن گئیں جس سے اہل ایمان ابدی خوشیاں خرید رہے تھے۔ ہمیشہ رہنے والے بے مثال محلات، قیمتی لباس، انواع واقسام کے کھانے،

سونے چاندی کے برتن، لامحدود سفر کرنے والی سواریاں، ان گنت خدام غرض عزت، رفاہیت اور لذت کے تمام اسباب نیکی کی کرنسی سے خریدے جا رہے تھے۔

اسریٰ نے یہ ساری تفصیل اس لیے بیان کی تھی کہ اس نے خود اپنی نیکیوں کے عوض جنت کے اعلیٰ مقام کو اسی طرح کمایا تھا۔ اور اب تو یہ جنت اس کا ابدی گھر بن چکی تھی۔

عبداللہ کو ابھی تک اس کے پچھلے سوال کا جواب بھی نہیں ملا تھا کہ وہ صاحب اسے کیسے جانتے تھے۔ مگر اس کے باوجود اس نے ایک اور سوال کر دیا تھا کہ اجنبی اسے کیوں تلاش کر رہا تھا۔ اس دفعہ بھی عبداللہ کو اپنے سوال کے جواب کے بجائے خاموشی اور ایک دلنواز مسکراہٹ ہی ملی۔ پھر اجنبی نے بات کا رخ دوسری طرف پھیرتے ہوئے کہا۔

میں آپ کی نشست پر آیا ہوں تو آپ کا مہمان ہوا۔ کچھ پوچھیں گے نہیں؟

اوہ معاف کیجیے گا۔ یہ کہتے ہوئے عبداللہ نے ایک طرف دیکھا۔ ایک خادم جو گویا اس کے اشارے ہی کا منتظر تھا تیزی سے چلتا ہوا اس کی سمت آیا اور عبداللہ کی آنکھ کا اشارہ سمجھتے ہوئے ایک مشروب اجنبی کے سامنے رکھا۔ پھر عبداللہ کا خالی گلاس بھی بھر دیا۔

آپ نے ایسا مشروب کبھی نہیں پیا ہوگا۔ یہ صرف یہیں ملتا ہے۔

عبداللہ نے اپنا گلاس ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ اس کا منتظر تھا کہ اجنبی پیے تو وہ بھی پینا شروع کرے۔

اجنبی نے شکریہ کہتے ہوئے گلاس ہونٹوں سے لگایا اور بے اختیار بولا۔

آپ کا انتخاب ہر پہلو سے بہت عمدہ ہے۔ آپ بلا شبہ ایک با کمال انسان ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر جتنی خوشی ہو رہی ہے، اتنی کسی اور سے مل کر نہیں ہوئی۔

اجنبی کی اس بات نے عبداللہ کے تجسس کو پھر بیدار کر دیا کہ وہ اجنبی کون ہے۔ مگر وہ دو دفعہ پوچھ چکا تھا اور اجنبی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا، اس لیے عبداللہ کو تیسری دفعہ اس کے بارے میں پوچھنا مناسب نہیں لگا۔ اس کے بجائے اس نے خود ہی اجنبی کے بارے میں جاننے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک لمحے کو نظر اٹھا کر اجنبی کو دیکھا۔ وہ اطمینان سے اسے دیکھتے ہوئے مشروب پی رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی جسے عبداللہ کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ اس کے بعد عبداللہ نے سر جھکایا اور آنکھیں بند کرلیں۔

عبداللہ ایک بہت بڑی حیثیت کا جنتی تھا۔ یہاں اس کے لیے ایک طرف جنت کی بادشاہی مسخر کردی گئی تھی اور دوسری طرف اس کے اندرونی وجود میں بھی انتہائی غیر معمولی صلاحیتیں پیدا ہوچکی تھیں۔ ان میں سے ایک کا اظہار اس وقت ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی عبداللہ کے سامنے تمام اہل جنت کی شکلیں آ گئی تھیں اور اس کے بعد لمحہ بھر میں اس نے اجنبی کے بارے میں ساری تفصیلات کو جان لینا تھا۔ اس نے تلاش کا عمل شروع کیا، مگر فوراً اس کے کانوں میں اجنبی کی آواز آئی۔

اس کی ضرورت نہیں ہے عبداللہ۔ میں تمھیں خود بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔

\-

جنت اور نیکیوں کا ذکر آ گیا تھا تو فرشتے نے اسریٰ کے سامنے وہ معیار رکھ دیا جو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجات کا ضامن بنا تھا۔ اس کی دلنشین آواز پھر بلند ہوئی۔

اِس دنیا میں اخلاص کی بڑی قدر ہوئی ہے۔ جو عمل خالصتاً اللہ کے لیے تھا وہ اگر ذرہ تھا تو پہاڑ بن گیا۔ جو عمل سب سے چھپ کر کیا گیا تھا وہ ایک تھا تو ہزار بن گیا۔ جو عمل اللہ کی رضا کے لیے، اس کی مرضی کے مطابق، اس کے انبیا کے طریقے اور قرآن مجید کے مطالبات کے عین

مطابق تھا، وہ کم ہو کر بھی ہر اس عمل پر بھاری رہا جو بدعت، خواہش اور تعصب سے پھوٹا تھا۔ جن لوگوں نے خدا سے ڈر کر زندگی گزاری، جنھوں نے حق پرستی کو اپنا شعار بنایا، جنھوں نے صبر اور احسان کی روش اختیار کی؛ وہ خدا کے نزدیک سب سے بڑھ کر معتبر ٹھہرے۔ خدا کے وہ وفادار جو پچھلی زندگی میں ستائے گئے تھے، نئی دنیا کے سردار و مالک قرار پائے ہیں۔ جنھوں نے خدا کی رضا کے لیے قربانی کی راہ اختیار کی وہی آج سب سے بڑھ کر کامیاب ہوئے ہیں۔

فرشتے نے جیسے ہی یہ خصوصیات بیان کیں، اسریٰ کے ذہن میں ایک ہی شخص کا تصور آیا۔ اس تصور سے اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ دل محبت سے سرشار ہو گیا۔ اس نے بے اختیار کہا:

وہ کہاں ہیں؟

اس کی بات پر فرشتہ مسکرا دیا۔

میں بہت دیر سے اس سوال کا منتظر تھا۔ مگر مجھے لگ رہا تھا کہ جنت کے حسن و جمال نے آپ کو اس طرح اپنے سحر میں جکڑ لیا ہے کہ......

اسریٰ کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔ اس نے فرشتے کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

وہ میدان حشر میں میرے ساتھ تھے۔ جنت میں مجھ سے پہلے آ گئے تھے اور اس کے بعد جب میں جنت میں داخل ہوئی تو یہاں کی طلسماتی دنیا نے دل و دماغ کو مسخر کر لیا تھا۔ مگر وہ ہیں کہاں؟ میں سب سے پہلے انھی سے ملنا چاہتی ہوں۔

وہ بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ تو کب سے آپ کے منتظر تھے۔

مگر وہ تو مجھ سے ذرا ہی پہلے......

یہ جنت ہے۔ یہاں وقت نہیں ہوتا۔ وہاں کا ذرا سا وقت یہاں کے برسہا برس میں بدل چکا ہے۔ لیکن وہ آپ ہی کے منتظر رہے ہیں۔ اور جب آپ کے آنے کے بارے میں انھیں معلوم

ہوا تو وہ آپ کے لیے ایک انمول تحفہ لینے چلے گئے۔ بلکہ اب تو وہ آپ سے ملنے کے لیے آ رہے ہیں۔

اسریٰ کی نظر بے اختیار اپنے محل کے داخلی دروازے کی طرف اٹھ گئی۔

اجنبی کا لہجہ اور انداز بدل چکا تھا۔ اس سے پہلے وہ بڑے ادب سے مخاطب ہو رہا تھا مگر اب اس نے تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر عبداللہ کو مخاطب کیا تھا۔

اس کی آواز سن کر عبداللہ نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ مگر وہ اجنبی کی توقع سے کہیں زیادہ تیز رفتار ثابت ہوا تھا۔ اس نے لمحے بھر ہی میں اجنبی کے بارے میں سب کچھ جان لیا تھا۔ یہ کہ اس کے سامنے موجود شخص کس قدر بلند درجہ کا جنتی ہے۔ یہ کہ اس کی اپنی صلاحیت اتنی زیادہ ہے کہ اس نے عبداللہ کے آنکھیں بند کرتے ہی جان لیا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ یہ کہ یہ اجنبی جب جنت میں آیا تو اس نے آتے ہی سب سے پہلے عبداللہ کو ڈھونڈا تھا۔ یہ کہ وہ اجنبی بہت عرصے سے عبداللہ کو دور رہ کر دیکھتا رہا تھا۔ اور یہ کہ آج وہ پہلی دفعہ اس سے ملنے کے لیے آیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے سامنے موجود شخص کوئی اور نہیں اس کا اپنا باپ وقار ہے۔

عبداللہ یہ جانتے ہی ایک دم سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر خوشی اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اجنبی بھی اپنی نشست سے اٹھ چکا تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ عبداللہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکا ہے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ عبداللہ کی سمت پھیلا دیے۔ عبداللہ دیوانہ وار آگے بڑھا اور بابا جان میرے بابا جان کہتے ہوئے وقار سے لپٹ گیا۔

عبداللہ بہت دیر تک وقار کے گلے لگا رہا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اس نے کبھی اپنے باپ کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ کبھی اس کا لمس محسوس نہیں کیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ

وقار عبداللہ کی پیدائش کے پہلے برس ہی دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔ وہ اپنی تمام ابتدائی زندگی ماں باپ کی شفقت بلکہ کسی بھی قسم کے خاندانی تحفظ سے محروم رہا تھا۔ پہلے ماں باپ گئے، پھر دادی رخصت ہوئیں۔ جس کے بعد اس نے بے آسرا اور بے سہارا زندگی گزاری تھی۔ اس پر اللہ کا کرم ہوا تھا کہ اس کے باوجود وہ بری صحبت میں پڑنے کے بجائے ایک اعلیٰ انسان بن سکا اور جنت میں اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

پچھلی دنیا میں بھی اس کی خاندانی زندگی ناعمہ سے شادی کے بعد شروع ہوئی تھی۔ ناعمہ ہی نے آکر اس کی زندگی میں سارے رنگ بھرے تھے۔ اس نے اپنے ماں باپ کے بارے میں کبھی سوچا بھی تھا تو کوئی تصور قائم نہیں ہوسکا تھا۔ مگر آج اچانک اپنے باپ کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ ساری محرومیاں مٹ گئی تھیں جو پچھلی زندگی میں اس حوالے سے اسے ملی تھیں۔ اسے سب سے بڑھ کر اس بات کی خوشی تھی کہ اس کا باپ اپنی ذات میں ایک بہت بڑی حیثیت کا مالک تھا۔ اسی لیے وہ جنت میں ابتدا ہی میں داخل ہونے والے خوش نصیبوں میں سے ایک تھا۔

تھوڑی دیر تک وقار اس کی پیٹھ تھپتھپاتا رہا۔ خود اس کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ پھر اس نے عبداللہ کو خود سے جدا کرتے ہوئے کہا۔

میرے سامنے بیٹھو سردار عبداللہ! میں تمھیں دل بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔

وقار اپنی نشست پر بیٹھا۔ عبداللہ بھی اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

عبداللہ کہیے بابا۔ صرف عبداللہ کہیے۔

ہاں عبداللہ۔ میں تو عرصے سے تمھیں دیکھ رہا تھا۔ تمھاری عزت کے تاج کو دیکھ رہا تھا۔ تمھارے مقام اور مرتبے کو دیکھ رہا تھا۔ اور اپنے مالک کا شکر ادا کر رہا تھا جس نے میرے بیٹے کو اس مقام پر پہنچا دیا۔

مگر بابا آپ مجھ سے پہلے کیوں نہیں ملے؟

میں تمھیں دور دور سے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ ہر محفل میں جب میں تمھاری عزت افزائی دیکھتا، تمھارا مقام و مرتبہ دیکھتا تو دل بہت خوش ہوتا تھا۔اور جو مزہ اجنبی بن کر تمھیں دیکھنے کا تھا وہ اب کہاں آئے گا۔مگر آج تم سے ملنے کی ایک وجہ تھی۔

وہ کیا بابا؟

آج تمھاری ماں جنت میں آئی ہے۔ میں آج تمھاری شکل میں اسے ایک بے مثال تحفہ دوں گا۔

سچ بابا؟

عبداللہ کے لیے یہ ایک اور بڑی خوشی کی خبر تھی۔ وقار نے اسے جواب دیا۔

ہاں بیٹا۔تمھاری ماں ایک اعلیٰ ترین انسان ہے۔ وہ بھی جنت میں اعلیٰ ترین درجات کی مستحق ٹھہری ہے۔

الحمدللہ۔عبداللہ نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

بابا! میں نے کبھی آپ دونوں کو تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میں نے جہنم میں اتنے زیادہ لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھا ہے کہ ڈر لگتا تھا کہ اپنے ماں باپ کے بارے میں کوئی بری خبر نہ سن لوں۔مگر مجھے کیا پتہ تھا کہ میرے ماں باپ جن سے میں بالکل واقف نہیں تھا، اتنے بڑے درجے کے جنتی ہوں گے۔

مگر تم سے کم ہیں عبداللہ۔تم تو آسمان کا تارا بن چکے ہو۔

نہیں بابا۔بس میں تو آپ کا بیٹا ہوں۔ ہاں مجھے آپ اپنے بارے میں بتائیے نا۔ میں آپ کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔

میں اپنے بارے میں بتاؤں گا۔ سب کچھ بتاؤں گا۔ مگر اس وقت تو میں تمھارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ میں نے تمھیں آخری دفعہ دیکھا تھا تو تم بہت چھوٹے تھے۔ پھر اللہ نے تمھیں اتنا بڑا مقام دے دیا۔ یہ سب کچھ کیسے ہوگیا؟ مجھے بتاؤ بیٹا۔

اس کے کہنے پر عبداللہ اسے اپنے بارے میں بتانے لگا۔ اپنی ابتدائی زندگی کی محرومیاں۔ پھر ناعمہ سے اس کی شادی ہونا۔ پھر اپنی داعیانہ زندگی کی پوری داستان عبداللہ اسے سناتا رہا۔ عبداللہ خاموش ہوا تو وقار نے اس سے پوچھا۔

مجھے میری بہو ناعمہ سے کب ملواؤ گے؟

بابا! عجیب اتفاق ہے کہ وہ بھی جنت میں ابھی ابھی آئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ سے ملا دیا۔ لیکن میری امی؟

عبداللہ کی بات پر وقار ہنسنے لگا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ایک لین دین کرنا ہوگا۔ میں تمھیں تمھاری ماں سے ملواؤں گا اور تم مجھے میری بیٹی ناعمہ سے ملواؤ گے۔

لیکن پہلے امی۔ عبداللہ نے اصرار کیا۔

ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں ابھی تک اس سے نہیں ملا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ اس سے ملنے جاؤں تو تمھاری شکل میں ایسا تحفہ لے کر اس کے پاس جاؤں کہ وہ خوش ہوجائے۔ اس کے تصور میں بھی نہیں ہوگا کہ اس کا بیٹا اتنے بڑے مقام پر پہنچ گیا ہے۔

چلیے بابا ابھی چلتے ہیں۔

عبداللہ بے تابی سے کھڑا ہوگیا۔ پھر وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔

بابا میری امی کا نام کیا ہے؟

تمھاری ماں کا نام اسریٰ ہے۔

اسریٰ کی نظریں محل کے داخلی دروازے پر ٹکی ہوئی تھیں کہ فرشتے کی آواز اس کے کانوں تک آئی۔

تھوڑا سا انتظار اور کرلیجیے۔ اب سارے انتظار ختم ہونے کا وقت آگیا ہے۔

اسریٰ نے دروازے سے نظر ہٹا کر فرشتے سے پوچھا۔

اچھا اتنے میں یہ بتا دیں کہ میدان حشر میں ابھی کیا ہو رہا ہوگا؟

وہاں سزا اور جزا سنا دی گئی ہے اور لوگ گروہ در گروہ اپنی اپنی منزل تک لے جائے جا رہے ہیں۔ جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے گئے اور اہل جنت حمد و تسبیح کے کلمات کے ساتھ جنت کی ابدی منزل تک پہنچائے جا رہے ہیں۔ جہنم کے ساتوں دروازے کھول دیے گئے اور اہل جہنم چیختے چلاتے، پٹتے اور گھسٹتے ہوئے جہنم کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

اور پچھلی دنیا؟

اسریٰ نے سوال کیا۔ اس کے ذہن میں اپنی ماضی کی زندگی کے تمام نقوش تیر رہے تھے۔

پچھلی دنیا اپنے فانی وجود اور ظلم و الم کی داستانوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ اور نئی دنیا جسے ہمیشہ باقی رہنا ہے، اپنی ہمیشہ رہ جانے والی سزا اور جزا کے ساتھ شروع ہوگئی ہے۔ کبھی نہ ختم ہونے کے لیے۔ اہل جہنم خدا کے غضب اور قہر کا سامنا کرنے کے لیے جہنم کے قید خانے میں مسلسل چیخ پکار میں مصروف ہیں۔ اور اہل جنت اپنی جنت میں خدا کی مہمانی اور اس کی نعمتوں کا لطف لے رہے ہیں۔ آپ کی طرح۔

اور وقار کی طرح۔

اسریٰ نے بے اختیار کہا۔

ہاں، مگر اس جنت میں آپ سے متعلق اور لوگ بھی ہیں۔ اِنھی اہل جنت میں نبی آخرالزماں کی امت کا ایک اور فرد بھی ہے جس کی زندگی خدا کی بندگی اور بندگی کی دعوت میں گزری تھی۔ یہ فرد ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے غفلت اور معصیت کے اندھیروں میں قرآن کریم کو اپنی روشنی بنایا اور پھر اس روشنی سے ایک عالم کو روشناس کرایا۔ ایک ایسے دور میں جب قرآن مجید ایک اجنبی کتاب تھا، ان لوگوں نے اس کتاب کو اپنی زندگی بنالیا۔ ایک ایسے دور میں جب لوگ خدا کے کلام کو پا کر بھی اس سے محروم رہے، ان لوگوں نے ہر نظریے کو اس کی فرقان پر پرکھا اور ہر عمل کو اس کی میزان پر تولا۔

اسریٰ خاموشی سے سن رہی تھی، مگر چہرے پر سوال تھا۔ فرشتہ بولتا رہا۔

انھوں نے جان لیا تھا کہ قرآن مجید خدائے ذوالجلال کا کلام محفوظ ہے۔ وہ نبی آخرالزماں کی چھوڑی ہوئی سب سے مستند میراث ہے۔ وہ مذہبی لٹریچر میں موجود سب سے بڑی ہدایت ہے جو تمام انبیا کی دعوت کا نچوڑ ہے۔ وہ جنت کے خزانے کی خبر دینے والا نقشہ بھی ہے اور اس تک پہنچانے والا راستہ بھی ہے۔

آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟ یہ اوصاف تو میرے شوہر وقار کے ہیں۔

اسریٰ کا سوال الفاظ کے قالب میں ڈھل ہی گیا، مگر اس کی سوئی وقار ہی پر اٹکی ہوئی تھی۔

فرشتہ مسکرانے لگا۔

مانا کہ آپ کو اپنے شوہر سے بہت محبت ہے، مگر یہاں ان کے علاوہ اور بھی لوگ ہیں۔ میں آپ کے شوہر کی بات نہیں کر رہا۔ میں جس کی بات کر رہا ہوں وہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے اپنے زمانے کی خواہشات، بدعات اور تعصّبات پر مبنی دینداری سے ٹکرا کر قرآن مجید کی دعوتِ ایمان و اخلاق کو ایک زندہ پکار بنا دیا تھا۔ پھر اس کی اس دعوت کو دنیا کے کونے کونے تک

پہنچا دیا تھا۔آخری زمانے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قرآن کا یہی وہ ابلاغ تھا جو قیامت کے آنے کا جواز بن گیا تھا۔ کیونکہ سچائی جب بالکل کھول کر بتا دی جائے اور پھر لوگ نہ مانیں تو اس بات کا کوئی سوال نہیں رہتا کہ ان کو مزید ڈھیل دی جائے۔

مگر وہ کون ہے؟

اسریٰ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

فرشتے نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے داخلی دروازے کی طرف دیکھا۔ خدام کے جلو میں دو انتہائی وجیہ، خوبصورت اور غیر معمولی شخصیت کے مالک افراد اندر آ رہے تھے۔

فرشتے نے اسریٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

معذرت چاہتا ہوں۔ یہ آپ کا محل ہے۔آپ کی اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں آ سکتا۔ مگر یہ وہ دو لوگ ہیں جن کے لیے میں نے آپ سے پوچھے بغیر خدام کو انھیں اندر لانے کی اجازت دے دی تھی۔ ان میں سے ایک کو تو آپ پہچانتی ہی ہیں۔

اسریٰ فرشتے کی باتوں سے بالکل بے نیاز پلکیں جھپکائے بغیر داخلی دروازے کی سمت اندر آنے والے دو میں سے ایک شخص کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ گرچہ بہت بدل گیا تھا۔ بہت خوبصورت اور دلکش ہو چکا تھا۔ مگر وہ اپنے شوہر وقار کو ہزاروں میں سے بھی پہچان سکتی تھی۔

میں رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہوں۔

فرشتے نے اس کی بے خودی کو دیکھتے ہوئے کہا، مگر اسریٰ نے جواب نہیں دیا۔ وہ تو بس وقار کو دیکھے جا رہی تھی۔ خوشی اور مسرت کے مارے اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔

فرشتہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ مہمانوں کے قریب پہنچ کر وہ رکا اور عبداللہ سے مصافحہ

کرتے ہوئے بولا:

سردار کے قدم مبارک ہوں۔

عبداللہ نے انکسار کے ساتھ سر جھکاتے ہوئے کہا۔

برکت تو صرف میرے رب کے نام میں ہے۔

پھر فرشتہ وقار سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

آپ جایئے۔آپ کی بیگم آپ سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔ویسے میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ آپ پہلے ان سے تنہائی میں مل لیں۔لیکن آپ مصر تھے کہ ساتھ میں سردار عبداللہ کو ضرور لے کر آئیں گے۔

فرشتے نے عبداللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وقار نے اس سے کہا۔

شکریہ دوست۔آپ نے اسریٰ کے آنے کی اطلاع پہلے ہی دے دی تھی۔مجھے یقین ہے اسریٰ کو مجھ سے زیادہ اِن سے مل کر خوشی ہوگی۔

جیسے آپ کی مرضی۔یہ آپ کی بادشاہی ہے۔جو آپ چاہیں گے وہی ہوگا۔ویسے ملکہ اسریٰ کو میں نے یہ تو نہیں بتایا کہ سردار عبداللہ کون ہیں،مگر بالواسطہ طور پر ان کا تعارف کرا دیا ہے۔

شکریہ۔وقار نے کہا اور اسریٰ کی سمت تیزی سے چلا گیا۔فرشتے نے خدام کو اشارہ کیا اور خود آگے بڑھ گیا۔خدام فرشتے کا اشارہ سمجھ کر ادب سے باہر کی سمت مڑ گئے۔

عبداللہ اکیلا کھڑا رہ گیا۔وہ مسلسل اپنی ماں اسریٰ کو دیکھ رہا تھا۔اسریٰ بظاہر اس کی ہم عمر بلکہ دیکھنے میں چھوٹی ہی تھی،مگر جنت میں لوگ عمر سے نہیں رشتوں سے ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔وقار اس کا ہم عمر ہوتے ہوئے اس کا باپ تھا اور اسریٰ اس کی ماں۔اس کے دل میں ان کے لیے وہی سارے جذبات تھے جو کسی بیٹے کے دل میں اپنے ماں باپ کے لیے ہو سکتے تھے۔

اور اس نے تو زندگی میں پہلی دفعہ اپنی ماں کو دیکھا تھا۔ اس لفظ میں جو مٹھاس اور جو محبت تھی وہ دور کھڑا اس کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے ممتا کے لمس کو چھوئے بغیر محسوس کر لیا تھا۔

اسی اثنا میں وقار چلتا ہوا اسریٰ کے پاس پہنچ گیا۔ اسریٰ جو ابھی تک مسلسل وقار کو دیکھ رہی تھی، اس کے قریب پہنچنے پر اسے چھوڑ کر عبداللہ کو دیکھنے لگی۔ اس موقع پر ایک اجنبی کا یہاں موجود ہونا اسے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وقار کے آنے پر خوشی کا اظہار کرے یا اس اجنبی کے یہاں ہونے پر ناراض ہو۔ وقار نے اس کے احساسات کو محسوس کر لیا۔

اسریٰ! اس سے ناراض نہ ہو۔ اس کی کوئی غلطی نہیں۔ اسے میں لے کر آیا ہوں۔

اسریٰ نے وقار کی طرف رخ کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

یہ کون ہے اور آپ اسے اِس وقت لے کر کیوں آئے ہیں؟

یہ وہی ہے جس کا تعارف تمھارے پاس موجود فرشتے نے تھوڑی دیر قبل کرایا ہے۔

اسریٰ کے ذہن میں فرشتے کی وہ ساری باتیں تازہ ہوگئیں جو اس نے تھوڑی دیر پہلے کی تھیں۔ فرشتے نے جس ہستی کا تعارف کرایا تھا وہ یقیناً کوئی بڑی ہستی تھی۔ آنے والا واقعتاً کوئی بہت بڑا آدمی لگ رہا تھا۔ مگر وہ اس سے ملنے کیوں آیا ہے؟ اس کے جاننے والوں میں ایسا کوئی نہیں تھا۔ اہل جنت کی شکلیں بہت خوبصورت ہو چکی تھیں، مگر ایسا نہیں تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں تھے۔ پچھلی دنیا میں لوگ جس جس سے واقف تھے وہ اس کو یہاں آسانی سے پہچان لیتے تھے۔ مگر یہ شخص اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اجنبی تھا تو وہ وقار کے ساتھ کیوں آیا تھا۔ اسریٰ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

اسریٰ نے عبداللہ کو دوبارہ غور سے دیکھا، مگر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق پیدا نہ ہوئی۔ عبداللہ اپنی جگہ پر کھڑا اسریٰ ہی کو دیکھے جا رہا تھا۔ وقار نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آیا۔ قریب آنے پر اسریٰ نے دیکھا کہ وہ رو رہا تھا۔ اسے روتا دیکھ کر اسریٰ کے دل کو کچھ ہوا۔ وہی ہوا جو ایک ماں کو اپنے معصوم بچے کو روتا ہوا دیکھ کر ہوتا ہے۔ مگر اسریٰ کو اس احساس کے پیدا ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

اسریٰ کے کانوں میں وقار کی آواز آئی۔

اسریٰ میں نے سوچا تھا کہ جنت میں تمھارے آنے پر تمھیں ایسا تحفہ دوں گا جو تمھیں ہمیشہ یاد رہے گا۔ یہ تمھارا تحفہ ہے۔ ویسے تو یہ ایک بہت اونچے درجے کا جنتی ہے۔ لیکن یہ ہمیشہ تم سے چھوٹا رہے گا۔ حتیٰ کہ تم اس کے کان بھی کھینچ سکتی ہو۔ اس لیے کہ یہ تمھارا بیٹا عبداللہ ہے۔

اسریٰ نے بے یقینی سے وقار کو دیکھا۔ پھر دوبارہ عبداللہ کو دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ حقیقت اور بے یقینی کی جنگ کچھ دیر جاری رہی اور آخر کار اس جنگ میں حقیقت جیت گئی۔ اسریٰ کی آنکھیں بہنے لگیں۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

میرا بچہ۔ میری جان۔ میرا عبداللہ۔

اسریٰ کی اس بات پر عبداللہ دوڑتا ہوا آیا اور اسریٰ سے لپٹ گیا۔ دونوں ماں بیٹا رو رہے تھے۔ پھر اسریٰ نے اسے اپنے سامنے کرتے ہوئے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

عبداللہ! تجھے تو میں اس طرح جوان دیکھ ہی نہیں سکی تھی۔ مگر اب دیکھا ہے تو لگتا ہے خدا نے سارے جہاں کا نور میری گود میں ڈالا تھا۔

عبداللہ اسریٰ کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگا۔

امی! میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر آپ کو یاد ہمیشہ کیا تھا۔ میں ہمیشہ سوچتا تھا میری

امی کیسی ہوں گی۔ آپ تو بہت اچھی ہیں۔ بالکل بابا جیسی۔ آپ دونوں نے تو اس جنت میں میرا قد بلند کر دیا۔

نہیں بیٹا! قد تو تم نے ہمارا بلند کر دیا ہے۔ تمھاری وجہ سے جو عزت ہمیں ملی ہے اور ملے گی وہ ہماری حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔

پھر عبداللہ ماں کے قدموں سے اٹھا اور باپ کے ہاتھوں پر بوسہ دیتے ہوئے بولا۔

شکریہ بابا۔ آپ نے آج میری جنت کو پورا کر دیا۔ آج میری ہر محرومی دور ہو گئی۔

مگر اب تمھیں اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔ میں نے تمھیں تمھاری ماں سے ملوایا ہے۔ تم مجھے میری بیٹی سے ملواؤ گے۔

بیٹی؟

اسریٰ نے وقار کی بات پر حیرت سے اسے دیکھا۔

ہاں اسریٰ۔ عبداللہ کی بیوی ناعمہ۔ تمھاری بیٹی ہوئی نا۔

عبداللہ نے اسریٰ کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔

امی میں کل ہی آپ کو اپنے گھر بلاتا ہوں۔ آپ ناعمہ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔ اس کے لیے بھی آپ سے ملنا باعث مسرت ہوگا۔

کیوں نہیں بیٹا۔ اسریٰ نے بڑے شوق سے کہا۔

مجھے اس سے مل کر سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔

اچھا اب میں چلتا ہوں بابا۔ ناعمہ کو آپ لوگوں کے بارے میں بتانا ہے۔

بیٹا رکو تو سہی۔ اسریٰ اسے روکنا چاہ رہی تھی۔ مگر عبداللہ نے اجازت لیتے ہوئے کہا۔

امی اب ساری باتیں کل ہوں گی۔ اللہ حافظ۔

یہ کہتے ہوئے اس نے ادب سے سر جھکایا اور باہر کی سمت چلا گیا۔

ناعمہ......

عبداللہ نے آواز دی تو ناعمہ نے پلٹ کر دیکھا۔اس کے لیے عبداللہ کی اس طرح اچانک آمد غیر متوقع تھی۔ یہ دونوں گرچہ میاں بیوی تھے، مگر الگ الگ اپنے گھروں میں رہا کرتے تھے۔ جنت میں ہر شخص کو اپنا الگ گھر ملا تھا۔

وہ ماضی کی دنیا تھی جب بیویاں شوہروں کے گھروں میں رہا کرتیں اور شوہر پر ان کی تمام مالی ذمہ داریاں ہوا کرتی تھیں۔ یہاں تو ہر شخص نے اپنا بدلہ خود پایا تھا۔اس لیے میاں بیوی ساتھ نہیں رہا کرتے تھے۔البتہ جب ملنا چاہتے اور جہاں ملنا چاہتے تھے، مل لیا کرتے تھے۔کبھی ایک کے گھر کبھی دوسرے کے گھر اور کبھی ان حسین سیر گاہوں میں جو زمین و آسمان میں ہر جگہ بے شمار پھیلی ہوئی تھیں۔

اس وقت عبداللہ ناعمہ کے محل میں آیا تھا۔اس نے آتے ہی ناعمہ کے خدام کو منع کر دیا تھا کہ ناعمہ کو اس کی آمد کی اطلاع نہ دی جائے۔ وہ اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا۔اور واقعی اس طرح اچانک عبداللہ کا آنا اس کے لیے ایک خوشگوار سرپرائز تھا۔

آپ کب آئے؟

مجھے چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو؟

عبداللہ نے دور سے دیکھ لیا تھا کہ ناعمہ نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔

عبداللہ۔ مجھے جنت میں آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا۔ میں روزِ حشر کے اثرات سے باہر نہیں نکل پا رہی ہوں۔انسانیت نے اپنی غفلت کا جو انجام بھگتا ہے......

اس کی بات پر عبداللہ نے اسے محبت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

ناعمہ! ہمارے رب نے کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے۔ قرآن مجید کی ہدایت سب لوگوں کو معلوم تھی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے بارے میں سب کچھ صاف صاف بتادیا تھا۔ اس کے بعد بھی لوگوں نے مانا نہ قرآن مجید کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالا۔ اس کے بعد جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ اسی کے مستحق تھے۔

اس کی بات کی تائید میں ناعمہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

دوسروں سے زیادہ مجھے مسلمانوں کا افسوس ہے۔ قرآن تو ان کی اپنی کتاب تھی۔ مگر انھوں نے بھی اسے اٹھا کر پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ اس کی دعوت ایمان کو بس رسمی عقیدہ سمجھ لیا۔ ان کا ایمان کبھی معرفت اور یقین میں نہ ڈھلا۔ لوگوں نے نجات کے ہزار راستے خود بنالیے۔ جو راستہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں بتایا تھا، اس کو مان کر نہیں دیا۔

تم ٹھیک کہتی ہو ناعمہ۔ قرآن کا بیان کردہ عمل صالح کا راستہ اور عمل صالح کے اعمال جن میں سے ایک ایک کو نام لے کر قرآن میں بیان کیا گیا تھا، لوگوں نے اس راستے اور ان اعمال کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ حالانکہ یہ راستہ تو اعلیٰ اخلاقی رویے کا دوسرا نام تھا۔ یہ راستہ خدا کی عبادت، بندوں کی خدمت اور صبر، پاکدامنی اور احسان کی زندگی کا نام تھا۔ لوگوں نے اس کو اپنی زندگی نہیں بنایا اور اس کا نتیجہ بھگت لیا۔

پھر اس نے ایک مثبت رخ ناعمہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔

مگر تم یہ تو دیکھو کہ سب لوگ تو ایسے نہیں تھے نا۔ تم ان لوگوں کے بارے میں سوچو جنھوں نے قرآن مجید کی دعوت کو اپنی زندگی اور اپنا کردار بنالیا۔ ایسے بے گنتی لوگ تمھیں یہاں جنت میں ملیں گے۔ تم لوگوں سے ملنا شروع کرو۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔مگر آپ یوں اچانک آ گئے ۔ بتا کر آتے تو میں آپ کی راہ میں تارے بچھا کر آپ کا استقبال کرتی۔

ناعمہ نے بہت محبت سے مسکراتے ہوئے عبداللہ سے کہا۔

تارے ضرور بچھانا، مگر کل ۔ کیونکہ کل میں تمھیں دو ایسے لوگوں سے ملوار ہا ہوں جن کے بارے میں سن کر تم واقعی خوش ہو جاؤ گی۔

ناعمہ نے عبداللہ کی بات پر حیرت سے پوچھا۔

کون ہیں وہ لوگ؟

کون ہیں وہ؟

تمھارے ساس سسر اور میرے والدین۔

ارے مگر آپ نے مجھے پہلے ان کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔

میں بھی آج ہی ان سے ملا ہوں۔اور وہ شدت سے تم سے ملنا چاہتے ہیں۔کل وہ میرے گھر آرہے ہیں، تم سے ملنے کے لیے۔

پھر تو میں آج ہی سے ان کے لیے اہتمام شروع کر دیتی ہوں۔ میں پچھلی دنیا میں تو ان سے نہیں ملی، لیکن چاہتی ہوں کہ آج جب وہ مجھے دیکھیں تو مان جائیں کہ آپ کا انتخاب زبردست تھا۔ بلکہ ایسا کریں کہ آپ ان کو میرے محل لے آئیں، انھیں بہو سے ملنے اس کے گھر آنا چاہیے۔

عبداللہ اس کی بات کے آخری حصے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

تم پہلے بھی لاجواب تھیں۔ یہاں بھی لاجواب ہو۔

عبداللہ کی بات بالکل درست تھی۔ ناعمہ گرچہ دنیا میں بھی ایک خوش شکل خاتون تھی، مگر

جنت کی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا تھا۔ اس کی شکل، قد و قامت، رنگ و روپ اور شخصیت کا ہر پہلو اتنا غیر معمولی ہو چکا تھا کہ اسے دیکھنا ہی عبداللہ کے لیے ایک عظیم نعمت تھی۔

عبداللہ کی بات پر ناعمہ کچھ شرما سی گئی۔ اسے شرماتا دیکھ کر عبداللہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ محبت آمیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

پتہ ہے تم ساتھ ہوتی ہو تو کسی اور منظر کو دیکھنا بھی ایک گناہ بن جاتا ہے۔

آپ بھی نا بات بدلنے کے ماہر ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ آپ ان کو میرے محل لائیں۔

چلو جیسی تمہاری خوشی۔

عبداللہ فوراً مان گیا۔ ناعمہ کے چہرے پر خوشی بکھر گئی۔

اسریٰ اور وقار ناعمہ کے گھر کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

اسریٰ بہت خوش تھی۔ جنت میں آنے کے بعد ہر لمحہ اس کے لیے ایک نیا اور منفرد تجربہ لے کر آتا تھا۔ ناعمہ کے گھر کا یہ سفر بھی ایسا ہی ایک تجربہ تھا۔

اسریٰ کو سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کس قسم کی سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، مگر اسے جو نظر آ رہا تھا وہ یہ تھا کہ یہ بظاہر ایک بہت بڑے بحری جہاز جیسا تھا جو سمندر کے بجائے خلا میں تیر رہا تھا۔ تیرنے کا لفظ اس لیے موزوں تھا کہ اس کے چلنے سے کسی قسم کی آواز یا شور نہیں پیدا ہو رہا تھا۔ وہ دونوں اس کے عرشے پر اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

ان کے ہر طرف بیکراں خلا بکھرا ہوا تھا جس نے سیاہی کی مہیب چادر اوڑھ رکھی تھی۔ مگر اس چادر میں جڑے اربوں کھربوں جگمگ جگمگ کرتے ستاروں نے اس منظر کو بیک وقت نظر نواز

اور دلنواز بنا رکھا تھا۔ ان کے راستے کی ہر منزل پر روشنی اور رنگ، نور اور ظلمت کا عجیب امتزاج تھا۔ کہیں ستاروں کی کثرت سیاہ پس منظر پر دودھیا روشنی بکھیر رہی تھی۔ کہیں اندھیروں کی قبا پر دمکتے تاروں کی چمکتی روشنی اور جگمگاہٹ نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ کہیں روشنی سفید رنگ کی تھی۔ کہیں ہر رنگ کی تھی۔ کہیں جامد تھی۔ کہیں مسلسل حرکت میں تھی۔ کہیں ایک ہی منظر بناتی تھی اور کہیں ہزار ہا زاویے، تصاویر اور مناظر خلا کے کینوس (Canvas) پر بکھیر کر خود بکھر جاتی تھی۔ ان سارے مناظر میں اتنا حسن تھا جو الفاظ کی گرفت میں نہیں آ سکتا تھا۔

وقار آپ دیکھ رہے ہیں یہ کتنا خوبصورت راستہ ہے۔

جنت کا ہر راستہ اتنا ہی خوبصورت ہوتا ہے۔

پتہ ہے وقار! جب سے جنت میں آئی ہوں سب کچھ بدل گیا ہے۔ پچھلی دنیا اور اس دنیا میں اتنا فرق ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کی صناعی کی کیسے داد دوں۔ باہر کی دنیا کو تو چھوڑیں خود میرے اندر اتنی تبدیلی آ گئی ہے کہ کچھ حد نہیں۔ جنت میں آنے کے بعد جب میں چلتی ہوں اور پسینہ آتا ہے تو جسم سے بو آنے کے بجائے پورا وجود مہک اٹھتا ہے۔ کچھ کھاؤں تو منہ کی صفائی کی ضرورت پیش آنے کے بجائے ہر دفعہ ایک نئی خوشبو منہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔

مجھے اب غسل کی ضرورت رہی ہے نہ طہارت کی۔ پسینہ رہا ہے نہ بد بو آتی ہے، نہ کسی اور طرح کی نجاست ہی رہی ہے۔ میں جب چاہتی ہوں بالوں اور آنکھوں کا رنگ بدل جاتا ہے۔ میں جو چاہتی ہوں مل جاتا ہے۔ جو سوچتی ہوں ہو جاتا ہے۔ مزاج کا عالم یہ ہے کہ بوریت محسوس ہوتی ہے نہ کسی چیز سے بیزار ہوتی ہوں۔ تھکتی ہوں نہ نڈھال ہوتی ہوں۔ ہر وقت انتہائی فریش رہتی ہوں۔ ہر وقت خوش رہتی ہوں۔ یہ جنت کیسی عجیب جگہ ہے۔

وقار اس کی بات پر ہنسنے لگا۔

جنت خدا کے انعام کی جگہ ہے۔ یہاں ہر جگہ اس کا فضل ہے۔ اور ابھی تو اس فضل کا آغاز ہے۔ یہ جنت خدا کی بنائی ہوئی جگہ ہے۔ یہ خدا کی بے پناہ طاقت کا اظہار ہے۔ تم جانتی ہو ہم اس وقت کتنی دور جا رہے ہیں؟

نہیں تو۔

پچھلی دنیا کی تیز رفتار ترین سواری یعنی راکٹ میں بھی یہ سفر لاکھوں برس میں طے ہوتا۔ لیکن ہم یہ سفر تھوڑی ہی دیر میں پورا کر لیں گے اور اس وقت ہمیں محسوس بھی نہیں ہو رہا کہ ہم حرکت کر رہے ہیں۔

واقعی۔ اسریٰ نے اردگرد دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے تو ہر طرف خاموشی محسوس ہوتی ہے۔ لگ ہی نہیں رہا کہ ہم حرکت کر رہے ہیں۔

لیکن اب ہمارا سفر ختم ہو رہا ہے۔

وقار نے ایک روشنی کو دیکھتے ہوئے کہا جو مسلسل بڑی ہوتی جا رہی تھی۔ کیونکہ وہ اس کے قریب پہنچ رہے تھے۔

وقار نے روشنی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ تمھاری بہو کا گھر ہے۔

عبداللہ ناعمہ کے محل میں اپنے والدین کا انتظار کر رہا تھا جو کسی وقت بھی یہاں پہنچنے والے تھے۔

ناعمہ بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ یہاں چہرے پر کسی سرخی پاؤڈر کی ضرورت تو کسی جنتی خاتون کو نہیں پڑتی تھی کہ خدا نے ان کے حسن عمل ہی کو ان کا حسن بنا دیا تھا۔ لیکن لباس اور

زیورات کا انتخاب شخصیت کے تاثر کو اعلیٰ سے اعلیٰ کر ہی دیتا ہے۔یہی اس وقت ناعمہ کے معاملے میں ہوا تھا۔

عبداللہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

اللہ کا شکر ہے کہ تم میری بیوی ہو اور اتنی خوبصورت ہو۔

نہیں عبداللہ شکر تو مجھے ادا کرنا چاہیے کہ آپ میرے شوہر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بلند مقام دیا ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ماضی کی تکلیفیں، دکھ اور غم تو ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔ اب تو صرف ہمیشہ رہنے والا سکون، چین اور سرور بچا ہے۔کتنے خوش نصیب ہیں نا ہم لوگ۔

ہاں ہم واقعی خوش نصیب ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے۔

عبداللہ کے لہجے میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

بے شک۔ناعمہ نے دل سے اس کی تائید کی، پھر اس نے ایک دوسرا موضوع چھیڑتے ہوئے کہا۔

میں سوچ رہی تھی کہ ہم اپنے بچوں کو بھی آج بلا لیتے۔بابا اور امی ان سے بھی مل لیتے۔

ان کو کسی اور موقع پر ملوا دیں گے۔آج ان کو اپنی بہو سے ملنے دو۔ابھی تو جنت کے ابتدائی دن ہیں۔ابھی یہی ہوتا رہے گا۔لوگ ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے اور تعارف حاصل کرتے رہیں گے۔

یہ دونوں اسی گفتگو میں تھے کہ ایک خادم نے قریب آ کر ناعمہ سے کہا۔

میری مالکن! آقا عبداللہ کے والد گرامی وقار صاحب اور ان کی اہلیہ اسریٰ صاحبہ آپ سے ملنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔

خادم کی اطلاع پر عبداللہ اور ناعمہ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ناعمہ نے

عبداللہ سے کہا۔

آپ آگے بڑھ کر استقبال کیجیے۔ مجھے کچھ شرم آ رہی ہے۔

عبداللہ اس کی بات پر ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا، ناعمہ اس کے پیچھے پیچھے آہستگی سے چلنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں خادم کے ہمراہ عبداللہ کے والد اور والدہ محل کے اس حصے میں داخل ہوئے جہاں وہ لوگ موجود تھے۔ انھیں اندر آتا دیکھ کر عبداللہ بے اختیار آگے بڑھا۔ ناعمہ کچھ جھجکتی شرماتی پیچھے کھڑی رہ گئی۔ اس نے پچھلی زندگی میں اپنے ساس سسر کو نہیں دیکھا تھا۔ عبداللہ نے اسے بتایا تھا کہ اس کے بچپن ہی میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

عبداللہ آگے بڑھ کر اپنے والد وقار کے گلے لگ گیا۔ باپ بیٹا دونوں دیر تک ایک دوسرے سے لپٹے رہے۔ وقار سے مل کر عبداللہ نے اپنی ماں اسریٰ کو دیکھا اور اس کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ وہ کھڑا ہونے لگا تو اسریٰ نے اس کے سر کو چومتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنے بیٹے کو بہت چھوٹا دیکھا تھا۔ مگر اب اللہ نے مجھے میرے بیٹے کو ویسا ہی جوان دکھا دیا جیسے ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے۔ عبداللہ تمھیں جب دیکھتی ہوں، دل رب کریم کی عنایات کے احساس سے سرشار ہو جاتا ہے۔

اس کی بات پوری ہوئی تو وقار نے پیچھے کھڑی ناعمہ کو دیکھ کر کہا۔

تو یہ ہے وہ پری چہرہ جس نے میرے بیٹے کے دل کو چرایا تھا۔

وقار کی بات پر ناعمہ مسکراتے، شرماتے ہوئے ان دونوں کی سمت بڑھی۔ اسریٰ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور بے اختیار ماشاءاللہ کہا۔

تم کتنی خوبصورت ہو ناعمہ۔ اللہ نے تمھاری شکل میں میرے بیٹے کو کتنا خوبصورت جیون ساتھی دیا ہے۔

امی حضور! یہ پچھلی دنیا کی اس کی وہ سیرت ہے جو آج اس کی صورت بن کر ظاہر ہوئی ہے۔ اس نے میری خاطر بڑی قربانیاں دی تھیں۔ بڑی محبت اور وفا سے میرا ساتھ دیا تھا۔

اسریٰ نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کی شکل کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

بے شک ناعمہ! تمھاری خوبصورت شکل تمھاری اس بے مثال سیرت کی آئینہ دار ہے جو پچھلی زندگی میں تم نے اختیار کی تھی۔

عبداللہ نے اپنی ماں کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

امی یہ پچھلی زندگی میں بھی بہت خوبصورت تھی۔

اس کی بات پر وقار نے گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

عبداللہ بیٹا! لوگوں کی بری بھلی شکل جیسی بھی تھی پچھلی دنیا میں رہ گئی۔ اب تو ہر انسان کی وہی صورت ہے جو پچھلی دنیا میں سیرت تھی۔ مگر میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ اس پہلو سے میری بہو، بیوی اور بیٹا سب بہت حسین ہیں۔ لیکن میرے بیٹے عبداللہ جیسا کوئی نہیں ہے۔

یہ کہہ کر وقار نے دوبارہ عبداللہ کو اپنے گلے لگالیا۔ پھر اسے پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

ارے مجھے اپنی بیٹی سے تو ملنے دو۔

بابا میں تو خود آپ سے ملنے کی بہت خواہش مند تھی۔ عبداللہ نے آپ کی اتنی تعریف کی ہے کہ آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔

یہ کہتے ہوئے ناعمہ وقار کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اپنا سر جھکا دیا۔ وقار نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعا دی۔

میری بیٹی! اللہ تم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے۔

شکریہ بابا۔ آپ تشریف لائیں۔ ہم آپ دونوں سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے ناعمہ نے محل کے اندرونی حصے کی طرف اشارہ کیا اور وہ سب آگے بڑھنے لگے۔

یہ سب لوگ محل کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ محل کی شان و شوکت دیکھ کر اسریٰ اور وقار بہت خوش ہو رہے تھے۔ انھیں دلی خوشی تھی کہ ان کی بہو بھی بڑی شان والی تھی۔ آخر کار ایک کھلی جگہ پہنچ کر عبداللہ رک گیا اور شاہانہ انداز کی نشستوں پر بیٹھنے کی دعوت دی۔

اسریٰ نے اپنی نشست پر بیٹھتے ہی کہا۔

ناعمہ بیٹا تمہارے گھر آ کر میں تو خوش ہو گئی۔ تم تو میری توقع سے بڑھ کر اللہ کے انعام کو پانے والی ہو۔

امی میں کس قابل ہوں۔ اصل مقام و مرتبہ تو اللہ تعالیٰ نے عبداللہ کو دیا ہے۔

ناعمہ نے پرستائش انداز میں عبداللہ کو دیکھتے ہوئے۔

ہاں بھئی میرے بیٹے کی کیا بات ہے۔

وقار نے تحسین آمیز انداز میں عبداللہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اسریٰ نے بھی اپنے شوہر کی تائید کرتے ہوئے عبداللہ سے کہا۔

عبداللہ! تم پیدا ہوئے تھے تو میں نے اور تمہارے بابا نے عزم کیا تھا کہ ہم تمھیں اپنے رب کے کاموں کے لیے وقف کریں گے۔ مگر زندگی نے ہمیں مہلت نہ دی۔ مگر ہمارے رب نے ہماری لاج رکھ لی۔ میں کس منہ سے اس کا شکریہ ادا کروں۔

اسریٰ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔

امی ! میں آج جو کچھ بھی ہوں وہ آپ ہی لوگوں کی وجہ سے ہوں۔ مجھے آج خدمت اقدس میں حاضری کے لیے بلایا گیا تھا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے خود بتایا کہ مجھے زندگی میں جو مواقع ملے اور جو رہنمائی کی گئی اس کی ایک بڑی وجہ آپ لوگ تھے۔ خاص طور پر انھوں نے بابا جان کا نام لیا تھا۔

عبداللہ کی بات پر وقار نے اپنا سر جھکا دیا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح رہا اور پھر سر اٹھا کر عبداللہ سے بولا:

بیٹا میں تو جہنم کی راہ کا مسافر تھا۔ یہ میرے رب کا مجھ پر خصوصی احسان ہے کہ اس نے مجھے راستہ دکھایا۔ پھر مجھے زندگی ہی میں اسریٰ جیسی غیر معمولی بیوی دی۔ اور پھر تمہارے جیسی اولاد دی۔

بابا جان میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیں، آپ نے ایسا کیا کیا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اتنے قریب ہو گئے تھے۔

عبداللہ کی بات پر ناعمہ نے بھی اسریٰ سے پوچھا۔

امی ! میں بھی جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کی بابا جان سے شادی کیسے ہوئی تھی؟ آپ کی شادی آپ کے والدین نے کی تھی یا پسند کی شادی تھی؟

اس کی بات پر وقار ہنستے ہوئے بولا:

تمھیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ تمہاری ماں نے مجھ سے زبردستی شادی کی تھی۔

یہ سن کر ناعمہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ وہ حیرت سے بولی

زبردستی شادی۔ مگر یہ کیسے ہوا؟

اس کی بات پر اسریٰ بھی ہنسنے لگی۔

ہاں میں نے ان سے زبردستی شادی کی تھی۔ یہ تو نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ارے واہ۔ یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔ ابھی بابا جان سے میرا سوال باقی تھا کہ یہ زیادہ دلچسپ بات سامنے آ گئی۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلے کیا پوچھیں۔

میں بتاتا ہوں۔ ان دونوں سوالوں کا جواب آپس میں جڑا ہوا ہے۔ میں خدا سے کیسے قریب ہوا۔ میری زندگی کیسے بدلی اور تمہاری امی نے زبردستی مجھ سے کیسے شادی کی۔ میں سب کچھ بتاتا ہوں۔

لیکن بابا شروع یہاں سے کیجیے گا کہ آپ کی امی سے پہلی ملاقات کہاں اور کب ہوئی۔

ناعمہ نے اپنی دلچسپی کا سوال سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

چلو ٹھیک ہے۔ میں اپنی داستان اپنی اور اسریٰ کی پہلی ملاقات سے کرتا ہوں۔ گرچہ یہ ایک برائے نام ملاقات تھی۔

وقار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنی داستان سنانا شروع کی۔

ہماری کہانی کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب......

وقار نے بولنا شروع کیا۔ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ فضا سے گزر کر ان کی سماعتوں سے ٹکرانے لگے۔ مگر معمول کے برعکس وقار کے الفاظ جیسے ہی ان کی سماعتوں سے ٹکرائے، ان کے ذہن کے پردے پر ایک فلم کی شکل میں واقعات کی صورت گری کرنے لگے۔ جس کے نتیجے میں گویا ذہنی طور پر وہ سب ایک حقیقی جیتی جاگتی فلم دیکھنے لگے۔ یہ بات بڑی عجیب تھی کہ وہ بظاہر سن رہے تھے، مگر دراصل دیکھ رہے تھے۔ مگر اس سے انھیں کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ یہ جنت تھی جہاں ہر وقت ایسی ہی عجیب و غریب چیزیں ان کے سامنے آتی رہتی تھیں۔ وقار کی زندگی کی کہانی بھی ایک حیرت انگیز شکل میں ان کے سامنے آ رہی تھی۔

اس لڑکی کی قابلیت تو زبردست ہے۔اس کا تو حق بنتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔دیکھو اس نے تو ہر سبجیکٹ میں نوے فیصد سے زیادہ نمبر لے رکھے ہیں۔

وقار نے مارکس شیٹ کو سونیا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔سونیا نے اس کے ہاتھ سے مارکس شیٹ لی اور قدرے بے پروائی سے اس پر سرسری نگاہ ڈالی، مگر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

وقار سونیا کو اچھی طرح جانتا تھا۔اسے دوسروں کے اعتراف کی عادت نہیں تھی۔وہ ہر چیز کو اپنی ذات کے زاویے سے دیکھنے کی عادی تھی۔اس لیے اس نے ایک دوسرے پہلو سے اپنی بات کو دہرایا۔

اس نے تو تمہاری اسٹوڈنٹ لائف کی یاد تازہ کر دی۔

وقار کی اس بات سے سونیا کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آ گئی۔اس نے سر ہلاتے ہوئے وقار سے کہا:

بظاہر تو ذہین لگتی ہے۔چلو اسے بلاؤ۔دیکھتے ہیں کہ واقعی کچھ آتا بھی ہے یا صرف رٹا لگا کر یہ نمبر لیے ہیں۔آج کل تو ایسے ہی نمبر آتے ہیں۔

سونیا ابھی بھی پوری طرح اس کے اعتراف کے لیے تیار نہیں تھی۔

اس کی بات پر وقار نے فون اٹھایا اور اپنے مینیجر کو ملایا۔

عظمت صاحب! اگلی کینڈیڈیٹ اسریٰ احمد کو اندر لے کر آئیں۔

وقار نے فون رکھا تو سونیا نے اپنی ریوالونگ کرسی وقار کی سمت گھما لی اور شکایتی انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

کیا دیکھ رہی ہو؟

سوچ رہی ہوں کہ تم سے شادی نہ ہوتی تو میں اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتی۔ مزید تعلیم کے لیے ملک سے باہر چلی جاتی۔ ممی پپا بھی یہی چاہتے تھے۔ میں بچپن ہی سے بہت ذہین تھی۔ مواقع بھی تھے۔ ذہانت بھی تھی۔ بس تم بیچ میں آ گئے۔ کاش تم میرے کلاس فیلو نہ ہوتے۔

اس کی بات پر وقار ہنسنے لگا۔ ہنسی تھمی تو اس کی آواز ابھری۔

بھئی ایم بی اے کرنے کے بعد اور کتنا پڑھتیں؟ اور پڑھنے کے بعد تم نے کون سا پروفیسر بن جانا تھا۔ تم نے بزنس وومن ہی بننا تھا۔ یہی تمھاری خواہش تھی۔ میں نے اس میں تو کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ اور یہاں بھی تم زبردست ثابت ہو رہی ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ تنہا میں یہ سارا کاروبار نہیں سنبھال سکتا تھا۔ ابو کے بعد یہ ذمہ داری اچانک مجھ پر آن پڑی۔ وہ تو تم نے مجھے جوائن کر لیا تو میرے لیے آسانی ہو گئی۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ تمھارا ساتھ ہے کہ صرف دس برسوں میں ہم نے بزنس کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

وقار نے ایک دوسرے پہلو سے اس کی تحسین کی۔ مگر انجانے میں اس نے سونیا کی ایک دکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا۔

ہماری شادی کو دس برس ہو گئے۔ وقت کیسے گزرتا ہے پتہ ہی نہیں چلتا اور میں ابھی تک......

سونیا نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر ایک بے نام سی اداسی تھی۔ وقار نے یہ اداسی پڑھ لی۔ وہ اس کی وجہ بھی جانتا تھا۔ سونیا شادی کے دس برس بعد بھی ماں نہیں بنی تھی۔ بلکہ کبھی بن بھی نہیں سکتی تھی۔ اس سے قبل کہ وقار اس کو تسلی دینے کے لیے کچھ کہتا دروازے پر دستک ہوئی اور آفس مینیجر عظمت صاحب اندر داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے اسریٰ تھی جس کا تذکرہ تھوڑی دیر قبل یہ دونوں کر رہے تھے۔

عظمت صاحب نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس کا تعارف کرایا:

سر! یہ اسریٰ احمد ہیں۔

اسریٰ دھیرے سے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں چلتے تیز اے سی نے گرمیوں کے موسم میں یخ بستہ ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک بڑی سی میز رکھی ہوئی تھی۔ اس کے عقب میں دیوار پر کھڑکیاں تھیں جن پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ ایک خوبصورت صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا جبکہ دوسری دیوار پر دفتر کی فائلیں رکھنے کے لیے الماریاں بنی ہوئی تھیں۔ فرنیچر بہت نفیس، خوبصورت اور کمرے کے مالک کے اعلیٰ ذوق کا گواہ تھا۔ جبکہ دبیز قالین سے اٹھتی ہوئی مہک یہ بتا رہی تھی کہ اسے حال ہی میں بچھایا گیا تھا۔ ہر چیز سے امارت اور خوش ذوقی کا اظہار ہو رہا تھا۔

اسریٰ نے اندر آتے ہوئے ایک نظر میں یہ سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ پھر اس کی نظر میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے مرد اور عورت پر پڑی۔ یہ وقار اور سونیا تھے۔ وقار تیس پینتیس برس کا ایک وجیہہ شخص تھا۔ وہ کلین شیو تھا اور ایک سیاہ رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی سونیا بیٹھی ہوئی تھی۔ سونیا وقار ہی کی ہم عمر تھی، مگر دیکھنے میں وہ اس سے کافی چھوٹی لگتی تھی۔ اس کا لباس مغربی طرز کا تھا۔ بال کٹے ہوئے تھے مگر ڈائی کے ذریعے سے ان کا رنگ سیاہ سے براؤن کرایا گیا تھا۔ وہ بہت جاذب نظر تھی اور اس کی شخصیت میں بلا کی کشش تھی۔

وہ جھجکتے ہوئے ان کی سمت بڑھی تو وقار نے خوش دلی سے کہا۔

بیٹھیے مس اسریٰ۔

شکریہ۔

اسریٰ کے منہ سے بمشکل آواز نکلی۔ اس نے مرعوب کن نظروں سے ایک نظر وقار اور سونیا پر ڈالی اور پھر اپنے سر کا دوپٹہ اور جسم پر موجود چادر سنبھالتے ہوئے ان دونوں کے سامنے کرسی پر

بیٹھ گئی۔ سونیا نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔

یہ ایک سیدھی سادھی گھریلو لڑکی لگ رہی تھی۔ حلیے سے لوئر مڈل کلاس سے تعلق لگتا تھا۔ نقش و نگار اچھے تھے، مگر غربت کی گرد اور سادگی کی تہہ میں یہ نقوش کچھ دبے ہوئے تھے۔

ان کے ہاں اسی پس منظر کے اسٹوڈنٹ ہی آیا کرتے تھے۔ یہ وقار کا آئیڈیا تھا کہ انھیں غریب اور ذہین طلبا و طالبات کی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مدد کرنی چاہیے۔ سونیا کو گرچہ اس بات میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی، مگر وقار کا یہ اصرار تھا کہ یہ کام ہونا چاہیے۔ وقار ایک دردمند شخص تھا جو ضرورت مندوں کی مدد کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک کسی غریب گھرانے کی مدد کا یہ بہترین طریقہ تھا کہ ان کے کسی بچے کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں مدد کی جائے تاکہ وہ اپنے پورے گھرانے کا بوجھ اٹھا سکے۔ چنانچہ اس نے یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ پچھلے کئی برس سے وہ انٹر میڈیٹ کرنے والے ایسے طلبا و طالبات کو اسکالرشپ دیتے تھے جو قابل ہوتے تھے، مگر اپنے گھریلو پس منظر کی بنا پر اعلیٰ تعلیم خود نہیں حاصل کر سکتے تھے۔

اس دفعہ جو لوگ ان کے پاس انٹرویو کے لیے آئے تھے، ان میں یہ لڑکی اسریٰ سب سے زیادہ اچھے تعلیمی پس منظر کی تھی۔ مگر ان دونوں کے سامنے بیٹھے ہوئے وہ کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ اتنا شاندار آفس دیکھا تھا۔ تیز ٹھنڈک کے باجود اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے تھے اور ہاتھ دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔

وقار نے اس کی کیفیت کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ سونیا اس سے کچھ پوچھتی، اس نے اسریٰ کا حوصلہ بلند کرتے ہوئے کہا۔

مس اسریٰ! آپ اطمینان سے تشریف رکھیے۔ آپ کا تعلیمی ریکارڈ تو بہت عمدہ ہے۔ میٹرک اور انٹر میڈیٹ میں تو آپ نے کمال کر دیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ جیسے قابل طالب علم
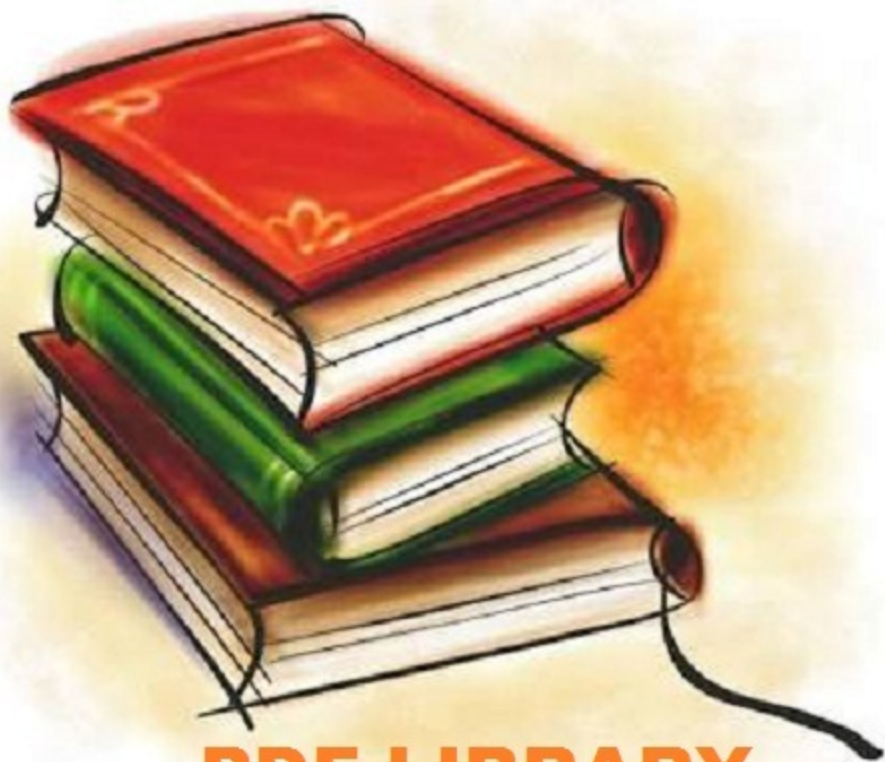
اپنی زندگی میں کچھ مقام حاصل کریں۔آپ بتائیں گی کہ آپ آگے کیا پڑھنا چاہتی ہیں؟

وقار کی حوصلہ افزائی سے اسریٰ کا دل کچھ قابو میں آیا تھا۔مگراس سے قبل کہ وہ اس کے سوال کا کوئی جواب دیتی سونیا نے اس سے انگریزی میں پوچھا۔

آپ نے اسکالرشپ کے لیے کیوں اپلائی کیا ہے؟ آپ کے والدین آپ کے اخراجات کیوں نہیں اٹھاتے؟

اسریٰ کواس کی بات سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی،مگر روانی سے انگریزی میں جواب دینا اس کے لیے مشکل تھا کہ انگریزی اس کی روزمرہ کی زبان نہ تھی۔اس لیے اس نے اٹک اٹک کر بولنا شروع کیا۔

دراصل......میرے والد صاحب......ایک پرائیوٹ جاب کرتے ہیں......اوران کی تنخواہ بہت کم ہے......

اس کی مشکل کو محسوس کرتے ہوئے وقار نے اس کی بات کاٹ کر اردو میں کہا۔

آپ اردو میں جواب دے دیں۔

اسریٰ نے تشکر آمیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

میں یہ عرض کررہی تھی کہ میرے والد صاحب کی تنخواہ بہت کم ہے۔ والدہ گھر میں سلائی کرکے ہمارے اخراجات پورے کرنے میں ان کی مدد کرتی ہیں۔ہم تین بہنیں ہیں۔ بھائی کوئی نہیں ہے۔ میں سب سے بڑی ہوں۔ کچھ میں بھی ٹیوشن وغیرہ پڑھالیتی ہوں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ ایم بی اے کرکے اپنے قدموں پر کھڑی ہوجاؤں اور اپنی چھوٹی بہنوں کی ذمہ داریاں پوری کروں۔مگراب میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکوں۔ایسے میں اگر آپ لوگ میری مدد کردیں تو میں یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔آپ

ایم بی اے تک میری مدد کردیں۔ میں ساری زندگی آپ کا احسان نہیں بھولوں گی۔

دیکھیے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہم آپ کے تمام تعلیمی اخراجات ادا کریں کیونکہ ہمیں دوسرے اسٹوڈنٹس کی بھی مدد کرنا ہوتی ہے۔

سونیا نے اس کے کاغذات پر نظر ڈالتے ہوئے سلسلہ کلام جاری رکھا:

آپ نے ملک کے سب سے بڑے ادارے میں اپلائی کیا ہے اور ان کا انٹری ٹیسٹ بھی پاس کرلیا ہے۔ لیکن ان کی فیس بہت زیادہ ہے۔ بہتر ہے کہ آپ کسی دوسرے ادارے میں داخلہ لے لیں یا پھر کچھ فیس ہم ادا کریں گے اور باقی کا انتظام آپ کیجیے۔ ہم ہر سال آپ کی پرفارمنس دیکھ کر اگلے برس کی فیس کا فیصلہ کریں گے۔

سونیا نے دوٹوک انداز میں کہا تو اسریٰ کے چہرے پر مایوسی طاری ہوگئی۔ وہ دھیرے سے بولی:

میم آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اس کی فیس بہت زیادہ ہے۔ مگر دوسری جگہوں سے ایم بی اے کرنے کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔

تو پھر آپ بی کام کرلیں۔ ہم اس کی مکمل فیس دے دیں گے۔ اس سے آپ کو اپنی والدہ کی مدد کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ آپ سلائی کر کے ان کی مدد کردیا کریں۔ باقی وقت میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا دیا کریں۔ آپ کے گھر کے حالات بھی اس طرح بہتر ہوجائیں گے۔

سونیا نے تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے یہ مشورہ دیا۔ وہ اور وقار اسی تعلیمی ادارے سے پڑھے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اس تعلیمی ادارے کا انٹری ٹیسٹ پاس کرنا بہت مشکل ہے۔ اسریٰ نے یہ کرلیا تھا، مگر اس کی فیس اتنی زیادہ تھی کہ جو بجٹ انھوں نے طلبا کی مدد کے لیے رکھا تھا، اس سے پوری نہیں کی جاسکتی تھی۔

ٹھیک ہے میں کسی اور ادارے میں ایم بی اے کے لیے اپلائی کرتی ہوں۔

اسریٰ نے سونیا کی بات پر جواب دیا۔ اس کا چہرہ بجھ چکا تھا۔ مگر وہ سمجھ سکتی تھی کہ سونیا کی بات غلط نہیں ہے۔ پھر وہ تاسف آمیز لہجے میں بولی۔

ویسے ابھی عظمت صاحب نے میرے ڈاکومنٹس دیکھے تو بتانے لگے کہ میم نے بھی یہیں سے ایم بی اے کیا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید میں بھی میم سونیا جیسی بن سکوں۔ وہاں پڑھنا میری زندگی کا سب سے بڑا خواب تھا۔ مگر شاید یہ ممکن نہیں ہے۔

نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کہیں اور اپلائی کریں اور پھر عظمت صاحب سے رابطہ کریں۔ ہم نے آپ کا کیس تو اپروو کر دیا ہے، مگر اسکالرشپ کتنی ہوگی اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا۔ آپ جاسکتی ہیں۔

سونیا نے دوٹوک انداز میں کہا تو اسریٰ اپنی نشست سے کھڑی ہوگئی۔ مینیجر عظمت صاحب بھی اسے باہر لے جانے کے لیے اٹھنے لگے تو وقار جو اس پوری گفتگو میں خاموش رہا تھا ان سے مخاطب ہوا۔

عظمت صاحب آپ رکیے۔

اسریٰ خاموشی سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وقار نے عظمت صاحب سے کہا۔

اس لڑکی کو روکیں۔ ہم اس لڑکی کا کیس اسی ادارے کے لیے منظور کر رہے ہیں۔

وقار! تم یہ کیا کر رہے ہو؟

سونیا نے فوراً مداخلت کی۔

تم جانتے ہو کہ بجٹ اتنا نہیں ہے۔

کوئی بات نہیں میں الگ سے ارینج کر دوں گا۔ عظمت صاحب آپ جایئے۔

عظمت صاحب باہر چلے گئے، مگر سونیا کا منہ بن چکا تھا۔ وقار کو اس کی ناراضی کا اندازہ ہوگیا۔ وہ اسے منانے کے لیے محبت بھرے لہجے میں بولا:

میری جان! مجھے اس میں تمھارا عکس نظر آیا تھا۔ اس لیے سوچا کہ اس کی مدد کر دیتے ہیں۔

تمہاری اس لڑکی پر نیت تو خراب نہیں ہوگئی ہے؟ تم مردوں کا ویسے بھی کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ اچھی سے اچھی بیوی کے ہوتے ہوئے باہر کی خراب سے خراب لڑکی پر رال ٹپکنے لگتی ہے۔

یہ کہتے ہوئے سونیا کے لہجے میں غصہ تھا۔ اسے واقعی اس لڑکی کی اس طرح مدد کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا۔

ارے وہ تو ایک اسٹوڈنٹ ہے جس سے آج کے بعد میری کوئی ملاقات نہیں ہوگی۔ پھر یہ تو دیکھو کہ وہ ایک چھوٹی سی لڑکی ہے اور کہاں میں تینتیس برس کا آدمی۔

جوان لڑکیاں جوان ہی ہوتی ہیں۔ چھوٹی بڑی نہیں ہوتی ہیں۔

سونیا نے اپنی جرح کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ ماں نہ بننے کی وجہ سے ایک نوعیت کے احساس کمتری اور عدم تحفظ کا بھی شکار تھی۔

پاگل ہوگئی ہو تم۔ تم تو جانتی ہو کہ تمہارے سوا میں نے کبھی کسی کے متعلق سوچا بھی نہیں۔ تم یہ بھی جانتی ہو میں تم سے کتنی زیادہ محبت کرتا ہوں۔ اس لیے پلیز اب یہ موضوع ختم کرو۔ اور چلو جلدی سے مسکرا دو۔ آج میں تمھیں باہر ڈنر پر لے جاؤں گا۔ پھر ہم کوئی مووی بھی دیکھنے چلیں گے۔

وقار اسے منانے کے لیے سارے طریقے اختیار کر رہا تھا۔ وقار کی اس بات پر اس کا موڈ ٹھیک ہو ہی گیا۔ وہ مسکرا کر بولی۔

چلو ٹھیک ہے۔ آج آؤٹنگ پر چلتے ہیں۔ اور ہاں اب میں انٹرویو میں اور نہیں بیٹھ رہی۔

باقی جو ایک دو لوگ ہیں ان کو تم ہی دیکھ لو۔

او کے میں دیکھ لوں گا۔ تم ایک مہربانی کر دو۔ اس لڑکی کو خود بتا دو کہ تم نے اس کی درخواست منظور کر لی ہے۔ ہو سکتا ہے اس لڑکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے باپ بنا دے۔

وقار نے سونیا کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

ٹھیک ہے۔ میں اسے اپنے کمرے میں بلا کر بتاتی ہوں۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔ باقی امیدوار میں خود دیکھ لوں گا۔

سونیا وقار کے کمرے سے باہر نکل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی جو برابر ہی میں تھا۔ سامنے اسریٰ کرسی پر بیٹھی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے اسریٰ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود اندر داخل ہو گئی۔

اسریٰ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی گئی۔ سونیا کا روم بھی اتنا ہی بڑا تھا جتنا وقار کا۔ لیکن اسریٰ کی ساری توجہ اس وقت سونیا کی طرف تھی۔ سونیا اطمینان کے ساتھ چلتی ہوئی اپنی آرام دہ نشست پر بیٹھی اور اسے بھی سامنے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اسریٰ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

اسریٰ مسحور کن نظروں سے سونیا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے انتہائی متاثر ہو چکی تھی۔ ایک تو وہ عورت ہونے کے باوجود اتنے بڑے آفس کی مالک تھی۔ دوسرے ذاتی طور پر بہت خوش شکل اور پرکشش تھی۔ تیسرے اس کی شخصیت میں بلا کا اعتماد تھا۔ پھر اس نے اپنی شخصیت اور لباس کو بالکل جدید مغربی انداز میں ڈھالا ہوا تھا جو اسریٰ کی کلاس کے پس منظر میں ایک بالکل نئی سی چیز تھی۔ اسے سونیا کی ہر ادا بڑی متاثر کن لگ رہی تھی۔ اس کا لباس، اس کا چلنا، اس کا انداز نشست و برخاست، اس کا انداز گفتگو، اس کے بالوں کا کٹا ہوا ہونا، ان کا مختلف رنگ میں ڈائی

ہوا ہونا۔ وہ ہر چیز سے متاثر تھی۔ حتیٰ کہ اس کے سخت گیر رویے سے بھی۔ سونیا ہر اعتبار سے ایک باس تھی۔ یہ مقام حاصل کرنا اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب تھا اور سونیا اس خواب کی زندہ شکل تھی۔ اس نے سوچا وہ زندگی میں ایسی ہی بنے گی۔

سونیا تھوڑی دیر تک اسریٰ کو دیکھتی رہی، پھر ایک ادا سے سر کو جھٹک کر اپنے وہ بال ایک طرف کیے جو اس کے چہرے پر بکھر رہے تھے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے بولنا شروع کیا۔

دیکھو اسریٰ! میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ تمہارا کیس منظور نہیں ہوسکتا۔ ہم اتنے زیادہ پیسے ایک کینڈیڈیٹ کو نہیں دے سکتے۔ مگر تم ذہین اور قابل لڑکی ہو۔ مجھے امید ہے کہ زندگی میں ایک روز تم کچھ نہ کچھ ضرور بنو گی۔ اس لیے میں تمہارا کیس ایکسپٹ کر رہی ہوں۔ مگر ایک شرط اور ایک مشورے کے ساتھ۔

خوشی سے اسریٰ کا منہ کھلا رہ گیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ سونیا نے اسے یہ بتانے کے لیے اندر بلایا تھا۔

میم۔ بہت شکریہ۔ آپ جو کہیں گی میں آپ کی بات مانوں گی۔ آپ میری آئیڈیل ہیں۔

اس کی بات پر سونیا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

دیکھو شرط یہ ہے کہ تمہاری پرفارمنس خراب نہیں ہونی چاہیے۔ خراب ہوئی تو اسکالرشپ خطرے میں پڑ جائے گی۔

مجھے منظور ہے۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔

اسریٰ نے تیزی سے کہا۔

اور مشورہ یہ ہے کہ پڑھنے کے دوران میں خود کو عشق و محبت سے دور رکھنا۔ تم بری شکل کی نہیں

ہو۔ بہت سے عاشق تمہیں مل جائیں گے۔ مگر یاد رکھنا اس طرح کیریئر نہیں بنتا۔

میم آپ بے فکر رہیں۔ میری زندگی کا مقصد اپنے گھر والوں کو سپورٹ کرنا ہے۔ میری زندگی میں عشق و محبت کی کوئی گنجائش نہیں۔

بس ٹھیک ہے، اب تمھیں یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمھارا رابطہ اب عظمت صاحب سے رہے گا۔ وہی تمھارا سارا معاملہ دیکھیں گے۔ تم جا سکتی ہو۔

اسریٰ اس کا شکریہ ادا کر کے اٹھ گئی۔

اسریٰ گھر پہنچی تو خوشی سے نہال تھی۔ اسے آج زندگی کی سب سے بڑی خوشی نصیب ہوئی تھی۔ خوشی بھی وہ جس کے ملنے سے وہ مایوس ہو چکی تھی۔ گھر میں آتے ہی وہ سیدھی اپنی والدہ کے پاس پہنچی اور ان کے گلے سے لپٹ گئی۔

امی میں بہت خوش ہوں۔ میں بہت زیادہ خوش ہوں۔ آج کا دن میری زندگی کا سب سے بڑا دن ہے۔ اب بس چند برسوں کی بات ہے۔ ہمارے دن پھر جائیں گے۔ ابا کو اتنی محنت نہیں کرنا ہوگی۔ آپ کو سلائی نہیں کرنا پڑے گی۔ میں اپنی دونوں بہنوں کی دھوم دھام سے شادی کروں گی۔ ہمارا بڑا سا گھر ہوگا۔ لمبی سی گاڑی ہوگی۔ میرا بڑا سا دفتر ہوگا اور میں باس بن کر سب لوگوں کو حکم دوں گی۔ بالکل میڈم سونیا کی طرح۔

ارے کیا پاگلوں کی طرح واہی تباہی بک رہی ہے۔ بتا تو سہی ہوا کیا ہے؟

اسریٰ ان سے الگ ہوتے ہوئے وضاحت کرنے لگی۔

امی میری اسکالرشپ منظور ہوگئی ہے۔ پتہ ہے پہلے میڈم سونیا نے مجھے منع کر دیا تھا۔ میں تو رونے والی ہوگئی تھی۔ پھر میڈم نے خود اپنے کمرے میں بلا کر مجھے بتایا کہ انھوں نے میری

درخواست منظور کر لی ہے۔

ارے کون ہے یہ سونیا؟

اس کی امی کو ابھی تک پوری طرح بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

امی میں آج آپ سے دعا کا کہہ کر گئی تھی نا اسکالرشپ کے لیے۔ وہاں جو میڈم دفتر کی مالک ہیں ان کا نام سونیا ہے۔انہوں نے میری تعلیم کے تمام اخراجات اٹھانے کی ذمہ داری لے لی ہے۔اب میں آگے پڑھ سکوں گی۔اپنے خواب پورے کر سکوں گی۔

اسریٰ کی والدہ کو اب پوری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ ہاتھ اٹھا کر اسے دعا دینے لگیں۔

میری بچی اللہ تجھے کامیاب کرے۔تو بڑی قابل ہے۔ اللہ ان لوگوں کا بھی بھلا کرے جنھوں نے ہمارے ساتھ یہ نیکی کی ہے۔ یہاں کون کسی کے کام آتا ہے۔ اللہ انہیں دنیا اور آخرت کی بھلائی دے۔الٰہی ان کی اولاد کو نیک بنا۔الٰہی میری بچی پر بھی کرم فرما۔اسے بھی دنیا و آخرت میں کامیاب کر۔

ان کی دعائیں ختم نہیں ہو رہی تھیں۔اسریٰ نے ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔

ابا آئیں گے تو میں ان کو بھی خوشی کی یہ خبر سناؤں گی۔

ہاں بیٹا وہ بڑی خوشی سے سنیں گے۔انھیں بڑا قلق تھا کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔تو انھیں بتانا کہ تو بیٹے سے بڑھ کر ان کا سہارا بنے گی۔

ہاں امی اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارے دن پھر جائیں گے۔بس تھوڑا سا انتظار اور کر لیں۔مجھے اپنی منزل سامنے نظر آ رہی ہے۔

اس کی والدہ نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

ہاں بیٹا، مگر اس خوشی کے موقع پر اللہ کو ضرور یاد کر لو۔شکرانے کے نفل پڑھو۔

ہاں امی میں شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔ یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔

باباجان! امی آپ کی دوسری بیوی ہیں، یہ بات تو آپ نے مجھے نہیں بتائی تھی۔

وقار ابھی یہیں تک پہنچا تھا کہ عبداللہ نے بیچ میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

اور اس پر آپ سے عمر میں اتنی چھوٹی تھیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

ناعمہ نے عبداللہ کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

میری داستان کوئی عام داستان نہیں ہے۔ وقار نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ رکا تو اسریٰ نے اس بات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

بیٹا! ہم دونوں کی داستان ہی کوئی عام داستان نہیں ہے۔ ہماری کہانی بڑی مختلف کہانی ہے۔ اتنی مختلف کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ ابھی تو آغاز ہوا ہے۔ سنتے جاؤ۔

عبداللہ نے اس کی بات پر اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے وقار سے ایک سوال کیا۔

باباجان! میری پہلی امی کہاں ہیں؟

اس کے سوال پر وقار خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد پر تاسف انداز میں کہا۔

عبداللہ میرے بیٹے! جو کچھ قیامت کے دن ہوا اور جو کچھ تب سے آج تک ہو رہا ہے، کاش لوگ یہ سب کچھ ہوتا ہوا پچھلی زندگی ہی میں دیکھ لیتے تو شاید آج ہر شخص جنت ہی میں ہوتا۔ تمھاری پہلی ماں سونیا بھی جنت میں ہوتی۔ کاش میں اس وقت تک قرآن مجید کی یہ نصیحت جان چکا ہوتا کہ اے اہل ایمان اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر سخت گیر فرشتے ہوں گے جو خدا کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے اور جو کہا جائے گا وہی کریں گے۔

وقار نے بالواسطہ طریقے پر عبداللہ کو اس کے سوال کا جواب دے دیا تھا۔ عبداللہ نے بات کو سمجھتے ہوئے سونیا کے متعلق مزید کچھ کہنے کے بجائے ایک دوسری بات کہی۔

ہاں بابا جان آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب تو ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ آگ بھی دیکھ لی ہے اور وہ فرشتے بھی دیکھ لیے ہیں۔ اب تو سب کی عقل ٹھکانے پر آ گئی ہے۔ مگر بابا جان پھر یہ امتحان تو نہیں رہتا نا۔ پھر کسی کو جنت کے یہ اعلیٰ درجات اور یہ مقامات نہیں ملتے۔ اصل امتحان تو یہ تھا کہ قرآن مجید میں جو پیغام لکھا ہوا ہے، اسے کائنات کا سب سے بڑا سچ مان لیا جائے۔ یہ مان لیا جائے کہ دنیا صرف ایک امتحان ہے اور اصل دنیا آخرت کی دنیا ہے۔ پھر اپنی سیرت و کردار کو قرآن مجید کے تقاضوں کے مطابق ڈھال دیا جائے۔ مگر افسوس لوگوں نے یہ کام نہیں کیا۔

ہاں بیٹا غفلت نے لوگوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ غفلت کی یہی پٹی میری آنکھوں پر بھی بندھی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ میری زندگی میں ایک زبردست انقلاب آیا۔

جی بابا۔ آپ ہمیں بتائیے۔ سوری ہم نے آپ کی اور امی کی داستان میں مداخلت کر دی۔

ناعمہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

نہیں بیٹا ناعمہ۔ جو سوال فطری طور پر پیدا ہوا تھا تم لوگوں نے وہ کر لیا۔ میں تمھیں اپنی اور تمھاری امی کی داستان مزید سناتا ہوں۔

اسریٰ نے ایم بی اے میں داخلہ لے لیا۔ شروع شروع میں اس کے لیے یہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ کرنا قدرے مشکل ہو گیا۔ یہ ایلیٹ کلاس اور اپر مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کی جگہ تھی۔ وہی یہاں کے اخراجات برداشت کر سکتے تھے۔ اسریٰ جیسے

پس منظر کے اسٹوڈنٹ تو یہاں شاذ ہی آیا کرتے تھے۔ یہاں پڑھنے والوں کے رنگ ڈھنگ، راہ و رسم اور طور طریقے بالکل مختلف تھے۔ مگر اسریٰ اپنی تعلیم کے معاملے میں غیر معمولی طور پر پرعزم تھی۔ اس کو اندازہ تھا کہ قسمت نے اس پر بڑی مہربانی کر دی کہ وہ یہاں تک آ گئی ہے۔ وہ کسی طور اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے جم کر محنت کی اور تعلیم پر کل وقتی توجہ دی۔

تاہم ایک مسئلہ اسے پہلے دن ہی سے پیش آ گیا تھا۔ وہ یہ کہ یہاں پڑھنے کے لیے صرف فیس دینا کافی نہیں تھا۔ دیگر تعلیمی اخراجات بھی ہوتے رہتے تھے۔ ان کا پورا کرنا بھی اسریٰ کے لیے ممکن نہ تھا۔ شروع شروع میں جیسے تیسے کر کے اس نے معاملہ چلایا۔ لیکن جب بات اس کے بس سے باہر ہو گئی تو اس نے عظمت صاحب کو فون کر کے اپنا مسئلہ بتایا۔ انھوں نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اس کا یہ مسئلہ حل کرانے کی کوشش کریں گے۔

اگلے دن عظمت صاحب اسریٰ کی فائل اٹھا کر وقار کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ اس وقت فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔

وہ شکریہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔

فون سے فارغ ہو کر وقار نے خوشگوار انداز میں ان سے کہا۔

جی عظمت صاحب! فرمائیے کیا مسئلہ ہے؟

سر وہ ایک اسٹوڈنٹ اسریٰ کی اسکالرشپ آپ نے دی تھی۔ اسی ادارے کے لیے جہاں آپ اور میڈم پڑھے تھے۔ اب وہ لڑکی کہتی ہے کہ وہاں پڑھتے ہوئے فیس کے علاوہ بھی کچھ اخراجات ہوتے ہیں جنھیں پورا کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔

وقار کچھ کہنے کے بجائے سوچنے والے انداز میں برابر والے کمرے میں بیٹھی سونیا کو دیکھنے لگا۔اس کا اور سونیا کا کمرہ ساتھ ساتھ تھا اور بیچ میں کافی بڑا شیشہ لگا ہوا تھا جس سے آر پار نظر آتا تھا۔سونیا سر جھکائے کسی فائل کی ورق گردانی کر رہی تھی۔وہ خود اس ادارے سے پڑھا تھا اور جانتا تھا کہ یہ بات درست ہے۔کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بولا:

وہ ٹھیک کہتی ہے۔میں اس لڑکی کے اضافی اخراجات کے لیے الگ سے ماہانہ رقم باندھ دیتا ہوں۔لیکن آپ اس بات کی اطلاع سونیا کو نہیں کریں گے۔

بہتر سر۔

عظمت صاحب نے سر ہلاتے ہوئے فوراً کہا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ رقم اس کے رزلٹ سے مشروط ہے۔اگر اس کی پرفارمنس اچھی ہے تو ہم اسے یہ رقم دیں گے۔نیز تعلیم کی مد میں اسے فیس کے علاوہ بھی جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ اسے مل جائے گی۔مگر یہ سب اس کی پرفارمنس پر منحصر ہے۔

بالکل درست کہہ رہے ہیں سر آپ۔اس کی تو فیس ہی اس بات سے مشروط ہے کہ وہ ہر سمسٹر میں بہترین رزلٹ لا کر دکھائے گی۔

ٹھیک ہے۔پھر آپ اسے یہ بتا دیں۔میری طرف سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

عظمت صاحب اٹھ کر جانے لگے تو وقار نے کچھ سوچ کر انھیں روکا اور کہا۔

ایسا کریں۔میرے نام سے ایک نیا اکاؤنٹ کھول دیں۔میں ایک بڑی رقم اس میں جمع کرا دیتا ہوں تاکہ اس طرح کے تمام اسٹوڈنٹ کے اخراجات اسی سے پورے ہوتے رہیں۔اور ہاں سونیا کو اس بارے میں بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔یہ معاملہ میرے اور آپ کے درمیان ہے۔آپ ہی اس کی نگرانی کریں گے۔

وہ شیشے کے پار بیٹھی سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

ٹھیک ہے سر۔ میں آج ہی نیا اکاؤنٹ کھلوا کر آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر عظمت صاحب کمرے سے باہر چلے گئے۔

اگلے دن عظمت صاحب نے اسریٰ کو یہ خوش خبری سنادی کہ اس کے اضافی اخراجات کی درخواست منظور ہوگئی ہے، لیکن اسے ہر سمسٹر میں ایک خاص درجہ میں رزلٹ لانا ہوگا۔ اسریٰ کے لیے یہ شرط کوئی مسئلہ نہ تھی۔ تعلیم اس کا جنون تھی۔ محنت کی وہ عادی تھی۔ خدا نے ذہانت بھی دے رکھی تھی۔ اس لیے ہر سمسٹر میں وہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ نتیجے کے طور پر اس کے معاملات بھی ٹھیک چلتے رہے۔

رفتہ رفتہ اسریٰ میں اعتماد اور تبدیلی آتی جارہی تھی۔ وہ اس ماحول کے ساتھ ایڈجسٹ کر گئی تھی۔ وہ اب روانی سے انگریزی بول لیتی تھی۔ اس کے اساتذہ اس کی قابلیت سے متاثر تھے۔ اس کے کلاس فیلوز اس کا اعتراف کرتے تھے۔

مگر اس میں کچھ اور تبدیلیاں بھی آرہی تھیں۔ اس کی ماں ایک مذہبی خاتون تھیں اور ان کے اثر سے وہ کچھ کچی پکی نمازیں پڑھ لیا کرتی تھی۔ مگر اب تعلیمی مصروفیت میں نماز مکمل طور پر چھوٹ چکی تھی۔ پہلے وہ کبھی کبھار قرآن کریم پڑھ لیتی تھی، مگر اب اس کا وقت بھی نہیں ملتا تھا۔ اس کے حلیے میں بھی تبدیلی آنا شروع ہوگئی۔ پہلے اس نے چادر اتاری تھی۔ پھر سر سے دوپٹہ اتار کر بس گلے تک محدود کر دیا۔ گرچہ پھر بھی اس کا معاملہ ساتھ پڑھنے والی دیگر لڑکیوں کے مقابلے میں کافی بہتر تھا۔

اس کے ساتھ اسریٰ نے اول دن سے یہ اہتمام کیا تھا کہ لڑکوں سے دوستی کے اس رواج

سے بالکل پرہیز کرے جو یہاں معمول کی بات تھی۔ نہ اس کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ دوستوں میں بیٹھ کر وقت ضائع کرتی نہ اس کا تعلق اس کلاس سے تھا۔ سب سے بڑھ کر اس کی زندگی کا ایک مقصد تھا۔ اس میں عشق، محبت، دوستیوں کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس کا ہر لمحہ بس اپنی تعلیم پر توجہ دینے میں گزرتا تھا۔

اسی طرح دو برس گزر گئے۔ پرانی اور کمزور اسریٰ کی جگہ ایک نئی اور مضبوط اسریٰ جنم لے رہی تھی۔ جس میں بہت اعتماد تھا۔ جس کی منزل بہت آگے تھی۔

وقار واش روم سے باہر نکلا تو دیکھا کہ سونیا ابھی تک نائٹ سوٹ پہنے ہوئے بستر پر لیٹی ہے۔ چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ اسے دیکھ کر وہ اس کے پاس چلتا ہوا آیا اور بڑی محبت کے ساتھ بولا:

کیا بات ہے سونیا۔ تمھاری طبیعت خراب ہے؟

وقار میں آج آفس نہیں جاؤں گی۔ میرا سر کئی دن سے بھاری ہو رہا تھا۔ آج تو کافی درد ہے۔

تو سر درد کی گولی لے لو۔

کئی دن سے گولی لے رہی ہوں، مگر فائدہ نہیں ہو رہا۔

چلو پھر میں تمھیں ڈاکٹر کے ہاں لے چلتا ہوں۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ڈاکٹر سے ابھی فون پر بات کر کے میڈیسن لکھوائی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ایک دو دن میں فائدہ ہو جائے گا۔

چلو ٹھیک ہے۔ لیکن پہلے میرے ساتھ ناشتہ کر لو پھر میڈیسن لینا۔

ٹھیک ہے۔ تم چلو۔ میں آتی ہوں۔

کئی دن ہو گئے سونیا کا درد ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ وقار اسے پہلے اپنے فیملی فزیشن کے ہاں لے گیا۔ وہاں سے بھی فائدہ نہیں ہوا تو آخر کار وقار نے شہر کے ایک بڑے نیورولوجسٹ سے وقت لے لیا۔ انھوں نے سونیا کے کئی ٹیسٹ کرائے۔ کئی دن تک تشخیص کا عمل جاری رہا۔ آج یہ تمام رپورٹیں لے کر وقار ڈاکٹر کے پاس آیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر سونیا کو ساتھ نہیں لایا تھا۔ اس کے ذہن میں کچھ خدشات تھے۔ اب وہ ان خدشات سمیت ڈاکٹر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کافی دیر تک ان رپورٹس کو دیکھتا رہا۔ پھر وقار سے مخاطب ہو کر بولا۔

میں آپ سے صاف بات کروں گا۔ اس لیے کہ آپ ایک سمجھدار اور میچور آدمی ہیں۔ آپ کی بیوی کو برین ٹیومر ہے۔

یہ سنتے ہی وقار کے سر پر گویا بم کا دھماکہ ہو گیا۔ وہ بے وقوف ہر گز نہیں تھا۔ جانتا تھا کہ برین ٹیومر کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ گرچہ ٹیسٹ کرواتے وقت اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ معاملہ کچھ گڑ بڑ ہو چکا ہے۔ لیکن دل میں ایک امید تھی کہ ڈاکٹر کوئی اچھی بات سنائے گا۔ لیکن اب اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو چکی تھی۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر دھیمی آواز میں ڈاکٹر سے دریافت کیا۔

ڈاکٹر! مجھے سچ سچ بتائیں۔ یہ معاملہ کتنا نازک ہے؟

دیکھیے دماغ کا معاملہ ہمیشہ نازک ہی ہوا کرتا ہے۔ آپ اللہ سے دعا کیجیے۔ ہم بھرپور کوشش کریں گے۔ لیکن میں آپ کو کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ گریڈ فور ٹیومر ہے اور صورتحال اچھی نہیں ہے۔ میرا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ آپ کی اہلیہ کے پاس بمشکل چند ہفتے یا چند ماہ ہیں۔

ڈاکٹر نے بے کم و کاست اصل صورتحال کو اس کے سامنے رکھ دیا۔

وقار کو یہ سن کر زبردست جھٹکا لگا۔ وہ لمحے بھر کے لیے سن ہو گیا۔ پھر ایک دوسرے امکان کو ڈاکٹر کے سامنے رکھا۔

میں دنیا میں کہیں بھی علاج کرانے کے لیے تیار ہوں۔ آپ بتائیے کہ مجھے کب اور کہاں جانا ہے؟ میرے اور سونیا کے پاس امریکہ کا ملٹی انٹری ویزا ہے۔ ہم کل ہی علاج کے لیے جا سکتے ہیں۔ میں ہر صورت میں اپنی بیوی کو بچانا چاہتا ہوں۔

میں آپ کو منع نہیں کروں گا۔ آپ کوشش کر کے دیکھ لیں۔ لیکن سرجری کی کسی بھی کوشش کی صورت میں کامیابی کا امکان بہت کم ہے۔ کیمیوتھراپی ایک بہتر متبادل ہے۔ اس طرح وہ کسی معذوری وغیرہ سے محفوظ رہیں گی۔

میں ایک کوشش ضرور کروں گا۔

یہ کہتے ہوئے وقار کا لہجہ بالکل بجھا ہوا تھا۔

وقار گھر میں داخل ہوا تھا سونیا اور وقار کی والدہ رات کے کھانے کے لیے میز پر بیٹھے تھے۔ ملازم ان کے سامنے کھانا لگا رہے تھے۔ اسے دیکھ کر وقار کی والدہ بیگم شمیم نے کہا۔

بیٹا! اچھا ہوا تم آ گئے۔ آؤ ہمارے ساتھ کھانے پر آ جاؤ۔

آپ لوگ شروع کریں۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ جب بھوک لگے گی میں کھا لوں گا۔

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی سمت چلا گیا۔

بیٹا سونیا! وقار کی صحت پر توجہ دو۔ وہ تو اپنا خیال ہی نہیں رکھتا۔

نہیں امی ایسی بات نہیں ہے۔ ان کی صحت بالکل ٹھیک ہے۔ اس وقت انھیں واقعی بھوک

نہیں لگی ہوگی۔ ورنہ تو روزانہ جم جاتے ہیں۔ڈائٹ کا خیال رکھتے ہیں۔ بلکہ ہم دونوں ہی اپنا بہت خیال رکھتے ہیں۔

ہاں ماشاءاللہ۔اللہ تعالیٰ تم دونوں کو خوش رکھے۔میری دعائیں ہمیشہ تمھاری صحت اور زندگی کے لیے رہتی ہیں۔

شمیم بیگم ایک نیک دل خاتون تھیں اور اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتی تھیں۔ان کے شوہر کے انتقال کے بعد وقار ہی ان کا سب کچھ تھا۔ان کی ساری دعائیں اب اسی کی خوشیوں اور زندگی کے لیے وقف تھیں۔ان کی بات پر سونیا نے کہا:

ہاں امی میرے لیے دعا کریں۔اس کم بخت دردِ سر نے مجھے بے چین کر رکھا ہے۔اب تو چکر بھی آنے لگے ہیں۔

بیٹا اس ڈاکٹر سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تو کوئی دوسرا ڈاکٹر دیکھ لو۔

شمیم بیگم نے مشورہ دیا۔

ہاں میں وقار سے بات کرتی ہوں۔ویسے اس ڈاکٹر نے کچھ ٹیسٹ کرائے تھے۔رپورٹس تو شاید آگئی ہوں گی۔انھیں لے کر ڈاکٹر کے ہاں جانا ہے۔

یہ کہتے ہوئے سونیا کھانے کی میز سے اٹھ گئی۔ملازم نے آگے بڑھ کر اس کی خالی پلیٹیں میز سے ہٹانا شروع کر دیں۔اس نے ملازم سے دریافت کیا۔

میرا ڈرائیور چھٹی سے کب آئے گا؟ مجھے تو یاد بھی نہیں رہا وہ کب تک کا کہہ کر گیا ہے۔

بی بی جی وہ اگلے ہفتے آئے گا۔البتہ صاحب کا ڈرائیور موجود ہے۔آپ کہیں تو اس کو بلا دوں۔

ہاں اس سے کہو میری گاڑی نکالے۔مجھے کچھ شاپنگ کے لیے جانا ہے۔

یہ کہہ کر سونیا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وقار بستر پر آنکھیں بند کر کے لیٹا تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔سونیا کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے کروٹ لے لی۔سونیا اس کی طرف دیکھے بغیر واش روم کی طرف چلی گئی۔تھوڑی دیر میں وہ کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی اور وقار سے کہا۔

وقار! میں شاپنگ کے لیے باہر جا رہی ہوں ۔تم کھانا کھا لینا۔

یہ کہہ کر وہ دروازے کی سمت بڑھی تو پیچھے سے وقار کی آواز آئی۔

ہم دو دن بعد امریکہ جا رہے ہیں۔سیٹ بک ہو چکی ہے۔ کچھ وہاں کے لیے بھی تیاری کر لینا۔

اس کی بات پر سونیا ایک دم سے مڑی۔

کیوں ، یہ اچانک کیا ہوا ہے؟

وقار بستر سے اٹھا۔سونیا کے پاس آ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ساتھ لا کر اپنے پاس بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

تمھاری رپورٹس میں کچھ پیچیدگی آئی ہے۔ڈاکٹر کا خیال ہے کہ باہر جا کر چیک اپ کروا لیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔

سونیا سیدھی سادھی گھریلو لڑکی نہیں تھی۔ برسوں سے ایک بڑا بزنس چلا رہی تھی۔اسے معلوم تھا کہ اس طرح اچانک کروایا جانے والا کوئی چیک اپ معمول کا نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟

وقار خاموش رہا۔

وقار! ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟

وقار کی خاموشی پر اس نے غصے میں اپنی بات دہرائی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے بتادیا تھا کہ معاملہ گھمبیر ہے۔

پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ معمولی سا ٹیومر ہے۔ امید ہے کہ ہم اس کا علاج کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

وقار نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

برین ٹیومر۔ سونیا کی زبان سے نکلا۔ اس سے آگے وہ ایک لفظ نہیں بول سکی۔

دو ہفتے بعد وہ دونوں امریکہ سے ناکام و نامراد لوٹ آئے۔ وہاں بھی ڈاکٹروں نے کوئی امید نہیں دلائی تھی۔ جو کچھ علاج وہ کرنا چاہتے تھے وہ ان کے اپنے ملک میں بھی ہوسکتا تھا۔ انھیں اب اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنا تھا۔

سونیا جو اپنی عمر سے ہمیشہ دس برس کم نظر آتی تھی اب یک بیک اپنی عمر سے دس برس زیادہ نظر آنے لگی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ اپنے سامنے موت کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر کھڑا دیکھا تھا۔ یہ ہر انسان کا مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ موت سے غافل رہتا ہے۔ اپنے سامنے ہر روز دوسروں کو مرتے دیکھتا ہے۔ اخبار اور ٹی وی پر دوسروں کی موت کا ذکر پڑھتا اور سنتا ہے۔ وہ احباب کو دفن کرتا اور دوسروں کی تعزیت کرتا ہے۔ وہ جنازوں میں شریک ہوتا اور قریبی عزیزوں کو خود سے بچھڑتے دیکھتا ہے۔

مگر انسان موت کو ہمیشہ دوسروں کی کہانی سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ملک الموت صرف دوسروں کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ اس کے لیے عالم کے پروردگار نے کوئی استثنا رکھ دیا

ہے کہ موت کا فرشتہ اس کا بدن نہیں چھوئے گا۔ انسانوں کی اس غلط فہمی کی ایک بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ زندگی کے اگلے مرحلے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ بچپن میں لڑکپن، لڑکپن میں جوانی، جوانی میں بڑھاپے اور بڑھاپے میں چند مزید دنوں کی امید انسانوں کو اس حقیقت سے غافل کر دیتی ہے کہ اس کی آخری منزل موت ہے۔

مگر کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ موت کی منزل بڑھاپے کے مرحلے سے پہلے اچانک سامنے آ جاتی ہے۔ ایسے میں جو انسان خدا و آخرت سے غافل اور ایمان و عمل صالح سے دور رہا ہوتا ہے وہ خود کو مایوسی اور بے بسی کی ایسی دلدل میں پاتا ہے جو لمحہ اس کے وجود کو نگلے چلی جاتی ہے۔ انسان چاہے ہاتھ پاؤں مارے یا خود کو حالات کے رحم و کرم کے حوالے کر دے، کوئی چیز اسے اس کی زندگی نہیں لوٹا سکتی۔

اس کے برعکس جو لوگ خدا اور آخرت کے احساس میں جیتے ہیں، موت ان کے لیے خوشی کا ایسا ہی پیغام لاتی ہے جیسی خوشی کسی نوجوان کو اپنی شادی کی خبر سے ہوتی ہے۔ لوگ روتے ہیں، وہ ہنستے ہیں۔ لوگ دکھی ہوتے ہیں، وہ شاد ہوتے ہیں۔ لوگ مایوس ہوتے ہیں اور ان کی امید کا ہر چراغ جل اٹھتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ موت کسی مصیبت کا نام نہیں بلکہ اس حقیقت کی نامہ بر ہے کہ ان کا دورِ امتحان ختم اور دورِ انعام شروع ہوا چاہتا ہے۔

بدقسمتی سے سونیا کا معاملہ دوسرا نہیں بلکہ پہلا والا تھا۔ وہ ایک امیر گھرانے کی چشم و چراغ تھی۔ زندگی نے اسے سب کچھ دیا۔ اچھی شکل، مال و دولت، اعلیٰ تعلیم اور پھر وقار جیسا چاہنے والا شوہر۔ مگر اس نے کبھی شکر گزاری کی زندگی نہیں گزاری۔ وہ غفلت کے اس جرم میں مبتلا تھی جس کا انجام جہنم ہوتا ہے۔ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ، اور سے اور، خوب سے خوب تر کو اس نے اپنی زندگی بنائے رکھا۔ اسے اور وقار کو اللہ نے بزنس میں غیر معمولی کامیابی دی۔ جس کے بعد ہر سال نئے

ماڈل کی گاڑی، غیر ملکی ٹرپ، سیر و تفریح، برانڈڈ کپڑے اور پرس، بیش قیمت پرفیوم، مہنگی جیولری اور رنگینیوں سے بھرپور پارٹیاں اس کی زندگی بنی رہیں۔

مگر اب موت سونیا کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ موت جو فرعون اور نمرود کا اقتدار لے ڈوبی، قارون کی دولت کھا گئی، قلوپطرہ کا حسن نگل گئی، رستم کی طاقت سلب کر لی اور آئن اسٹائن کی ذہانت کو شکست دے گئی، اب اس کے سامنے سینہ تانے کھڑی تھی۔ اس کی کیا حیثیت تھی کہ وہ اس کا سامنا کر سکتی۔ اسے مرنا تھا۔ مگر مرنے کے احساس نے اسے وقت سے پہلے مار ڈالا تھا۔

جو لوگ مرنے کے احساس میں جیتے ہیں وہ موت کے وقت زندہ ہو جاتے ہیں اور جو مرنے کے احساس میں نہیں جیتے وہ موت کو سامنے دیکھ کر وقت سے پہلے مر جاتے ہیں۔ یہی سونیا کے ساتھ ہوا تھا۔

وقار کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ سونیا اس کی زندگی تھی، اس کی محبت تھی، اس کا جنون تھی۔ اس نے سونیا کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔ شادی کے بارہ برسوں کے بعد بھی جبکہ وہ ماں نہیں بن سکی تھی نہ آئندہ بن سکتی تھی، اس نے کبھی دوسری شادی کے متعلق نہیں سوچا۔ سونیا کے لیے تو اس نے اولاد کی فطری خواہش کو بھی کچل دیا تھا۔ وہ اس کی اداؤں پر مرتا، اس کے حسن پر جان دیتا، اس کی باتوں سے زندگی پاتا، اس کی زیبائش پر فدا ہوتا اور اس کے ناز و انداز میں خوشی تلاش کرتا تھا۔

مگر اب موت نے اس کے گھر کے دروازے پر خاموشی سے دستک دے دی تھی۔ موت کا ذکر اس نے سنا تھا، دوسروں کی موت کے بارے میں پڑھا تھا۔ مگر موت جب اپنا کشکول لیے کسی کے گھر آتی ہے تو کیا ہوتا ہے، یہ اسے اب معلوم ہوا تھا۔ وہ اپنی ساری دولت موت کی جھولی میں ڈال دیتا تب بھی اس نے لے کر اسی کو جانا تھا جسے وہ لینے آئی تھی۔

وہ سوچتا تھا کہ کاش یہ موت اسے آئی ہوتی تو وہ اتنا غمگین نہ ہوتا۔ مگر موت نے تو اس کی محبت کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے بعد وقار کو ایک چلتی پھرتی لاش کی طرح جینا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے اس وقت سونیا کی کیفیت تھی...... خاموش، اداس اور تنہا۔ جیتی جاگتی اور ہنستی بولتی سونیا اب بستر پر لیٹ کر موت کا انتظار کرنے والی ایک خالی روح بن کر رہ گئی تھی۔

مگر وقار کے لیے ابھی ایک دروازہ باقی تھا۔ یہ وہ دروازہ تھا جس کو کبھی اس نے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ یہ مذہب کا دروازہ تھا۔ اس نے یہ دروازہ کھٹکھٹانے کا فیصلہ کیا۔ وقار نے پانچوں وقت نماز مسجد میں پڑھنا شروع کر دی تھی۔ ہر نماز میں وہ دیر تک مصلے پر بیٹھ کر دعا کرتا تھا۔

یہاں سے کام نہیں بنا تو مذہب کے نام پر جو کچھ معاشرے میں رائج تھا وہ سب وقار نے آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے گھر میں مدرسے کے بچوں کو بلا کر قرآن خوانی اور دعا کرانی شروع کر دی۔ پیروں فقیروں کے پاس جا کر اور ان کے تعویذ لا کر بیوی کو گھول کر پلانے شروع کر دیے۔ جس نے جو وظیفہ بتایا وہ پڑھنا شروع کر دیا۔ منزل، آیات شفا، رقیہ شریعہ سے لے کر مزاروں پر حاضری، چادریں چڑھانا، دیگیں پکوا کر تقسیم کروانا، مدرسوں اور مسجدوں میں بڑے بڑے چندے دے کر دعا کروانا، غرض سارے راستے اس نے کھنگال ڈالے۔ مسلمانوں کے ہر فرقے کے پاس جو ممکنہ حل تھا وہ اس نے آزمایا۔ مگر کوئی موت کو دور نہیں کر سکا۔

مذہب کے ساتھ حکمت اور ہومیوپیتھی جیسے علاج کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ مگر رفتہ رفتہ سونیا کی کیفیت بگڑتی گئی۔ کئی دفعہ اس کو ہسپتال داخل کیا گیا۔ مگر پھر ڈاکٹروں نے واپس گھر بھیج دیا۔

ایک رات تین بجے جب سونیا کی طبیعت بہت خراب تھی تو وہ بہت بے چین ہو گیا۔ اس نے وضو کیا اور خدا کے حضور کھڑا ہو گیا۔ مگر یہ نماز ایک نماز نہیں تھی، خدا کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ اس نے نماز کے بعد جو دعا کی وہ اعلان بغاوت تھا۔

یا اللہ! میں نے تیرے نام پر کھڑے ہر شخص سے رجوع کیا ہے۔ ہر دروازے کو کھٹکھٹایا ہے۔ ہر شخص نے مجھے یقین دلایا ہے کہ معجزہ ہو جاتا ہے، مگر کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ پروردگار تو میری بیوی کو شفا دے اور اگر نہیں دے سکتا تو پھر تجھ میں اور بتوں میں کیا فرق ہے؟ تو اگر ہے تو مجھے جواب دے اور جواب نہیں دیا تو اس کا مطلب ہے کہ تو موجود ہی نہیں ہے۔ پروردگار مجھے معجزہ چاہیے۔ تو یہ معجزہ نہیں کرے گا تو پھر میں تیرا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لیکن اس کے بعد تو کبھی میرا سر اپنے سامنے جھکا ہوا نہیں پائے گا۔

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ نجانے کتنی دیر تک وہ اسی طرح روتا رہا اور آخر کار وہیں مصلے پر سو گیا۔

اگلی صبح سونیا کا انتقال ہو گیا۔ اس نے سونیا کی نماز جنازہ پڑھ لی۔ اس لیے کہ اس میں سجدہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر یہ اس کی زندگی کی آخری نماز تھی۔

کہتے ہیں کہ وقت ہر زخم بھر دیتا ہے۔ مگر وقار کو جو زخم لگا تھا وہ بھرنے میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سونیا کی بیماری کے دوران میں بہت رویا تھا۔ مگر اس کی موت کے وقت بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ پھر اس کے بعد کبھی کسی نے اسے روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بس خاموش دیکھا۔ اس نے بولنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ کھانا پینا بھی بس واجبی سا رہ گیا تھا۔ ماں نے بہت سمجھایا۔ دوست احباب نے بھی دلاسہ دیا۔ مگر اس کا صدمہ کم نہ ہوا۔

وہ دفتر بھی نہیں جا رہا تھا۔ عظمت صاحب نے کئی دفعہ گھر آ کر اس کو آفس جانے کے لیے آمادہ کیا۔ ان کے اور اپنی والدہ کے بے حد اصرار پر وہ ایک دو دفعہ آفس چلا گیا مگر وہاں جانا اس کے لیے سوہان روح بن گیا۔ وہ دونوں گھر سے زیادہ آفس میں ساتھ رہتے تھے۔ وہاں ہر جگہ

اسے سونیا چلتی پھرتی نظر آتی۔ جس کے بعد اس نے پلٹ کر آفس کا رخ نہیں کیا۔

ماں نے اسے بہت سمجھایا کہ زندگی کا کاروبار ایسے نہیں چلتا۔ عظمت صاحب نے سمجھایا کہ آفس کا کاروبار ایسے نہیں چلتا۔ وہ سب سمجھتا تھا پر کیا کرتا؟ اس کا خود پر کوئی بس نہ تھا۔ مگر زندگی کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ اس کے آفس نہ جانے کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ کاروبار تیزی سے متاثر ہونے لگا۔ ملازمین چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے۔ عظمت صاحب آخری وقت تک معاملات سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر یہ ان کا نہیں سونیا اور وقار کا بزنس تھا۔ وہی اسے چلا رہے تھے۔ کوئی دوسرا نہ اتنی سمجھ رکھتا تھا نہ اس میں وہ صلاحیت تھی۔ سال بھر کے اندر آفس کو تالا لگ گیا۔ مگر وقار کو اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ اس کی زندگی اور کاروبار سب کچھ سونیا کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔ اس کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ اس کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے۔

بات صرف یہیں تک رہتی تو پھر کچھ غنیمت تھا۔ کاروبار میں قرض لینا پڑتا ہے۔ یہ قرضے وقار اور سونیا نے بھی لے رکھے تھے۔ یہ قرض کاروبار کے منافع سے ادا کیے جاتے تھے۔ برسہا برس سے یہی ہوتا آرہا تھا۔ مگر جب کاروبار ہی نہیں رہا تو قرض کیسے ادا کیا جاتا۔ رفتہ رفتہ قرض کی اقساط اور ان پر سود کا بوجھ بڑھتا گیا۔ وقار کو کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مگر جن بینکوں نے قرضے دے رکھے تھے، انھیں بہر حال اپنا قرض واپس لینا تھا۔ انھوں نے وقار پر کیس کر دیا۔ کئی ماہ تک کیس چلتا رہا اور آخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ وقار کا گھر بیچ کر قرض ادا کیا جائے۔ پھر یہ بھی ہو گیا۔ وقار کو دو ہزار گز کی کوٹھی چھوڑ کر ایک چھوٹے سے مکان میں شفٹ ہونا پڑا۔

بابا جان! یہ تو بہت مشکل وقت ہو گا آپ کے لیے؟

ناعمہ سے رہا نہ گیا۔ وہ وقار کی داستان کے بیچ میں دخل دیتے ہوئے بول ہی پڑی۔

ہاں بیٹا۔ یہ میری زندگی کا مشکل ترین وقت تھا۔ مگر ایک بات بتاؤں؟

جی بابا۔ ناعمہ جھٹ سے بولی۔

پچھلی دنیا میں انسان جس وقت سب سے زیادہ مشکل میں ہوتا تھا، وہ خدا سے سب سے زیادہ قریب اسی وقت ہوتا تھا۔ یہ بات مجھے بہت بعد میں سمجھ میں آئی۔

محرومی انسانوں کی دنیا میں سب سے بڑی مصیبت کا نام تھا۔ مگر خدا کی دنیا میں یہ سب سے بڑی نعمت تھی۔

عبداللہ نے اپنے انداز سے اپنے بابا کی بات کو دہرایا۔

سچ کہہ رہے ہو بیٹا۔ سونیا کی اچانک اور جوان موت نے مجھے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں اس سے شدید محبت کرتا تھا۔

امی آپ اس وقت کہاں تھیں؟

ناعمہ نے اسریٰ سے پوچھا۔

بیٹا میں تو اس وقت تمہارے بابا جان سے بالکل واقف نہیں تھی۔ میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ کبھی میری ان سے شادی ہوگی۔ ہم دونوں دو بالکل مختلف دنیاؤں کے لوگ تھے۔ بلکہ جس زمانے کا یہ ذکر ہے، اس زمانے میں تو میں ان سے دور سے دور ہوتی جارہی تھی۔ ان کی زندگی زوال پذیر تھی جبکہ میں ایک بالکل جدا ڈھنگ پر جارہی تھی۔ مجھ پر کیریئر اور مستقبل سوار تھا۔ اس بات کا کوئی امکان اور سوال ہی نہیں تھا کہ ہم دونوں کبھی دوبارہ ملیں گے۔

اسریٰ خاموش ہوئی تو ناعمہ اور عبداللہ وقار کو دیکھنے لگے۔ وہ اس سے مزید سننا چاہ رہے تھے۔ وقار نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں میری کہانی میں اسریٰ کا ذکر بھی آئے گا۔ مگر اُس وقت تو میری زندگی کا وہ مرحلہ آرہا تھا

جس نے مجھے ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ میں اُس زمانے میں مایوس ہو کر اللہ سے بہت دور ہو گیا تھا۔ میں ناامیدی اور فرسٹریشن کے عالم میں اس کی بارگاہ میں بہت گستاخی بھی کر دیتا تھا۔ مگر وہ ایسا کریم ہے کہ مجھ لئیم سے ناراض ہونے کے بجائے اس نے مجھ پر خصوصی احسان کیا۔

یہ کہتے ہوئے وقار کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر وہ خود ہی بولا:

حالانکہ جن نعمتوں کے چھننے کا مجھے غم تھا، وہ ساری کی ساری اس کی عطا تھی۔ اس نے میرے گناہوں پر اپنی عطا ہی تو واپس لی تھی۔ مجھے تو شرمندہ ہو کر معافی مانگنی چاہیے تھی۔ مگر میں بدبخت اسی سے ناراض ہو کر بیٹھ گیا۔ مگر پھر اللہ کی رحمت میرے حال پر متوجہ ہوئی۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ہوئی؟

میں بتاتی ہوں کیوں ہوئی۔

اسریٰ نے اس کی بات کا جواب دیا۔

اس لیے ہوئی کہ آپ نے میرے جیسے نجانے کتنے کمزور اور غریب انسانوں پر احسان کر رکھا تھا۔ میں تو خیر خود ایک ناشکری اور نافرمان لڑکی تھی، مگر میرے ماں باپ دونوں مجھے اور میری کامیابیوں کو دیکھتے اور اٹھتے بیٹھتے ان لوگوں کے لیے دعا کرتے تھے جن کی وجہ سے ان کی بچی پڑھ لکھ رہی تھی اور ان کے لیے زندگی کی ایک امید پیدا ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ بہت غیور ہیں۔ اس سے زیادہ سخی کوئی نہیں ہے۔ آپ نے اس کے بندوں پر احسان کیا تھا۔ جس کے بعد اس کی رحمت نے آپ کو وہ موقع دیا جس سے آپ نے پورا فائدہ اٹھایا۔

اسریٰ کی بات پر وقار نے تاسف کے ساتھ کہا۔

مگر اُس وقت تو میں اللہ سے اپنی شرائط پر معاملہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میں چاہ رہا تھا کہ خدا میری

دنیا ویسی بنا دے جیسی میں چاہتا ہوں۔ وہ ایسا کر دیتا تو میں اس سے خوش رہتا۔ اس نے ایسا نہیں کیا تو میں اس سے ناراض ہو گیا۔

یہی انسانوں کا المیہ تھا بابا!

عبداللہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

خدا نے دنیا انسانوں کے امتحان کے لیے بنائی تھی، مگر انسان پچھلی دنیا میں بیشتر وقت خدا کا امتحان لیتے رہے۔ اللہ میاں یہ کر دیں۔ اللہ میاں وہ کر دیں۔ کر دیں گے تو ٹھیک ہے، ورنہ ہم نے نہ آپ کو ماننا ہے اور نہ آپ کی بات کو ماننا ہے۔

ٹھیک کہا تم نے عبداللہ۔ وقار نے اس کی تائید کی۔

بابا یہ یہودیت تھی۔ یہ یہودی تھے جو کہتے کہ خدا علانیہ ہماری مرضی کے مطابق اپنا ظہور کرے۔ جبکہ اسلام یہ تھا کہ خدا کے ہر فیصلے کے سامنے سر جھکا لیا جائے۔ بس دعا کی جائے۔ دعا قبول ہو جائے تو شکر کیا جائے۔ نہ قبول ہو تو صبر سے کام لیا جائے۔ مگر بندگی کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بندگی تو اچھے برے حالات کے باوجود کی جانی تھی۔

ہاں بیٹا۔ یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ زندگی امتحان ہے۔

مگر بابا آگے کیا ہوا۔ یہ تو بتائیں نا۔ ناعمہ نے بے چینی کے ساتھ کہا۔ وہ اس کی داستان کی تفصیل سننا چاہ رہی تھی۔

بتاتا ہوں بیٹا۔ وقار نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

وقار کی زندگی اور کاروبار دونوں تباہ ہو چکے تھے۔ اس سب کے باوجود مردہ ہاتھی پھر بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ وقار اور سونیا کی متعدد جائدادیں تھیں۔ وہ انھیں بیچ بیچ کر گزارا کر رہا تھا۔ سونیا

کے انتقال کو دو برس گزرنے کو تھے۔ایک روز عظمت صاحب اس سے ملنے آئے۔انھوں نے کہیں اور ملازمت کرلی تھی۔انھوں نے جس حال میں وقار کو دیکھا انہیں بہت صدمہ ہوا۔

سر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ آپ زندگی کی طرف لوٹ کیوں نہیں آتے؟

انھوں نے بہت دکھی لہجے میں وقار سے کہا۔وہ واقعی اس سے ایک دلی تعلق رکھتے تھے۔

کوئی اور بات کریں عظمت صاحب۔مجھ سے اب کوئی کام نہیں ہوتا۔ میں اب زندہ بھی نہیں رہنا چاہتا۔

وقار نے بے دلی سے کہا تو عظمت صاحب نے فوراً کہا۔

اللہ آپ کو زندگی دے۔میری دعا ہے کہ اللہ کریم آپ کے لیے کوئی راستہ کھولے۔آپ نے نجانے کتنے لوگوں کی زندگیاں بنادی ہیں۔

پھر وہ کچھ رک کر بولے۔

سرِ دست میں ایک مسئلے کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔

جی فرمایئے، وقار نے ان کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

آپ نے بہت سارے اسٹوڈنٹس کے وظیفے جاری کیے تھے۔اب تو ظاہر ہے کہ نئے وظیفے دینے کا تو کوئی سلسلہ نہیں ہے، مگر پرانے اسٹوڈنٹس کے معاملے میں کیا کرنا ہے؟ کیونکہ جو اکاؤنٹ آپ نے الگ سے کھلوایا تھا اس میں موجود رقم ختم ہوچکی ہے۔اب ان کی فیسوں کا وقت آگیا ہے۔ یہ اسٹوڈنٹس مجھ سے رابطہ کر رہے ہیں۔ میں ان کو کیا جواب دوں؟

وقار نے ان کی بات سنی اور پھر ان کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے بولا۔

سب کے وظیفے ایسے ہی جاری رہیں گے۔میں خدا نہیں ہوں جو کسی کی فریاد کا جواب نہیں دیتا۔

اس آخری جملے کا مطلب عظمت صاحب بالکل نہیں سمجھ سکے۔انھوں نے زیادہ اہم سوال کرنا مناسب سمجھا۔

لیکن یہ ہوگا کیسے؟اس وقت تو آپ کی پوزیشن ایسی ہے کہ آپ کا اپنا گزارا آنے والے دنوں میں ایک مسئلہ بنتا چلا جائے گا۔

میری کئی زمینیں ہیں۔ان کو بیچ کر گزارا بھی ہو جائے گا اور اسٹوڈنٹس کی اسکالرشپس بھی پوری ہو جائیں گی۔

میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔باقی اسٹوڈنٹس کے اخراجات تو بہت زیادہ نہیں ہیں۔مگر ایک اسٹوڈنٹ اسریٰ احمد ہے۔اس کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔آپ اسے ذاتی اخراجات کے لیے بھی الگ سے وظیفہ دیتے تھے۔یاد ہے آپ کو وہ لڑکی؟

نہیں مجھے نہیں یاد۔

بہر حال اس کے لیے آپ نے بہت کچھ کیا ہے۔اب اس کا وظیفہ ختم کر دیتے ہیں۔وہ کہیں نہ کہیں سے کر لے گی۔

کسی کی اسکالرشپ نہیں رکے گی۔سب کو اسی طرح ملتا رہے گا۔میں بے حس نہیں ہوں۔ بے حسی کسی اور ہی کو جچتی ہے۔مجھے زیب نہیں دیتی۔

وقار نے کھڑکی سے نظر آنے والے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔اس کی نظروں میں بیک وقت غصہ، مایوسی، شکایت اور افسوس تھا۔

پھر وہ اٹھا اور الماری سے ایک فائل نکال کر عظمت صاحب کی طرف بڑھائی۔

اسے بیچ دیں اور تمام اسٹوڈنٹس کی ضروریات پوری کریں۔

آپ بے فکر رہیں سر۔یہ میرے پاس آپ کی امانت ہے۔یہ پیسے ویسے ہی خرچ ہوں گے

جیسے آپ چاہیں گے۔

عظمت صاحب نے فائل اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ وہ ایک انتہائی دیانت دار آدمی تھے جو وقار کے والد کے زمانے سے ان کے ہاں ملازم تھے۔ وقار ان پر مکمل اعتماد کرتا تھا اور کبھی انھوں نے اس کے اعتماد کو دھوکا نہیں دیا تھا۔

اسی اثنا میں کمرے میں وقار کی والدہ داخل ہوئیں۔ انھیں دیکھ کر عظمت صاحب ادب سے کھڑے ہو گئے۔

انھوں نے اندر آتے ہی کہا۔

عظمت صاحب! اسے سمجھایئے۔ میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں کہ بزنس دوبارہ شروع کرے۔ گھر میں بیٹھ کر کھائیں گے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جائے گا۔ مگر یہ کچھ سنتا ہی نہیں۔ میں تو کہتی ہوں کہ یہ دوسری شادی کر لے تو زندگی کی طرف لوٹ آئے گا۔

امی پلیز کسی اور موضوع پر بات کریں۔

وقار نے دوسری شادی کی بات پر ایک دم سے جھلا کر کہا۔ یہ اس کے لیے ناقابل تصور تھا کہ کوئی بھی کبھی بھی سونیا کی جگہ لے۔

اچھا چلو ایک کام کرتے ہیں۔ تم مجھے عمرے پر لے چلو۔

انھوں نے ایک دوسری تجویز پیش کی جو ان کے خیال میں قابل عمل تھی۔ مگر وقار کو اس میں بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ بے پروائی سے بولا۔

امی آپ خود چلی جائیں۔ میں نہیں جانا چاہتا۔

وقار صاحب! آپ کی والدہ کو آپ کے بغیر عمرے کا ویزہ نہیں ملے گا۔ یہ قانونی شرط ہے۔ اس لیے ان کو جانا ہے تو آپ کو بھی جانا پڑے گا۔ چاہے آپ جانا چاہیں یا نہ جانا چاہیں۔

عظمت صاحب نے وقار کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ وقار کی والدہ شمیم بیگم بھی اس کے صاف انکار پر کچھ آبدیدہ ہوگئیں۔ وہ روہانسے لہجے میں بولیں:

بیٹا مجھے تم کوئی خوشی نہیں دینا چاہتے تو کم از کم ایک بات تو رکھ لو۔ کیا بوڑھی ماں کو دینے کے لیے تمھارے پاس کچھ نہیں ہے۔ کل میں مرجاؤں گی تو پھر مجھے بھی روتے رہنا۔

مرجانے کی بات پر وقار ایک دم سے گھبرا گیا۔

امی ایسا نہ کہیں۔ اچھا چلیں ناراض نہ ہوں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

وقار نے کہہ تو دیا تھا مگر اس کے لہجے میں بے دلی تھی۔ پھر اس نے عظمت صاحب سے کہا۔

آپ اس سلسلے میں کچھ مدد کرسکتے ہیں؟

سر آپ بے فکر ہوجائیں۔ آپ کے جانے کے سارے انتظامات میں کردوں گا۔

ٹھیک ہے۔ اخراجات اسی فائل سے پورے کرلیجیے گا۔ اس کی قیمت اچھی خاصی ہے۔

آپ اطمینان رکھیے۔ سب کچھ ہوجائے گا۔

یہ کہتے ہوئے عظمت صاحب اٹھ گئے۔ وقار کی والدہ کے چہرے پر بھی کچھ اطمینان کے آثار آچکے تھے کہ بیٹے نے پہلی دفعہ کسی معاملے میں مثبت رویے کا مظاہرہ کیا تھا۔

وقار نے عمرے کے سفر کی ہامی تو بھرلی تھی، مگر اس کا جانے کا ذرہ برابر بھی دل نہ تھا۔ وہ پہلے بھی کبھی حج عمرہ پر نہیں گیا تھا۔ خدا اس کی زندگی میں پہلے ہی نہیں تھا۔ سونیا کی بیماری کے دوران میں جو کچھ مذہبیت تھی وہ اس کی صحت کی امید پر تھی۔ سونیا کی موت کے ساتھ خدا اس کی زندگی سے مکمل طور پر رخصت ہوچکا تھا۔ پہلے وہ کبھی کبھار جمعہ پڑھ لیتا تھا۔ اب جمعہ تو کیا وہ عید کی نماز سے بھی فارغ ہوچکا تھا۔ ایسے میں اسے عمرہ کے سفر میں کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ مگر ماں کا دل رکھنے

کے لیے وہ مجبور ہو گیا۔

احرام پہن کر یہ لوگ گھر سے روانہ ہوئے۔ وقار کی والدہ تو خیر بڑی روحانی کیفیت میں تھیں، مگر وقار کے لیے ہر چیز بے معنی اور بے مقصد تھی۔ پورے سفر میں وہ یہ سوچتا رہا کہ یہ سب کچھ بالکل بے فائدہ اور بے مقصد عمل ہے۔

مگر اسے ماں کو عمرہ کرانا تھا۔ سو ان کو وہیل چیئر پر بٹھا کر سارے مناسک عمرہ اُسی نے ادا کروائے۔ پہلے طواف کے سات چکر لگائے اور پھر سعی کی۔ اس نے اطمینان کے ساتھ بال بھی کٹوا لیے کہ کافی دن سے بال نہیں کٹے تھے۔ یوں اس کی ماں نے تو عمرہ کیا، مگر وقار نے اپنی دانست میں واک کر کے بال کٹوا لیے تھے۔ اس سے زیادہ اس کے نزدیک اس عمل کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

نماز کا وقت آیا تو ماں کو خواتین کے حصے میں چھوڑا اور خود اطمینان کے ساتھ حرم سے باہر چلا گیا۔ اس نے طے کر رکھا تھا کہ خدا کے سامنے سر نہیں جھکائے گا۔ یہ اس کی وہ بغاوت تھی جو اس نے خدا کے مقابلے میں کر رکھی تھی۔ اس بغاوت میں غصہ تھا، شکایت تھی، مایوسی تھی یا پھر کچھ اور، یہ اسے معلوم نہ تھا۔

نماز ختم ہوئی تو واپس ماں کو لینے حرم آ گیا۔ وہاں پہنچا تو ایک نئی مصیبت اس کی منتظر تھی۔ اس کی والدہ کا پرس چوری ہو گیا تھا۔ ان کے پاسپورٹ اور دیگر ضروری چیزیں اسی میں تھیں۔

اب مسائل کا ایک نیا مرحلہ شروع ہو گیا۔ پہلے یہ معلوم کرو کہ اب کرنا کیا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ پھر چوری کی رپورٹ درج کرانا، سفارت خانے جانا، عارضی سفری اجازت نامہ حاصل کرنا؛ غرض مشکلات کی ایک نئی دنیا اس کی منتظر تھی۔ اس خواری میں جو چیز سب سے بڑھ کر وقار کے لیے تکلیف دہ تھی وہ یہ تھی کہ مقامی عربوں کی بات کیسے سمجھے اور اپنی بات ان کو کیسے سمجھائے۔

بازاروں میں تو چونکہ اردو جاننے والے لوگ ہوتے تھے، اس لیے وہاں مشکل نہیں پیش آتی تھی، مگر سرکاری اداروں جیسے پولیس میں مقامی عرب ہی ہوتے تھے۔ انہیں انگریزی نہیں آتی تھی جبکہ اسے عربی نہیں آتی تھی۔ گرچہ وقار کو اردو، انگریزی کے علاوہ جرمن اور کچھ ہسپانوی بھی آتی تھی کہ زبانیں سیکھنا اس کا زمانہ طالب علمی کا شوق تھا۔ مگر اسے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ کاش اس نے کچھ عربی بھی سیکھ لی ہوتی۔

سب سے پہلی مشکل تو اس بات میں پیش آئی کہ رپورٹ درج کرانے کس جگہ جائے اور وہاں کیسے پہنچے۔ اسے جو بھی عربی میں بات سمجھاتا اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر بڑی مشکل سے ایک عربی جاننے والے اردو داں کو مترجم بنا کر یہ بات سمجھی کہ رپورٹ کہاں درج کرانا ہے۔ وہاں پہنچا تو ان لوگوں کو اپنی بات سمجھانا ایک اور مسئلہ بن گیا۔ وقار ایک بات کہتا وہ دوسری بات سمجھتے۔ وہ کچھ کہتے وقار کچھ اور سمجھتا۔ بمشکل تمام یہ مرحلہ طے ہوا۔ دیگر مراحل طے ہوتے ہوتے وقار بری طرح بے زار ہو گیا۔ وہ اس وقت کو کوسنے لگا جب اس نے ماں کے ساتھ یہاں آنے کی ہامی بھری تھی۔

تاہم اس دوران میں اس نے اپنی والدہ کو ہر طرح کی مشقت سے دور رکھا۔ وہ حرم میں رہتیں اور اللہ سے اپنے بیٹے کے لیے دعا کرتی رہتیں۔ وہ یہاں آئی ہی اس لیے تھیں کہ اپنے بیٹے کی تباہ حال زندگی پر رحم کی درخواست کریں۔ جبکہ وقار کا معاملہ یہ تھا کہ ہر نماز کے وقت وہ بااہتمام مسجد سے باہر نکل جاتا اور نماز ختم ہو جاتی تو مسجد لوٹ آتا۔ باہر گرمی اتنی زیادہ تھی کہ زیادہ دیر مسجد سے باہر رکنے کا سوال ہی نہ تھا۔ ہوٹل میں اس لیے نہیں جا سکتا تھا کہ والدہ کو کہیں اس کی ضرورت نہ پڑ جائے۔ چنانچہ مسجد میں رہنا بھی ضروری تھا کہ وہ بوقت ضرورت اس تک پہنچ سکیں۔

ماں تو بیشتر وقت مسجد الحرام میں رہتی تھیں، مگر وقار کے لیے وہاں وقت گزارنا ایک مسئلہ بن گیا۔ باقی لوگ تو طواف کرتے، نفل پڑھتے، دعا کرتے یا قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے، مگر وقار نے ان میں سے کسی کام کو کیا کرنا تھا۔ وہ کسی نہ کسی گوشے میں فارغ بیٹھا رہتا۔

ایک روز وہ بیٹھا ہوا سخت بور ہو رہا تھا کہ سامنے رکھے ہوئے شیلف سے اس نے قرآن مجید اٹھا لیا۔ مطالعہ کرنا اس کی عادت تھی، اس لیے کوئی بھی کتاب اٹھا کر اسے دیکھنا، اس کا موضوع سمجھنا اور کھڑے کھڑے ایک دو صفحات پڑھ لینا اس کے لیے معمول کی بات تھی۔ اس لیے اس نے عقیدتاً نہیں بلکہ عادتاً قرآن اٹھا لیا، مگر اس کے آگے وہ کچھ نہیں کر سکا۔ اس نے بچپن میں تھوڑا بہت ناظرہ قرآن پڑھا تھا۔ اس کے بعد پلٹ کر ساری زندگی قرآن کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ سوائے سونیا کی بیماری کے اس عرصے میں جب وہ روزانہ قرآن پڑھ کر اسے دم کیا کرتا تھا۔

مگر اب قرآن سے اسے کسی قسم کی کوئی عقیدت تو رہی نہیں تھی کہ اسے چومتا یا سینے سے لگاتا یا بغیر سمجھے پڑھنا شروع کر دیتا۔ اس نے غیر شعوری طور پر پڑھنے کے لیے قرآن مجید کو کھول لیا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس پہلو سے یہ ایک بے فائدہ کام تھا کہ اسے عربی نہیں آتی تھی۔

پہلے تو شاید ساری زندگی اس نے کبھی اس پہلو سے نہیں سوچا تھا، مگر یہاں آ کر چونکہ پرس چوری ہو جانے کی بنا پر اس کا واسطہ عربی زبان سے براہ راست پڑا تھا، اس لیے پہلی دفعہ اس نے اس بات پر غور کیا کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ اسے یہ بھی احساس ہوا کہ عربی تو ایک زبان ہے۔ یہاں یہ زبان لوگ بول چال میں ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لیے بول رہے ہیں۔ اس لیے قرآن میں بھی جو کچھ کہا گیا ہے، چاہے عربی ہی میں سہی، وہ کچھ نہ کچھ سمجھانے کی غرض ہی سے کہا گیا ہوگا۔

اس سے قبل قرآن پڑھتے ہوئے، آیات شفا اور رقیہ شریعہ جیسی چیزیں پڑھ کر سونیا پر

پھونکتے ہوئے وہ عربی الفاظ کو کوئی جادوئی چیز سمجھ رہا تھا۔ مگر اس لمحے اس پر یہ بات واضح ہوئی کہ قرآن اگر عربی میں ہے تب بھی یہ بات تو لازمی ہے کہ اس کا اصل مقصد کوئی نہ کوئی بات کہنا یا کوئی پیغام پہنچانا ہی ہوگا۔ زبان کا اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا۔

اس نے اس سے قبل اتنے سادہ حقائق پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ بعض باتیں بہت سادہ ہوتی ہیں، مگر ہم کبھی ان کے بارے میں نہیں سوچتے۔ مگر جب سوچتے ہیں اور بات واضح ہوجاتی ہے تو اپنی بیوقوفی پر ہنسی آتی ہے۔ وقار بھی اس وقت ایسی ہی کیفیت میں تھا۔ اسے لگا کہ جو قرآن عربی زبان میں ہے اور وہ زبان اس کی سمجھ میں نہیں آتی تو اس کو ہاتھ میں اٹھانے کا کیا فائدہ۔ یہ تو بالکل وہی بات ہوئی جو پولیس والوں اور دیگر عربی زبان بولنے والوں کے ساتھ اسے پیش آئی تھی۔ جو وہ بول رہے تھے، اسے اس کا ایک لفظ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اسی نہ سمجھنے کی بنا پر اسے بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

یہ سب سوچ کر وہ ہنسا اور قرآن مجید واپس شیلف میں رکھنے لگا تو دیکھا کہ وہیں پر ایک مصحف رکھا ہے جس میں قرآن کا جرمن زبان میں ترجمہ بھی تھا۔ اس نے وہ ترجمہ ہاتھ میں اٹھالیا اور بیچ میں سے کھول کر پڑھنے لگا۔ اس کی اصل دلچسپی قرآن سمجھنے سے زیادہ جرمن زبان پڑھنے میں تھی جس سے وہ کافی عرصے سے دور تھا۔ وہ جرمن میں قرآن پڑھ رہا تھا۔ مگر اسے سمجھ میں آرہا تھا کہ لکھا کیا ہے۔ اس نے دو چار صفحے مطالعے کے انداز میں پڑھ لیے۔ جرمن سمجھتے ہوئے اسے اس عمل میں مزہ آیا۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہوگئی۔ مجبوراً اسے قرآن واپس رکھ کر کر مسجد سے باہر نکلنا پڑا۔

نماز ختم ہوئی تو وقار دوبارہ مسجد میں آگیا۔ مگر اس دفعہ وہ دوسرے دروازے سے اندر داخل

ہوا۔ اندر آتے ہی اس نے شیلف میں رکھے قرآن مجید میں سے جرمن ترجمہ ڈھونڈنا چاہا، مگر اسے وہ نہیں ملا۔ کافی تگ و دو اور دوسری جگہوں پر تلاش کے باوجود بھی اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ البتہ ایک جگہ اسے قرآن کا اردو ترجمہ مل گیا۔

اس کے پاس کرنے کے لیے کچھ اور تو تھا نہیں، اس نے شغل کے طور پر اسی کو اٹھا لیا۔ اس وقت اس کے پیش نظر صرف ٹائم پاس کرنا تھا۔ اس نے ایک ستون کے ساتھ بیٹھ کر بغیر کسی شعوری کوشش کے ایک جگہ سے قرآن کھولا۔ یہ سورہ رحمان تھی جو اس کے سامنے تھی۔ یہ سورت شروع ہی ان الفاظ سے ہو رہی تھی۔

''خدائے رحمان نے یہ قرآن سکھایا ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بولنا سکھایا۔''

اس آخری جملے پر وقار رک گیا۔ اس پر اس جملے کا عجیب اثر ہوا۔ وہ چونکہ زبان کی ناواقفیت کے مسئلے کی وجہ سے حال ہی میں اتنی پریشانی سے گزرا تھا اس لیے اسے احساس ہوا کہ کسی زبان کا بولنا آنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ انسان دوسروں کو اپنی بات نہ سمجھا سکے تو زندگی کتنی مشکل ہو جائے گی۔

پھر اس نے پچھلے جملے پر غور کیا۔

''اس نے انسان کو پیدا کیا۔''

وقار شادی کے بارہ برس بعد تک بھی بے اولاد رہا تھا اس لیے اس لمحے اسے احساس ہوا کہ انسان کا پیدا کیا جانا کتنی بڑی نعمت ہے۔ خدا نہ چاہے تو کوئی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑھ کر کون یہ جان سکتا تھا کہ کسی انسان کی پیدائش کتنی بڑی بات ہے۔ کیونکہ اس نے اور سونیا نے اولاد کے لیے سارے جتن کر لیے تھے، مگر وہ اولاد حاصل نہ کر سکے تھے۔

وقار کی عجیب کیفیت ہو چکی تھی۔ اس نے دو باتوں کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ اس نے پہلی بات کو

دوبارہ پڑھا۔

''خدائے رحمان نے یہ قرآن سکھایا ہے۔''

اس نے یہ جملہ ایک دفعہ پڑھا۔ دوسری دفعہ پڑھا۔ تیسری دفعہ پڑھا۔ پھر اس نے سامنے نظر آنے والے خانہ کعبہ کو دیکھا۔ پھر قرآن کی اس آیت کو پڑھا۔ اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

قرآن کی شکل میں خدائے رحمان بول رہا ہے۔

اسے ایک جھٹکا لگا۔ سونیا کی بیماری کے پورے عرصے میں اس نے بڑی لجاجت اور منت کر کے خدا کی بارگاہ میں رجوع کیا تھا۔ مذہب کے نام پر جو کچھ بھی دستیاب تھا اس کو استعمال کرتے ہوئے اس نے خدا کی بارگاہ میں فریاد کی تھی۔ مگر خدا کی طرف سے یک طرفہ طور پر بالکل خاموشی رہی تھی۔ اسے کبھی کوئی جواب نہیں ملا۔ خدا مکمل طور پر خاموش رہا تھا۔ یہاں تک کہ سونیا بے بسی کے عالم میں اسے تنہا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگئی۔ یہیں سے اس کے دل میں شک کا بیج پڑنا شروع ہوگیا کہ کیا کوئی خدا موجود بھی ہے۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا کو پکارا جائے اور اتنی شدت اور تڑپ کے ساتھ پکارا جائے، مگر وہ جواب نہ دے۔ وقار کا فلسفہ بالکل سادہ تھا۔ جب انسان کسی دوسرے انسان کو پکارتا ہے تو وہ لازماً جواب دیتا ہے۔ یا تو مدد کر دیتا ہے یا پھر اپنا عذر ظاہر کر دیتا ہے۔ مگر خدا نے اسے جواب دیا نہ اس کی مدد کی۔ خدا کوئی انسان تو ہے نہیں کہ اسے کوئی عذر لاحق ہوتا۔ وہ تو سب کچھ کر سکتا تھا۔ پھر بھی اس نے وقار کی ایک نہ سنی۔ وقار نے اس کا نتیجہ یہ نکالا تھا کہ نہ کوئی خدا ہے نہ اسے پکارنے کا کوئی فائدہ ہے۔

مگر اس لمحے قرآن مجید کو ہاتھ میں لیے، حرم کعبہ کو سامنے دیکھ کر، قرآن کو زندگی میں پہلی

دفعہ اتنے بھرپور انداز میں سمجھتے ہوئے اسے لگا کہ جس خدا کو وہ پکار پکار کر مایوس ہو چکا تھا اس نے یک بیک بولنا شروع کر دیا ہے۔ اس پر ایک دم سے رعب سا طاری ہو گیا۔ اسے لگا کہ خدا اس سے بات کر رہا ہے۔ اس نے اب ٹھہر ٹھہر کر سورہ رحمٰن کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ اس میں آسمان سے لے کر زمین تک پھیلی ان نعمتوں کا ذکر تھا جن پر وقار نے ساری زندگی غور ہی نہیں کیا تھا۔ پڑھتے پڑھتے وہ اس جگہ پہنچا۔

''اے جن وانس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

اس لمحے اسے ایک عجیب احساس ہوا۔ اس نے خدا کو صرف مشکل میں پکارا تھا۔ مگر اس نے اس سے پہلے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ خدا نے پہلے ہی سے اسے کتنا کچھ دے رکھا ہے۔ حتیٰ کہ جو کچھ اس سے چھنا ہے وہ بھی اصل میں خدا ہی نے دے رکھا تھا۔ گویا مصیبت بھی کسی ایسی نعمت ہی کا نام تھی جو اس سے چھنی ہے۔ جب تک وہ نعمت اس کے پاس تھی اس نے کبھی اس نعمت کا شکرادا نہیں کیا۔ مگر جب چھن گئی تو احساس ہوا کہ وہ کیسی عظیم نعمت تھی جو اسے پہلے ہی سے ملی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ ابھی نجانے اور کتنی نعمتیں ہیں جو اس کے پاس ہیں۔

ایک عربی زبان کے نہ آنے سے اسے کتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ خدا اسے اگر گونگا بنا دیتا تو پھر کیا ہوتا۔ وقار اس احساس سے لرز اٹھا۔ اسے احساس ہوا کہ صرف ایک زبان نہ آنے کی وجہ سے اسے اتنے مسائل کا سامنا ہوا تو آسمان وزمین کی ان تمام نعمتوں کے چھن جانے کی شکل میں سب انسانوں کو کیسے مسائل کا سامنا ہوگا۔ وہ آگے بڑھا اور سورہ رحمٰن میں ان نعمتوں کے بارے میں پڑھتا رہا جو اللہ نے انسانوں کو دی ہیں۔ پھر یک بیک یہ آیت اس کے سامنے آ گئی۔

''جو کوئی اس دھرتی پر ہے اسے فنا ہو جانا ہے۔ یہ تیرے رب کی ہستی ہے جو ہمیشہ قائم ودائم رہے گی۔''

وقار اس جملے سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ وہ آج کے دن تک سونیا کی موت کو قبول نہیں کر سکا تھا۔ مگر آج اسے احساس ہوا کہ خدا اسے بتا رہا ہے کہ سونیا ہی کو نہیں سب کو ایک دن مر جانا ہے۔ یہ صرف خدا ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ باقی کسی کے لیے کتنی بھی دعا کرلی جائے، جب اس کا وقت آجائے گا تو اس کی موت کو کسی صورت ٹالا نہیں جا سکتا۔ یہ بات سمجھتے ہی اسے آج یقین آ گیا کہ سونیا مر چکی ہے اور یہ کہ سونیا کے بارے میں خدا کا فیصلہ آ چکا تھا۔ یہ فیصلہ ہر شخص کے بارے میں جلد یا بدیر آجائے گا۔ اس بات کو سمجھتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

وہ سونیا کی موت سے ایک رات پہلے مصلّے پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ اس کے بعد سے اس کے آنسو خشک تھے۔ آنسوؤں کا وہ بند آج ٹوٹ گیا تھا۔ وہ روتا رہا۔ آنسو بہتے رہے۔ درد کی ایک برفیلی سل تھی جو اس کے اندر جمی ہوئی تھی۔ وہ برف اب پگھل پگھل کر آنکھوں کے چشمے سے پھوٹنے لگی تھی۔ وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے آنسو نہیں رک رہے تھے۔ درد کی سل جو اس کے دل پر ایک بوجھ بنی ہوئی تھی آج پوری طرح پگھل کر باہر نکل رہی تھی۔

نجانے کتنا وقت وہ اسی طرح روتا رہا۔ پھر اس نے آگے پڑھنا چاہا تو اگلی آیت یہ سامنے آئی۔

”آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، اسی سے مانگتے ہیں۔ وہ ہر روز ایک نئی شان سے ظہور کرتا ہے۔“

پچھلی آیت نے اسے بتایا تھا کہ سونیا کے ساتھ اس کی پرانی زندگی ختم ہوگئی تھی، مگر اس آیت کو پڑھ کر اسے یوں لگا کہ قرآن مجید اسے بتا رہا ہو کہ اسے ایک نئی زندگی گزارنے کا موقع دیا جا رہا ہے۔ اس لمحے اسے لگا کہ ساری دنیا مٹ چکی ہے۔ خدا اس کے سامنے ظاہر ہو چکا ہے۔ وہ خدا کو اپنے احساس کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا کہ خدا اس سے کہہ رہا ہے کہ اب مانگ لو جو مانگنا ہے۔

اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

پروردگار! اب میں اپنا کاروبار، دولت اور شان وشوکت نہیں مانگ رہا۔ میں سونیا کی موت کی شکل میں دیکھ چکا ہوں کہ سب کو چھوڑ کر جانا ہے۔ سب کچھ چھوڑ کر جانا ہے۔ میں تجھ سے تیرا وہ فضل مانگتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو۔ آج نہ مت کیجیے گا۔ آج کے دن تو اپنی شان عطا کے ساتھ جلوہ گر ہو جا۔

وہ ابھی یہیں تک پہنچا تھا کہ یک بیک عشا کی اذان شروع ہوگئی۔ خدا کی کبریائی کا بیان شروع ہوگیا۔ اس نے پہلی دفعہ اذان کو غور سے سنا۔ یہ آواز اتنی دلکش تھی کہ اس کے دل میں اترتی چلی گئی۔ وقار کے آنسو تھم چکے تھے۔ دل کے اندر سکون اور طمانیت کی ایک لہر اتر گئی تھی۔ اس کا سینہ جو دو برس سے جل رہا تھا اس میں ٹھنڈک پڑ چکی تھی۔ اذان ختم ہوئی تو وقار مسجد سے باہر جانے کے لیے کھڑا ہوگیا۔ مگر اس دفعہ وہ نماز سے بھاگنے کے لیے باہر نہیں جا رہا تھا۔ وضو کر کے واپس آنے کے لیے باہر جا رہا تھا۔

بابا جان! آپ نے تو میرے دل کو چھو لیا۔

ناعمہ نے بڑی محبت سے وقار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں بیٹا! وہ لمحہ مجھے آج بھی یاد ہے۔ وہ میری زندگی کا سب سے قیمتی لمحہ ہے۔ اس لمحے نے خدا کے اس فضل کا آغاز کیا جس کا تجربہ میں آج تک کر رہا ہوں۔ وہ فضل صرف میری ذات تک محدود نہ رہا۔ خدا کا وہ فضل اسریٰ تک پہنچا۔ وہ فضل میری اگلی نسل میں پہنچا۔ میں عبداللہ جیسے بڑے آدمی کا باپ بنا جس کے ذریعے سے اللہ کا یہ فضل لاکھوں کروڑوں لوگوں تک پہنچا۔

عبداللہ نے جیسے ہی یہ سنا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور وقار کے قدموں میں بیٹھ کر بولا۔

بابا میری کیا حیثیت ہے۔ بڑے تو آپ ہیں۔ میں تو جو کچھ بھی بنا وہ آپ کی وجہ سے بنا۔ مجھ پر اللہ نے اپنا فضل آپ کی وجہ سے کیا۔

بیٹا! بڑا تو صرف اللہ ہے۔ اسی نے ہم سب پر اپنا کرم کیا اور ہمیں دنیا کے عارضی غموں سے بہت معمولی سا آزمایا اور پھر کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں میں ہمیشہ کے لیے آباد کر دیا۔

بے شک بابا۔ اصل بڑائی اور تعریف صرف میرے رب کی ہے جس نے قرآن میں کیے ہوئے اپنے ہر وعدے کو سچا کیا اور ہمیں اس ابدی رحمت سے نوازا جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

مگر آپ اللہ کے ایک اور فضل کا ذکر نہیں کر رہے۔

عبداللہ کی بات ختم ہوئی تو اسریٰ نے وقار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دھیرے سے مسکرا رہی تھی۔ وقار اس کا مطلب سمجھ گیا۔

ہاں بھئی تم وہ سب سے بڑا فضل تھیں جو پچھلی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا تھا۔

پھر وہ ناعمہ اور عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

جانتے ہو جب اسریٰ میری زندگی میں آئی تو میں نے خدا کی کیا عنایت پائی۔

وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ وقار نے اپنی بات کی خود ہی وضاحت کی۔

میرے لیے اللہ تعالیٰ نے سونیا کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ میں نے جسے کھویا تھا، اسے بہت بہتر شکل میں دوبارہ پا لیا۔

اچھا! مگر کیسے بابا؟ میں یہی تو جاننا چاہتی ہوں۔

ناعمہ نے شوق سے پوچھا تو وقار نے کہا۔

میں بتاؤں گا۔ مگر وہ بہت بعد کی بات ہے۔ مگر وہ معاملہ بھی اتنا سادہ نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ ایک روز اسریٰ خاموشی سے میری دلہن بن کر میرے گھر آئی ہو۔ اس میں بڑے بڑے نشیب

وفراز آئے تھے۔ یہ صرف اللہ ہی تھا جس نے ان تمام سرد و گرم میں مجھے سنبھالے رکھا۔ میرے اور اسریٰ کے راستے بہت جدا تھے۔ یہ صرف اللہ تھا جس نے ہمیں ملا دیا۔ مگر ذاتی زندگی میں اس تبدیلی سے قبل بھی میں بہت سے مراحل سے گزرا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ میں نے خدا کو قرآن کی شکل میں زندہ پالیا۔ قرآن مجید کا مل جانا زندگی کا وہ ٹرننگ پوائنٹ تھا جس نے میری دنیا اور آخرت کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ پہلے اس انعام کی کچھ تفصیل میں تمھیں بتاتا ہوں۔

وقار یہ کہتے ہوئے اپنے ماضی کے اوراق پھر الٹنے لگا۔

یہ وقار کے مکہ میں قیام کے ابتدائی دن تھے۔ انھیں یہاں پندرہ دن رکنا تھا۔ ان دنوں میں وقار کا ایک ہی کام تھا۔ قرآن مجید کو ہاتھوں میں لے کر پڑھتے رہنا۔ صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ اس احساس کے ساتھ پڑھنا کہ خدا بول رہا ہے۔ آسمان و زمین کا مالک زمین کے باسیوں سے کلام کر رہا ہے۔ خدائے رحمان، خدائے ذوالجلال اپنے بندوں سے مخاطب ہوا ہے۔ اسے سونیا کی بیماری میں سب سے زیادہ تکلیف اسی بات سے ہوئی تھی کہ وہ خدا سے دعا مانگتا رہا، مگر خدا کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ اس وجہ سے اسے خدا کے وجود پر شک پیدا ہو چکا تھا۔ مگر اب اسے یہ احساس ہو چکا تھا کہ اس دنیا میں کم از کم ایک چیز یعنی قرآن تو ہے جہاں وہ خدا کو بولتے ہوئے سن سکتا ہے۔ وقار کے لیے یہ احساس اتنی بڑی چیز تھی کہ وہ قرآن مجید کے سوا ہر دوسری چیز سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ صرف نماز کے اوقات میں وہ نماز پڑھتا تھا۔ اس کے بعد ہر لمحہ وہ کلام الٰہی کو سامنے رکھ کر اسے سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

حرم میں ہونے کا سب سے بڑا فائدہ اسے یہ ہو رہا تھا کہ اسی جگہ پر قرآن مجید پہلی دفعہ نازل ہوا تھا۔ اس نے مذہب میں تو کبھی دلچسپی نہیں لی تھی، مگر اسکول میں پڑھے گئے اسلامیات

کے اسباق اسے کچھ نہ کچھ یاد تھے۔ اسے معلوم تھا کہ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر چودہ سو برس پہلے نازل ہوا تھا۔ حضور مکہ میں تیرہ برس رہے اور دو تہائی قرآن یہیں پر اترا تھا۔ قریش کے لوگ مشرک تھے۔ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو معبود بنائے ہوئے تھے۔ قرآن نے ایک خدا کی عبادت کی طرف بلایا تو ابتدا میں صرف چند لوگوں نے ایمان قبول کیا کیونکہ مکہ کے سرداروں نے دعوت توحید کی زبردست مخالفت شروع کردی تھی۔ مگر قرآن مجید کی تاثیر ایسی غیر معمولی تھی کہ جو شخص بھی اپنے تعصّبات سے بلند ہو کر سنتا وہ اس کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اس حقیقت کا تجربہ تو خود وقار کو ہو گیا تھا۔ قرآن مجید کی چند آیات ہی نے اس کے دل و دماغ کو فتح کرلیا تھا۔ وقار سوچتا تھا کہ ترجمے کا یہ عالم ہے تو اصل عربی زبان نے ان لوگوں پر کیا اثر کیا ہوگا جو اس کا ذوق رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ مسلمان بڑھتے چلے گئے، مگر اس کے ساتھ کفر کرنے والے سرداروں نے ان پر ظلم وستم شروع کردیا۔ لیکن یہ قرآن مجید کی تاثیر تھی کہ لوگ ہر طرح کا ظلم سہتے، برا بھلا سنتے، مگر حق سے نہیں پھرتے تھے۔

یہی وہ پوری صورتحال ہے جس پر تقریباً دو تہائی قرآن میں تبصرے کیے گئے ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بیان ہوئی ہے۔ اس کے دلائل ہیں۔ مخالفین کو تنبیہ کی گئی ہے۔ پچھلی قوموں کے واقعات سنا کر ان کو خدا کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ ماننے والوں کو خوشخبری دی گئی ہے۔

وقار چونکہ اس پس منظر سے واقف تھا، اس لیے اس نے مکہ میں رہتے ہوئے قرآن کے مطالعے کا ایک بہت ہی مختلف طریقہ اختیار کیا۔ قرآن کی ہر سورت پر یہ لکھا تھا کہ کون سی سورت مکی ہے اور کون سی مدنی۔ چنانچہ جیسے ہی کوئی مدنی سورت آتی وہ اسے چھوڑ دیتا اور صرف مکی سورتیں پڑھتا۔

وقار مکی صورتیں پڑھتا اور تصور کی آنکھ سے یہ دیکھتا تھا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں کھڑے ہو کر قرآن سنا رہے ہیں۔ مسلمان اور کفار دونوں اپنے اپنے پہلوؤں سے قرآن کو سن رہے ہیں۔ وقار نے یہ کام قرآن مجید کو اس کے تاریخی پس منظر میں سمجھنے کے لیے کیا تھا۔ مگر اس کا ایک حیرت انگیز فائدہ اسے ہوا۔ اسے قرآن مجید کی بنیادی دعوت بڑی آسانی سے سمجھ میں آ گئی۔ یہ دعوت ایک خدا کی بندگی کرنے اور آخرت کی ابدی کامیابی حاصل کرنے کی دعوت تھی۔

ظاہر ہے کہ وہ کوئی عالم نہیں تھا۔ کئی مقامات اسے پوری طرح سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ مگر وہ اس سے پریشان نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو بات اصلاً قرآن سمجھانا چاہتا تھا وہ اول تو بہت واضح تھی۔ دوسرے یہ کہ اس واضح بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اتنی دفعہ اور اتنے مختلف طریقوں سے دہرایا ہے کہ کوئی احمق سے احمق شخص بھی ان کی اصل بات سمجھنے میں غلطی نہیں کرسکتا تھا۔ وقار تو پھر بہت ذہین اور پڑھا لکھا آدمی تھا۔

اس اصل بات کو سمجھنے کے لیے کوئی عالم، کوئی مفتی، کوئی فقیہہ ہونا ضروری نہیں تھا۔ یہ اصل بات ایمان و اخلاق کی دعوت تھی۔ اسے یہ بات سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دنیا بالکل بھی اہم نہیں جس کے لیے لوگ جیتے مرتے ہیں۔ ان کا سارا زور آخرت کی کامیابی پر ہے جو ان کے نزدیک اصل زندگی ہے۔ وہ اس دنیا کو بس امتحان گاہ سمجھتے ہیں۔ یہاں کے تمام اچھے برے حالات صرف اور صرف امتحان ہیں۔

وقار نے مکہ میں رہتے ہوئے درجنوں دفعہ مکی قرآن کو پڑھ ڈالا۔ ہر بار اس پر اصل بات واضح ہوتی چلی گئی۔ بار بار پڑھنے کے بعد اس پر نہ صرف اللہ کا اصل پیغام بالکل واضح ہو گیا بلکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت کی جس منزل کی طرف وہ انسانوں کی رہنمائی کر رہے ہیں، اس منزل

تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے۔ یہ راستہ وہ اعلیٰ اخلاقی عمل تھا جس کی تفصیل قرآن نے کئی مقامات پر دہرائی ہے اور جسے سیکڑوں جگہ قرآن نے اجمالاً ایمان و عمل صالح کہا ہے۔

قرآن مجید کے بار بار کے مطالعے سے وقار نے یہ جان لیا تھا کہ ایمان کچھ اعتقادی چیزوں کو بس مان لینے کا نام نہیں بلکہ اللہ کی ہستی انسان کی زندگی کا مرکزی خیال بن جائے، آخرت کی ابدی کامیابی انسان کا مقصود بن جائے اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی سیرت، انسان کی شخصیت بن جائے، یہ ایمان کی اصل تھی۔ عمل صالح وہ عمل تھا جسے عام طور پر اعلیٰ اخلاقی عمل کہا جاتا ہے اور جو عملاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور قرآن مجید کی عملی تعلیم تھی۔ یعنی ایک اللہ کی شکر گزاری کے لیے تنہا اسی کی عبادت، والدین، رشتہ داروں، غریبوں، مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک، صبر، احسان، عدل، ایفائے عہد، امانت و دیانت، سچائی کو اختیار کرنا اور لوگوں پر ظلم و زیادتی، ان کی حق تلفی اور صنفی بے راہ روی وغیرہ سے پرہیز۔

مکہ کے قیام کا پورا ہفتہ ایسے ہی گزر گیا۔ وقار تھا اور قرآن مجید کو پڑھنے اور سمجھنے کا عمل۔ دوسری طرف وقار کی والدہ کا ایک ہی کام تھا جو انھوں نے یہاں آتے ہی شروع کر دیا تھا۔ وہ کام اپنے بیٹے کے لیے یہ دعا تھی کہ خدا اس کا گھر آباد کر دے۔ اس کی تباہ حال زندگی کو ٹھیک کر کے اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے۔ ماں اور بیٹا پورا ہفتہ اپنے اپنے کاموں میں لگے رہے۔

اسریٰ کی زندگی خوب سے خوب تر کی طرف گامزن تھی۔ اس کی تعلیم کا آخری برس تھا۔ اس کی تعلیمی کامیابیاں یہاں بھی غیر معمولی تھیں۔ فیس اور دیگر اخراجات کی طرف سے وہ عظمت صاحب کی وجہ سے بے فکر تھی، اس لیے ساری توجہ تعلیم کی طرف رہی۔ اس کی والدہ ابھی بھی محنت

کر کے ان کے اخراجات پورے کرتی تھیں اور چھوٹی بہنوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھیں۔ ایک بہن نے انٹر کر لیا تھا اور دوسری میٹرک میں تھی۔ اسریٰ کو یقین تھا کہ آنے والے دنوں میں صورتحال بہت بہتر ہو جائے گی۔ دوران تعلیم اس نے ایک دو جگہ انٹرن شپ (internship) کر لی تھی۔ اسے بڑے اداروں میں کام کرنے کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس کے ادارے میں معمول تھا کہ تعلیم کے اختتامی مراحل میں اسٹوڈنٹس کو اچھے اداروں سے جاب آفر آجاتی تھی۔ یہ بات کم و بیش یقینی تھی کہ اسریٰ کو بھی اس کی بہترین پرفارمنس کی بنا پر دوران تعلیم ہی جاب مل جانی تھی۔ جس کے ساتھ ہی اس کے سارے مسائل حل ہو جانے تھے۔

مگر اسی دوران میں اس کی زندگی ایک اور بڑے سنگین مسئلے سے دوچار ہو گئی۔ اس کے والد کچھ بیمار رہنے لگے تھے۔ وہ انھیں ڈاکٹر کے ہاں لے گئی۔ تشخیص سے معلوم ہوا کہ انھیں ہیپاٹائٹس سی ہو چکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مرض نے آگے بڑھ کر ان کے جگر کو خراب کر دیا ہے اور اب اس بیماری کا کوئی علاج نہیں، سوائے تبدیلی جگر کے اس عمل کے جو دنیا میں ابھی نیا نیا متعارف ہوا تھا۔ مگر یہ علاج ملک میں نہیں ہوتا تھا۔ جبکہ باہر جانا اور علاج کے انتہائی مہنگے اخراجات اٹھانا اس کے لیے مر کے بھی ممکن نہ تھا۔

یہ تفصیل جان کر اسریٰ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ تو یہ سمجھ رہی تھی کہ زندگی اس پر آسان ہونے جا رہی ہے۔ مگر اب اس کی زندگی کی سب سے بڑی مشکل اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ جس باپ نے ساری زندگی محنت کر کے اسے پالا پوسا تھا، عین اس وقت جب وہ اپنی محنت کا پھل دیکھنے کے قریب تھا، موت نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اتنا مہنگا علاج وہ کیسے برداشت کرتی؟ اس کے خاندانی پس منظر میں پہلے ہی کوئی ان کی مدد نہیں کر سکا تھا اب کیا امکان تھا۔ اس کی کوئی دوستی کسی سے اس نوعیت کی تھی نہ کوئی اس حد تک جا کر اس کی مدد

کر سکتا تھا۔ اس نے زندگی میں اتنی بے بسی کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے پاس ایک ہی راستہ تھا۔ باپ کو آہستہ آہستہ مرتے ہوئے دیکھتی رہے۔

مدینہ آکر وقار کا معمول وہی رہا جو مکہ میں تھا۔ یعنی نماز کے علاوہ صرف اور صرف قرآن پڑھنا۔ مگر اس دفعہ وہ مدنی قرآن پڑھ رہا تھا۔ یہ کم و بیش ایک تہائی قرآن تھا جو مدینہ میں نازل ہوا۔ یہاں مسلمانوں کی ریاست قائم ہوگئی۔ چنانچہ فرد اور اجتماع کے لحاظ سے قانون یا شریعت دی گئی ہے۔ کفار کے ظلم کے جواب میں ان سے جنگ کرنے اور مشرکوں کو مکہ سے نکالنے کا حکم ہے۔ اس کی تفصیل ہے۔ اہل کتاب چونکہ مدینہ میں موجود تھے، ان کا ذکر ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے اقتدار کے بعد کچھ منافقین پیدا ہوگئے جو اپنے مفاد کے لیے بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے، لیکن دل سے منکر تھے۔ چنانچہ قرآن نے ان پر گفتگو کی ہے۔

لیکن اس کے باجود وقار نے درجنوں دفعہ مدنی قرآن پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ قرآن مجید کی اصل دعوت اور اصل مطالبات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ وہی ایمان کی دعوت، وہی اخلاق عالیہ کی دعوت۔ وہی غیر اللہ سے دل کو ہٹا کر خدا کی یاد کو زندگی بنانا۔ وہی دنیا کو امتحان گاہ سمجھ کر اس میں فلاح آخرت کی فصل بونا، وہی خدا کی بندگی، خدا کی راہ میں خرچ، کمزور طبقات پر رحم، حسن سلوک، وہی عدل، وہی احسان، وہی صدق و وفا۔ قرآن کی اصل دعوت بالکل وہی تھی۔ دنیا میں رہ کر دنیا کی نجاستوں سے بچنا اور آخرت کی فلاح کو اپنا مقصود بنانا۔ البتہ مدنی قرآن میں شریعت کے قوانین بھی دے دیے گئے کہ لوگ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بھی خدائی احکام کی پیروی کریں۔ ان کی پابندی کرنا بھی ایمان کا تقاضا تھا۔ لیکن خود شریعت کا مقصد یہی تھا کہ ایمان و اخلاق کے بعض مطالبات کو قانونی شکل دے دی جائے۔ جیسے ذکر کثیر کے لیے

پنج وقتہ نماز، ظلم کے خاتمے کے لیے جہاد اور بدکاری سے بچانے کے لیے مرد و زن کے اختلاط کے موقع پر اختیار کیے جانے والے کچھ احکام دیے گئے تھے۔

مدینہ میں اپنے قیام کے آخری روز مسجد نبوی سے ہوٹل جاتے ہوئے وقار کی والدہ نے اس سے کہا۔

بیٹا وقار! میں نے تمھاری خوشیوں کے لیے بہت دعا کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کریم میری دعائیں ضرور سنے گا۔

امی میں یہاں آ کر بہت خوش ہوں۔ میرے دل پر غم کا جو بوجھ تھا وہ دور ہو چکا ہے۔

وقار نے مسکراتے ہوئے ان کو جواب دیا تو وہ خوش ہو کر بولیں۔

تو بس پھر اب تم اپنا گھر بسا لو۔

امی ایسا نہیں ہوسکتا۔سونیا کی جگہ کبھی کوئی نہیں لے سکتا۔آپ پلیز اس معاملے میں مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔بس یہ اطمینان رکھیں کہ یہاں آنے سے پہلے میرے دل پر غم و الم کے جو بادل تھے، وہ اب دور ہو چکے ہیں۔

بیٹا ایسے کیسے زندگی گزرے گی؟

امی ابو کے بعد آپ نے بھی تو زندگی گزاری ہے نا۔

وہ ٹھیک ہے بیٹا، مگر میرے پاس تم تھے۔اولاد کا سہارا بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔

امی! میرے پاس اب خدا کا سہارا ہے۔خدا کا سہارا سب سے بڑی چیز ہوتی ہے۔ پھر اب مجھے جنت کی منزل مل گئی ہے۔ مجھے اس منزل کو پانے کی جدو جہد کرنا ہے۔ جہاں تک اولاد کا تعلق ہے تو اولاد کی خواہش کا گلا میں سونیا کی زندگی ہی میں گھونٹ چکا تھا۔

تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔ میں نے تو بس اب اپنے اللہ سے لو لگالی ہے۔ وہی تمھارا دل بدل دے گا۔

اس کی والدہ نے قدرے جھلا کر کہا۔ اس پر اس نے نرمی سے انھیں سمجھایا۔

آپ اطمینان رکھیں امی! اس نے میرا دل بدل دیا ہے۔ اب میں بہت سکون سے ہوں۔

اللہ تمھیں سکون سے رکھے بیٹا۔ میری تو بس یہی دعا ہے۔

بس آپ میرے لیے دعا کرتی رہیں۔ یہی کافی ہے۔

مدینہ سے یہ دونوں ماں بیٹا مکہ لوٹ آئے۔ یہاں ایک روز قیام کے بعد انھیں وطن واپس لوٹنا تھا۔ اپنے قیام کی آخری رات اس نے حرم میں گزاری۔ اس روز وہ قرآن نہیں پڑھ رہا تھا۔ مسلسل طواف کرتا رہا تھا۔ اس کے لبوں پر شکر گزاری کے کلمات تھے۔ دل خدا کے احسانات سے لبریز تھا۔ اس نے قرآن مجید کے ذریعے سے خدا کو زندہ حیثیت میں دریافت کرلیا تھا۔ اس نے جنت کی منزل کو پالیا تھا۔ اسے اس منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی معلوم ہو چکا تھا۔ گرچہ سونیا کی یاد ایک کانٹے کی طرح اس کے دل میں کھٹکتی تھی، مگر قرآن مجید سے اس نے یہ سیکھا تھا کہ صبر کا اجر بے حساب ہے۔ یہ احساس ایک مرہم بن کر اس کے لیے زندگی گزارنے کا سامان بن گیا تھا۔

فجر سے قبل جب وہ تھک گیا تو حرم کے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے لبوں پر دعا آ گئی۔

پروردگار تیرا شکر ہے کہ تو نے موت سے قبل مجھے قرآن مجید تک پہنچا دیا۔ تیرا منصوبہ، تیری مرضی جو تو نے بالکل واضح انداز میں اپنی کتاب میں بیان کی ہے، میں سمجھ چکا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے رسول نے سچ مجھ تک پہنچا دیا ہے۔ پروردگار! میں نے اپنا ماضی بڑی غفلت
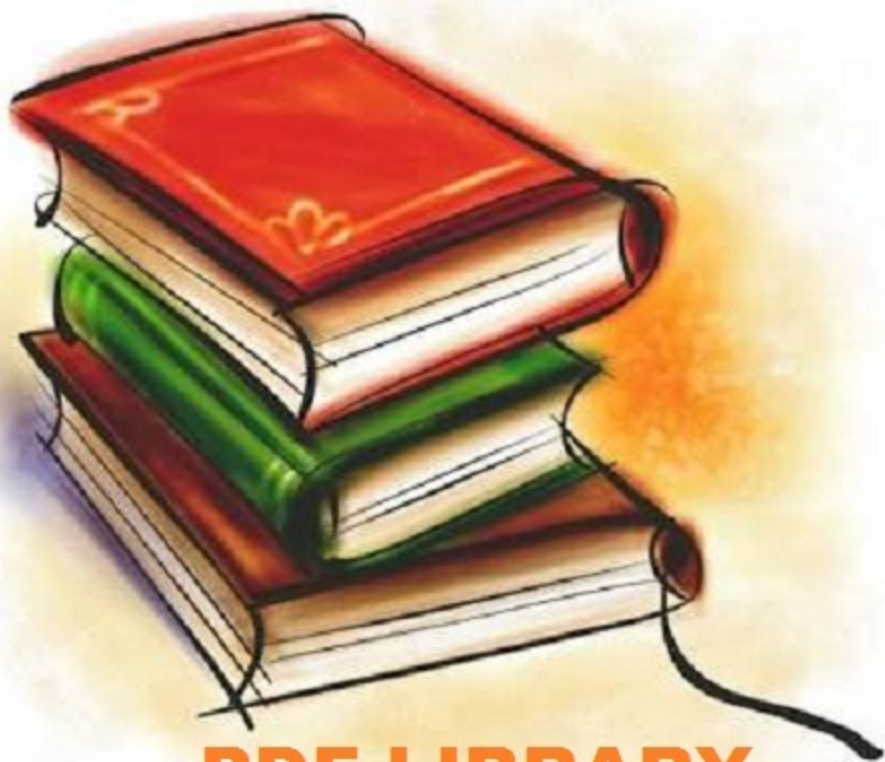
میں گزار دیا۔ میں اگر ایسے ہی مرجاتا تو میں کبھی تیری جنت کو نہیں حاصل کر پاتا۔ مگر اب مجھے بدلنا ہے۔ جو تیرے مطالبات ہیں، جو قرآن کا مطلوب انسان ہے، وہ مجھے بننا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر نجات کا تصور خود کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ قیامت کے دن تو صاف صاف کہہ دے گا کہ تو نے لوگوں کو ہر بات بالکل واضح طور پر اپنی کتاب میں لکھ کر بتائی تھی۔ اس کے بعد بھی لوگ درست راہ نہ پائیں تو غلطی صرف انھی کی ہے۔ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہدایت کو نہیں جان سکا۔

پروردگار مجھے اپنی اصلاح اور اپنی تربیت کا عمل شروع کرنا ہے تو میری مدد فرما اور اس راہ کو مجھ پر آسان کر دے۔ میں اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کرتا ہوں۔ تو مجھے ایک نئی زندگی گزارنے کا موقع دے تاکہ میں روز قیامت تیرا قرب حاصل کرسکوں۔ میں قرآن کی دعوت کو اپنی شخصیت بنانا چاہتا ہوں تو اس راہ کے ہر قدم پر میری مدد فرما۔

وقار عمرے سے واپس آیا تو عظمت صاحب اس سے ملنے اور مبارکباد دینے کے لیے آئے۔ ابتدائی گفتگو کے بعد انھوں نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ آپ کی ایک امانت تھی جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں۔

یہ کیا ہے؟ اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

یہ اسی اسٹوڈنٹ اسریٰ کی طرف سے میڈم سونیا کے نام ایک خط ہے، جس کی تعلیم کے اخراجات آپ چار برسوں سے اٹھا رہے ہیں۔ میرے آفس میں آ کر اس نے مجھے تاکید سے یہ خط میڈم سونیا تک پہنچانے کے لیے کہا تھا۔

آپ اسے بتا دیتے کہ سونیا کا انتقال ہو چکا ہے۔

اس برس اس کی تعلیم بھی پوری ہو رہی ہے۔شاید اس نے میڈم کے نام شکریے کا خط لکھا ہے۔میں نے سوچا کہ اب اس کا تعلق ویسے ہی ہم سے ختم ہو رہا ہے تو اسے کیا بتاؤں کہ میڈم اس دنیا میں نہیں رہیں۔ویسے وہ ابھی تک یہی سمجھتی ہے کہ میڈم زندہ ہیں اور اس کی تعلیم کے اخراجات وہی اٹھا رہی ہیں۔شاید اس لیے کہ اس کا پورا انٹرویو میڈم نے لیا تھا اور آپ خاموش بیٹھے رہے تھے۔

وقار نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے وہ لفافہ کھول کر اس خط کو پڑھنا شروع کر دیا جو شستہ انگریزی میں لکھا گیا تھا۔

میڈم سونیا!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔میرا نام اسریٰ ہے۔پچھلے چار برسوں سے آپ ہی میری تعلیم کے اخراجات اٹھا رہی ہیں۔میں اس پر آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔میں اس برس ایم بی اے کر کے تعلیم سے فارغ ہو جاؤں گی۔میرا خیال تھا کہ اس کے بعد میری اور میرے خاندان کی مشکلات ختم ہو جائیں گی کیونکہ مجھے بہت اچھی جاب مل جائے گی۔مگر ایسا ہونے سے پہلے ہی میرا خاندان ایک نئی مصیبت میں آ گیا ہے۔میرے والد صاحب کو ہیپا ٹائٹس سی کا مرض ہو گیا ہے۔تشخیص سے معلوم ہوا ہے کہ اس مرض نے ان کا جگر خراب کر دیا ہے۔ان کی زندگی بچانے کی ایک ہی شکل ہے کہ ان کا جگر تبدیل کیا جائے۔لیور ٹرانسپلانٹیشن کا یہ علاج اتنا مہنگا ہے کہ میں خود کو بیچ کر بھی اس کے پیسے نہیں جمع کر سکتی۔

میرے پاس اب ایک ہی راستہ ہے۔ایک یہ کہ میں اپنے باپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے دیکھوں۔لیکن نجانے کیوں میں نے آپ کو یہ خط لکھ دیا ہے۔میرا نہیں خیال کہ کوئی میری مدد کرے گا۔لیکن اگر آپ میری مدد کر دیں تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ ملازمت کے بعد آہستہ

آہستہ آپ کے پیسے اتارتی رہوں گی۔ آپ مجھ پر اعتماد کریں۔ میں بالکل جھوٹ نہیں بول رہی۔

اسریٰ احمد

خط کے آخر میں جلی حروف سے مزید لکھا ہوا تھا۔

ایک بے بس اور مجبور لڑکی جس پر آپ نے پہلے بھی رحم کیا تھا اور جواب بھی آپ کے رحم کی منتظر ہے۔

وقار نے اس خط کو دوبارہ پڑھا۔ اس خط کی ایک ایک سطر سے بے بسی جھلک رہی تھی۔ وقار نے خاموشی سے یہ خط عظمت صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

انھوں نے وہ خط لیا اور اسے پڑھنا شروع کیا۔ خط پڑھ کر انھوں نے وقار کی شکل دیکھی۔

اس لڑکی کو بتا دیں کہ میڈم سونیا کا انتقال ہو چکا ہے۔

ٹھیک ہے سر! میں اسے بتا دوں گا۔ ملک میں اس وقت اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔ باہر جائیں تو یہ علاج لاکھوں میں ہوگا۔ ایسے میں کوئی اس کی کیسے مدد کر سکتا ہے؟ آپ بے فکر رہیں سر۔ یہ لڑکی آپ کو دوبارہ تنگ نہیں کرے گی۔ آپ پہلے ہی اس کے لیے بہت کچھ کر چکے ہیں۔ اتنا تو کوئی کسی کے لیے نہیں کرتا۔

میں نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا۔ نہ آئندہ اس کے لیے کچھ کروں گا۔

وقار نے دھیمے لہجے میں کہا۔ پھر ایک لمحے رک کر دوبارہ گویا ہوا۔

آپ کو زحمت تو ہوگی، مگر آپ اس کے گھر چلے جائیں۔ جا کر خود ساری صورتحال کا جائزہ لیں۔ علاج کی رقم معلوم کریں۔ میں علاج کے اخراجات آپ کو فراہم کر دوں گا۔

ایک لمحے کے لیے عظمت صاحب کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

مگر سر! اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے؟

سونیا نے اپنی زندگی میں بہت سارا زیور بنوایا تھا۔ مگر کبھی اس کی زکوۃ ہی نہیں دی۔ یہ زیور اس پر بھی بوجھ ہے اور اب تو مجھ پر بھی ہے۔ شاید خدا مجھ سے یہ بوجھ اتر وانا چاہتا ہے۔

مگر سر آپ کے اپنے حالات......

میرے حالات کو چھوڑ دیجیے۔ صرف یہ مہربانی کیجیے کہ اس کام کی عملی نگرانی کر لیجیے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بہت پسند ہے کہ اس کے بندوں کی مدد کی جائے۔ آپ یہ کریں گے تو آپ کو اس کا بہت اجر ملے گا۔

سر! میرا کیا اجر ہے، سب کچھ تو آپ کر رہے ہیں۔ مجھے تو صرف پیسے اِدھر سے اُدھر کرنے ہوں گے۔ مگر سر میں پھر کہوں گا کہ ایسا نہ کیجیے۔

یہ خط مجھے کچھ دنوں پہلے ملتا تو شاید میں یہ کرنے کی ہمت نہیں پاتا۔ مگر اب میں جان چکا ہوں کہ جو میں خرچ کروں گا وہی میرے لیے بچے گا۔ پہلے میں انسانیت کے جذبے سے غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ اب میں اپنے رب کی خوشنودی چاہتا ہوں۔ اس کی خوشنودی اگر دھات کے کچھ ٹکڑوں سے نجات پانے میں ممکن ہے تو اس سے اچھا سودا کیا ہوگا۔ ویسے بھی میرے لیے ان زیورات کا کیا استعمال ہے؟ میں نے کون سا اب شادی کر کے کسی عورت کو گھر میں لانا ہے کہ زیور وہ پہنے۔ یہ زیور اب صرف ایک بوجھ ہے۔ اس بوجھ سے اگر آخرت خریدی جا سکتی ہے تو میں کیوں نہ خریدوں؟

جیسے آپ کی مرضی سر۔ میں آج ہی اسریٰ سے رابطہ کرتا ہوں۔

عظمت صاحب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

شکریہ، مگر اسے میرے متعلق کچھ نہ بتایئے گا۔ مجھے کسی شکریے، کسی احسان مندی کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس کہہ دیجیے گا کہ اللہ کے کسی بندے نے اس کی مدد کر دی ہے۔ اور ہاں اس سے

کہہ دیجیے گا کہ اسے قرض نہ سمجھے۔ بس اللہ کی مدد سمجھے۔ اسے کوئی پیسہ واپس نہیں کرنا ہوگا۔

عظمت صاحب کی بات سن کر اسریٰ کو یقین ہی نہیں آیا کہ ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔ انھوں نے فون کر کے اسے اپنے آفس بلایا تھا اور یہ اطلاع دی تھی کہ اس کے والد کے علاج کے لیے پیسوں کا بندوبست ہوگیا ہے۔ اس نے تو بس ایک روز انتہائی مایوسی کے عالم میں ایک خط لکھ کر عظمت صاحب کے حوالے کر دیا تھا۔ اسے ایک فی صد بھی امید نہ تھی کہ اس خط کا کوئی جواب آئے گا۔ مگر اب جب عظمت صاحب نے بتایا کہ اس کے والد کے علاج کے پیسوں کا بندوبست ہوگیا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ بہت دیر تک کچھ بول نہ سکی۔

سر میں کس طرح آپ کا اور میڈم سونیا کا شکریہ ادا کروں۔ سر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں جاب ملنے کے بعد ہر ماہ آپ کو اپنی سیلری میں سے ایک مقرر رقم ادا کرتی رہوں گی۔ جب تک یہ رقم پوری نہیں ہوجاتی۔

اُس کی اِس بات پر عظمت صاحب کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔

میڈم سونیا کا انتقال ہوچکا ہے۔ ان کا کاروبار بھی ختم ہوچکا ہے۔ اسی لیے اب میں اس دوسرے آفس میں جاب کر رہا ہوں۔

عظمت صاحب کی بات سن کر اسریٰ بے اختیار اپنا منہ پکڑ کر رہ گئی۔

کب، کیسے؟

ان کے انتقال کو دو برس ہونے کو آئے ہیں۔

مگر پھر میرے تعلیمی اخراجات کون دے رہا ہے؟

اللہ کی زمین اس کے نیک بندوں سے ابھی خالی نہیں ہوئی ہے۔

اور کون میرے والد کی بیماری کے اخراجات اٹھا رہا ہے؟

میں نے کہا نا کہ اللہ کی زمین اس کے نیک بندوں سے ابھی خالی نہیں ہوئی ہے۔آپ یہ سب باتیں چھوڑیں اور علاج کی تیاری کریں ۔ اور ہاں یہ رقم قرض نہیں ہے۔آپ کو اسے لوٹانے کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ۔

اسریٰ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا بولے۔وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

عظمت صاحب وقار کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اسریٰ کے معاملے کی تفصیل اسے بتا رہے تھے۔

سر! اسریٰ کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔اس کے والد کا علاج شروع ہو گیا ہے۔آپ نے بہت بڑا ایثار کیا ہے۔

میں نے کچھ نہیں کیا۔اس دنیا میں کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہیں جو لوگوں کو استعمال کر کے معاملات کراتے ہیں۔

یہ تو آپ کی بڑائی ہے......

بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے۔عظمت صاحب! بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے۔

وقار نے عظمت صاحب کی بات کاٹتے ہوئے فوراً کہا، پھر انھیں غور سے دیکھتے ہوئے بولا:

عظمت صاحب! ہم سب بہت بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں۔سونیا کی موت نے مجھے یہ سمجھا دیا ہے کہ ہم سب بہت بڑے فریب میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم اس دنیا کو سب کچھ سمجھ کر جیتے ہیں۔ہم اس کو اپنی منزل بنائے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک روز بالکل اچانک موت ہمیں اس دھوکے سے نکال کر حقیقی دنیا میں لے جاتی ہے۔خدا اور آخرت کی دنیا میں لے جاتی ہے۔

اس وقت ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی دنیا ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں تھی۔

مگر سر یہ دنیا تو ایک حقیقت ہے۔

ہے نہیں، مگر لگتی ہے۔ یہی ہمارا اصل کام ہے۔ نظر نہ آنے والے غیبی حقائق کو دریافت کرنا قبل اس کے کہ وہ سر کی آنکھوں سے نظر آنے لگیں۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ مگر کوئی قرآن کی اس پکار کو سننے کے لیے اسے اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

تو پھر یہ دنیا......

یہ امتحان گاہ ہے۔ اس میں ہمارے عقلی وجود کا، ہمارے اخلاقی وجود کا امتحان ہو رہا ہے۔ عقلی وجود کا امتحان ایمان ہے کہ کون غیب میں رہتے ہوئے خدائے رحمٰن اور اس کی ابدی جنت پر ایمان لاتا ہے اور اخلاقی وجود کا امتحان یہ ہے کہ کون مادی تقاضوں کے سامنے آنے پر بھی اخلاقی تقاضوں کو مقدم رکھتا ہے۔ اس کو عمل صالح کہتے ہیں۔

سر آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے؟

عظمت صاحب کے لیے وقار کی باتیں بالکل نئی تھیں۔ وہ پہلے بھی ایک اچھا انسان تھا۔ مگر اب اس میں جو گہرائی انھیں نظر آ رہی تھی وہ ان کے لیے بالکل نئی تھی۔ ان کے سوال پر وقار نے جواب دیا۔

عمرے کا سفر میرے لیے ایک بہت بڑی نعمت ثابت ہوا۔ دنیا کے بارے میں میرا زاویہ نظر مکمل طور پر بدل چکا ہے۔ میں نے خدا کو بولتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ میں نے قرآن مجید کو دریافت کر لیا ہے۔ یہ دریافت کر لیا ہے کہ قرآن مجید اصلاً آخرت کی طرف بلاتا ہے۔

مگر سر ہم دنیا کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟

عظمت صاحب نے ایک اور سوال کیا۔

دنیا کو چھوڑنا نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آخرت کی فلاح کے لیے جو شرائط قرآن نے پیش کی ہیں اس کے لازمی نتیجے کے طور پر ایسے انسان وجود میں آتے ہیں جو دنیا کو بھی جنت بنا دیتے ہیں۔ صحابہ کرام اور خلافت راشدہ کی ساری عظمت اسی حقیقت میں پوشیدہ تھی کہ وہ قرآن مجید کی چلتی پھرتی اور زندہ عملی تصویریں تھے۔ یہی دنیوی جنت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے بے مثال کردار نے قائم کی تھی۔ میں نے خود کو اس رخ پر ڈھالنے کے لیے تیار کر لیا ہے۔ اور اب اس مقصد سے قرآن مجید کا دوبارہ مطالعہ شروع کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کس قسم کے کردار کی توقع رکھتے ہیں۔

تو پھر آپ شادی کر کے دوبارہ کاروبار کیوں نہیں شروع کر دیتے؟

دیکھیے، میں شادی نہ کر کے دنیا نہیں چھوڑ رہا۔ شادی کرنا نہ کرنا میرا ذاتی فیصلہ ہے۔ اِس فیصلے کی وجہ یہ ہے کہ اول تو مجھے اب شادی میں کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔ میں کوئی بیس پچیس سال کا نوجوان بھی نہیں ہوں، عورت جس کی لازمی ضرورت ہوتی ہے۔ رہا کاروبار تو اس کے لیے سرمایہ اب میرے پاس بچا نہیں ہے۔ ملازمت کرنے کا میرا مزاج نہیں ہے۔ میں کسی کا ملازم نہیں بن سکتا۔ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مجھے حکم دے۔ پھر میرے پاس اتنے وسائل ابھی باقی ہیں کہ سادہ سطح پر اچھی زندگی گزار سکتا ہوں۔ اس لیے میں دنیا نہیں چھوڑ رہا ہوں۔ جس دنیا کی مجھے ضرورت نہیں، میں صرف اس کو چھوڑ رہا ہوں اور وہ بھی ایک بڑے مقصد کے لیے۔

وہ مقصد کیا ہے سر؟

عظمت صاحب کی سمجھ میں یہ تو آ گیا تھا کہ وہ شادی اور ملازمت وغیرہ کیوں نہیں کرنا چاہتا۔ مگر ان کی دلچسپی اس بات کو جاننے میں تھی کہ وقار کے سامنے کیا مقصد ہے۔

دراصل فکری طور پر ایک اہم مسئلہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔ میں نے قرآن مجید میں

ایک بہت بڑی سچائی کو دریافت کیا ہے۔ مگر میں نے قرآن مجید کو کسی غار سے دریافت نہیں کیا ہے۔ یہ مسلمانوں کے ہر گھر میں موجود ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جو بات میں سمجھا ہوں وہ اور لوگ کیوں نہیں سمجھتے۔ قرآن مجید کی جس دعوتِ ایمان و اخلاق نے مجھے ہلا کر رکھ دیا، وہ باقی لوگوں کو کیوں نہیں بدل رہی۔ قرآن مجید کے بیان کردہ جن حقائق نے دنیا اور مخلوق کو میری نگاہ میں غیر اہم کر کے خدا اور آخرت کو اہم تر بنا دیا ہے، وہ دوسروں کو نظر کیوں نہیں آتے۔

سر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ذرا وضاحت کر دیجیے۔

دیکھیے مذہب کا ایک تصور وہ ہے جو قرآن مجید دے رہا ہے۔ جسے سمجھنے کے لیے کسی عالم، مفسر، فقیہہ اور مجتہد کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کا سادہ ترین ترجمہ بھی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے کیا چاہتے ہیں اور قرآن کا مطلوب انسان کیا ہے۔ مگر دوسری طرف عملی طور پر جو مذہبی روایات اور مذہبی تصورات موجود ہیں وہاں پر ان چیزوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس کے بجائے لوگ دیگر چیزوں میں الجھے رہتے ہیں۔

عظمت صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ وقار بولتا رہا۔

میں سونیا کی بیماری کے چند مہینوں میں اس پوری مذہبی فکر سے عملاً متعلق رہا ہوں، مگر وہاں قرآن مجید کی اصل تعلیم کو میں نے بالکل غائب پایا تھا۔ ان لوگوں کے کردار میں بھی قرآن مجید کی تعلیم کے اثرات کم ہی نظر آئے۔ ایسا کیوں ہوا ہے، میں نے اس مسئلے کو سمجھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ ایک طویل فکری جدوجہد ہے جو اب مجھے کرنی ہے۔ اور یہ فکری جدوجہد اس عملی جدوجہد کے علاوہ ہے جو قرآن کا مطلوب انسان بننے کے لیے مجھے ساری زندگی کرنی ہوگی۔

لیکن سر آپ کی والدہ......؟

میں اپنی والدہ کو بتا چکا ہوں کہ سونیا کے بعد میں کبھی دوبارہ شادی نہیں کروں گا۔ انھوں نے

اسی کو بہت سمجھا کہ ان کا بیٹا بیوی کے غم میں پاگل ہونے کے بجائے ایک نارمل اور مثبت انسان بن چکا ہے۔ بلکہ جتنی خدمت، توجہ، وقت اور محبت اب میں والدہ کو دیتا ہوں، وہ پہلے کبھی نہیں دی۔ اس لیے اب انھوں نے بھی حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔

ٹھیک ہے سر جیسے آپ کی مرضی۔ لیکن میں آپ کے پاس آتا رہوں گا۔ میں نے اب آپ کو ایک بالکل مختلف انسان پایا ہے۔ آپ پہلے بھی بہت اچھے تھے۔ مگر اب آپ کے اندر عجیب کشش پیدا ہوچکی ہے۔ دل آپ کی طرف کھنچا جاتا ہے۔

آتے رہیے گا۔ مجھے بھی خوشی ہوگی۔

اسریٰ کے والد کا علاج ہوگیا اور وہ تندرست ہوکر گھر آ گئے۔ تعلیم ختم ہونے سے کچھ ہی عرصہ قبل اسریٰ کو ایک بڑے ادارے میں مینیجر کی سطح کی جاب مل گئی۔ اس کی تنخواہ اتنی تھی کہ اس نے اپنی ماں کو کام سے روک دیا۔ اب گھر کے سارے اخراجات وہی اٹھانے لگی تھی۔ یہ تنخواہ اسریٰ کے گھرانے کے لیے کافی تھی، مگر اسریٰ کے عزائم بہت بلند تھے۔ وہ اپنے کیریئر کی بلندی پر جانا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ جز وقتی طور پر مختلف کورسز کر کے اپنی قابلیت بڑھاتی رہی۔ جس کے بعد مختلف اداروں میں اعلیٰ پوزیشنز کے دروازے اس پر کھل گئے۔ اس نے بہت مختصر عرصے میں غیر معمولی ترقی کرلی۔

اس ترقی میں اس کی تعلیمی قابلیت کے علاوہ اس کی صلاحیت اور اس نئی شخصیت کا بھی عمل دخل تھا جو رفتہ رفتہ پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔ پرانی، سادہ اطوار اور کمزور نظر آنے والی اسریٰ تو نجانے کہاں رہ گئی تھی۔ نئی اسریٰ ایک انتہائی مختلف شخصیت تھی۔ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سونیا ہی آئیڈیل تھی۔ اس نے ظاہری انداز کم و بیش ویسا ہی اختیار کیا تھا۔ اس کا لباس ملٹی نیشنل کمپنیوں

کے ماحول کے مطابق ہوا کرتا تھا، ساتھ میں اس نے بال کٹوا لیے اور انھیں ڈائی کروا کے جدید تراش خراش کا وہی حلیہ اختیار کرلیا جو کبھی اس نے سونیا میں دیکھا تھا۔

وہ دیکھنے میں جتنی پرکشش ہو چکی تھی، اس نے اپنی شخصیت کے گرد اتنے ہی حصار بنا لیے تھے۔لوگ اس میں کشش محسوس کرتے تھے، مگر ساتھ کام کرنے والے کسی مرد کی ہمت نہیں تھی کہ اس کے قریب آنے کی کوشش کرے۔ وہ ایک سخت گیر ایڈمنسٹریٹر، تخلیقی صلاحیت رکھنے والی ایک منصوبہ ساز اور لوگوں کو اپنی بات پر قائل کر لینے والی مقرر بن چکی تھی۔

اس میں وہ ساری قابلیت اور صلاحیت تھی جن کی بنیاد پر لوگ کیریئر میں ترقی کرتے ہیں، اس لیے تعلیم کے بعد صرف پانچ سال کے مختصر عرصہ میں وہ ایک بہت بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کی اپنے شعبے میں کنٹری ہیڈ بن چکی تھی۔ اس کی تنخواہ بہت زیادہ ہو چکی تھی۔ یوں ایک شاندار کیریئر حاصل کرنے کا اس کا خواب پورا ہو چکا تھا۔

اس نے اپنے ہی نہیں، اپنے گھر والوں کے خواب بھی پورے کر دیے تھے۔ دونوں چھوٹی بہنوں کی تعلیم پوری ہو چکی تھی۔ وہ بڑی والی کی شادی کر چکی تھی جبکہ چھوٹی کی بات طے ہو چکی تھی۔ تاہم اس کے والد یہ خوشیاں نہیں دیکھ سکے تھے۔ لیور ٹرانسپلانٹ کے دو برس بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ البتہ والدہ ابھی تک حیات تھی، مگر ان کی صحت بھی تیزی سے خراب ہونے لگی تھی۔ ان کی ایک ہی خواہش تھی کہ اسریٰ کی شادی ہو جائے۔ مگر اسریٰ کا اصرار تھا کہ پہلے چھوٹی بہن کی شادی کی جائے۔ اس کے بعد اس کی پسند کا کوئی ملا تو وہ شادی کرنے کا سوچے گی۔ اس کی پسند بھی اپنے جیسی ہی تھی۔ کوئی ایسا شخص جو اپنے کیریئر کے عروج پر ہو اور جس کے ساتھ مل کر وہ دنیا کو فتح کر لے۔

تاہم والدہ کی خرابی صحت کو دیکھتے ہوئے اس نے چھوٹی بہن کی شادی فوراً کر دی تھی۔ بہن

کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ سب کچھ پچھلے دو ماہ ہی میں ہوا تھا۔ اسریٰ اب دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔ اس نے تنہائی دور کرنے اور گھر کے کام کاج کے لیے دو تین ماسیاں رکھی تھیں جو دن رات اس کے ساتھ رہتی تھیں۔ وہ اپنی زندگی میں مگن تھی۔ اس کے پاس بڑا سا گھر تھا۔ اپنی گاڑی مع ڈرائیور اور زندگی کی وہ تمام سہولیات جو کبھی اس کا خواب تھیں، اس کے پاس تھیں۔ اس نے اپنے سارے خواب بہت چھوٹی عمر میں پا لیے تھے۔

یہی وہ پانچ برس تھے جن میں وقار مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ اس کے بالوں میں اب سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ اس نے ڈاڑھی رکھ لی تھی، مگر اتنی بڑی نہ تھی کہ کسی کو اس کے مذہبی ہونے کا تاثر مل سکے۔ مگر حقیقت میں اس کی شخصیت ٹھیک وہی بن چکی تھی جو قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں درحقیقت اس میں تبدیلی آئی تھی۔

عدل، احسان، سچائی، دیانت، ایفائے عہد، توکل، صبر، حسن خلق، قول سدید، خدمت خلق اور خدا کی عبادت میں ذوق وشوق کی وہ ایسی زندہ مثال تھا کہ ایسی مثال ڈھونڈنا آسان نہیں تھا۔ قرآن مجید کا کوئی مطالبہ ایسا نہیں تھا، جس کا جواب اس کی شخصیت میں موجود نہ تھا۔

اس کی آمدنی کے ذرائع بہت محدود تھے، مگر اس کی ضروریات بھی اتنی ہی محدود تھیں۔ ملازمت نہ کرنے کی بنا پر اس کے پاس کافی وقت ہوتا تھا۔ اس وقت کا بڑا حصہ وہ ماں کی خدمت اور خدا کی عبادت میں گزارتا۔ اس کے علاوہ اس کی ساری دلچسپی مطالعے میں تھی۔ اسے عالم نہیں بننا تھا، مگر اتنا علم حاصل کرنا تھا کہ دین کا فکری پس منظر اس پر پوری طرح واضح ہو جائے۔ اس کی خوش قسمتی یہ تھی کہ اس کی اپنی زبان اردو میں غیر معمولی مذہبی علمی ذخیرہ موجود تھا۔ چنانچہ صبح وشام کتابیں پڑھنا اور اپنے علم کی تطہیر کر کے اسے بہتر سے بہتر بناتے چلے جانا، اس کا کام بن چکا

تھا۔ اس کے علاوہ جب ضرورت محسوس ہوئی، اس نے بلا تعصب ہر مکتب فکر اور ہر پس منظر کے اہل علم سے استفادہ کیا۔

اس کی زندگی اس ڈھب پر گزر رہی تھی اور گزرتی چلی جاتی مگر ایک روز ایک اور طوفان نے اس کے دروازے پر دستک دے دی۔

وقار بیٹا میں کچھ دنوں سے خود کو بہتر محسوس نہیں کر رہی۔

وقار جو اپنی ماں کی ٹانگیں دبا رہا تھا یہ سن کر کچھ پریشان ہو گیا۔

کیا ہوا امی؟ خیریت تو ہے۔

بیٹا بس ہر وقت متلی رہتی ہے۔ الٹیاں بھی ہو رہی ہیں۔ پیٹ بھی ٹھیک نہیں رہتا۔

امی میں آپ کو کل صبح ہی ڈاکٹر کے ہاں لے چلتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔

اگلی صبح وقار اپنی والدہ کو لے کر ڈاکٹر کے ہاں گیا۔ اس نے کچھ میڈیسن دے دیں۔ علامات سن کر احتیاطاً کچھ ٹیسٹ بھی کرا لیے۔ دو چار دنوں میں جب ٹیسٹ کا رزلٹ آیا تو وقار کو معلوم ہوا کہ اس کی والدہ کو ہیپاٹائٹس سی کا مرض لاحق ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ٹیسٹ پر ٹیسٹ شروع ہو گئے۔ جو آخری بات اس کے سامنے آئی وہ یہ تھی کہ وائرس اپنا کام کر چکا ہے۔ اس کی والدہ کا جگر کام کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔ اس کی والدہ کی زندہ رہنے کی ایک ہی سبیل تھی کہ جگر کا ٹرانسپلانٹ ہو۔

وقار اگر پہلے والا وقار ہوتا تو سارا علاج معالجہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ مگر اب اتنا مہنگا علاج کرانا اس کی پہنچ سے باہر تھا۔ وہ پچھلے دس برسوں سے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ کاروبار تو شروع

ہی میں ختم ہو گیا تھا۔ پھر گھر بک گیا۔ رفتہ رفتہ زمینیں جائیدادیں بکتی رہیں۔ اس کا خرچ زیادہ نہ تھا، مگر جو ضرورت مند آتا وہ اس کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی خالی ہاتھ ہو چکا تھا۔ زندگی کا پہیہ چلانے کے اسباب تو ابھی بھی موجود تھے، مگر ماں کا اتنا مہنگا علاج برداشت کرانا اس کے بس سے باہر تھا۔

اس کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ خدا کے سامنے اپنے خالی ہاتھ پھیلا کر بیٹھ جائے۔ سو وہ بیٹھ گیا۔

بیٹھیے مس اسریٰ۔ میں نے آپ کو ایک خوشخبری سنانے کے لیے بلایا ہے۔

اسریٰ کے باس اظہر صاحب نے اسے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

تھینک یو سر۔ کیا خوشخبری ہے؟

اسریٰ نے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

اس برس آپ کے ڈیپارٹمنٹ کی کارکردگی بہترین رہی ہے۔ اس لیے کمپنی نے آپ کو بونس دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تنخواہ اور الاؤنسز میں بھی فوری طور پر اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ساری چیزیں میری سفارش پر کمپنی آپ کو دے رہی ہے۔

سو نائس آف یو سر۔

نہیں آپ یہ ڈیزرو کرتی ہیں۔ آپ نے بہت ینگ اسٹیج میں بہت ترقی کر لی ہے۔ میں نے اپنے کیریئر میں کم ہی لوگوں کو اتنی تیزی سے ترقی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں خود ایک کیریئر اورینٹڈ شخص ہوں۔ خود میں نے بھی اسی طرح ترقی کی تھی۔ اور آپ کو دیکھ کر امید ہے کہ جلد آپ میری جگہ لے لیں گی۔

اسریٰ اظہر صاحب کی باتوں پر بہت خوش تھی۔ اظہر صاحب درمیانی عمر کے ایک خوبصورت شخصیت کے مالک شخص تھے۔ انھوں نے خود کو بہت سمارٹ رکھا ہوا تھا اس لیے عمر سے کچھ کم لگتے تھے۔ اسریٰ دو برس سے ان کے ساتھ کام کر رہی تھی اور ان کو ایک بہت اچھا اور پروفیشنل شخص پایا تھا۔ اسریٰ کے ساتھ ان کا رویہ بالخصوص شروع ہی سے بہت اچھا تھا۔

سر آپ کی تعریف کی میں بہت قدر کرتی ہوں۔ مگر میں آپ کی جگہ نہیں لے سکتی۔ بہر حال آپ کا بہت شکریہ۔

مجھے آپ سے ایک بات اور کرنا ہے۔

اظہر صاحب نے گلا کھنکارتے ہوئے کہا اور پھر اپنی بات میں مزید اضافہ کیا۔

اور میری بات بری لگے تو اسے بھول جایئے گا۔

یہ کہہ کر وہ رک گئے اور پھر کچھ تامل کے بعد وہ دوبارہ بولنا شروع ہوئے۔

دیکھیے میں ایک کیریئر اورینٹڈ شخص ہوں۔ کیریئر کے علاوہ کبھی کچھ سوچا نہیں۔ بالکل آپ کی طرح۔ میں زندگی کی دوڑ میں ایک کامیاب شخص بن چکا ہوں۔ مگر شاید اس عمل میں ذاتی زندگی کے تقاضے فراموش کر دیے۔ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ لیکن شادی ہماری ضرورت ہے۔ ہم سب کی ضرورت ہے۔ میں جس جگہ آ گیا ہوں وہاں مجھے بہت لڑکیاں مل جائیں گی۔ مگر زندگی کے بارے میں ہماری اپروچ ایک ہی ہے۔ شاید آپ کو بھی میرے جیسے کسی شخص کی ضرورت ہو؟

انھوں نے ایک لمحے کے لیے اسریٰ کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ جو کسی قسم کے تاثرات سے خالی تھا۔ پھر بولے:

لیکن یہ محض ایک تجویز ہے۔ آپ اس بارے میں سوچیے گا۔

تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ اسریٰ نے کبھی اس طرح نہیں سوچا تھا۔ مگر اسے اظہر صاحب کی بات میں کوئی برائی بھی نظر نہیں آئی۔ وہ اگر شادی کرتی تو انھی جیسے کسی شخص ہی سے کرتی۔ اسے یہی سوٹ کرتا تھا اور شاید ایسا ہی کوئی شخص وہ چاہتی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

سر آپ مجھے کچھ وقت دیجیے۔ میں نے کبھی اس رخ سے نہیں سوچا تھا۔ مگر یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ اس کے لیے مجھے وقت چاہیے۔ میں اس بارے میں سوچوں گی۔ اگر میرے دل نے ہاں میں جواب دیا تو میں آپ کو بتادوں گی۔ ورنہ میں آپ سے معذرت کرلوں گی۔

میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ سوچ لیں۔ آپ وقت لے لیں۔ میں انتظار کروں گا۔

کیسے ہیں سر آپ؟ آپ نے مجھے کیسے یاد کیا؟

عظمت صاحب نے وقار کے سامنے بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔ انھوں نے محسوس کیا تھا کہ خلاف معمول وقار کا وہ چہرہ جس پر شگفتگی رہتی تھی، آج کچھ بجھا ہوا ہے۔ وہ وقار کے پاس آتے رہتے تھے، مگر کافی دنوں سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آج وقار نے خود ان کو فون کر کے بلایا تھا۔ وہ دفتر سے سیدھا چلے آئے تھے۔

ان کے دل میں اس شخص کا غیر معمولی احترام اور محبت تھی۔ پہلے اپنے باس کے طور پر انھوں نے وقار کو ہمیشہ ایک اچھا انسان پایا۔ پھر جن حالات سے وہ گزرا اور جو تبدیلیاں اس میں آئیں، انھوں نے عظمت صاحب کی نظروں میں وقار کا مقام بہت بلند کر دیا تھا۔ وہ پہلے سے بھی بہت بہتر انسان بن چکا تھا۔ ایسا غیر معمولی شخص انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

معاف کیجیے گا عظمت صاحب میں نے آپ کو زحمت دی......

سر آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے حکم کیا، میں خود حاضر ہو گیا ہوں۔ آپ فرمائیں کہ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

مجھے ملازمت کی ضرورت ہے۔

وقار کی بات عظمت صاحب کے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔ ملازمت کرنا وقار کے مزاج میں نہیں تھا۔ مگر وہ سمجھ سکتا تھا کہ کوئی بھی انسان اگر اس طرح گھر بیٹھا رہے تو اس کے وسائل بہر حال ایک دن ختم ہونے ہی تھے۔ اب وہ وقت آ گیا تھا۔

میں سمجھ سکتا ہوں سر، لیکن آفس جوائن کرنے کا فیصلہ آپ دس برس پہلے کر لیتے تو آپ اپنے آفس میں جاتے اور میں آج بھی آپ کا خادم ہوتا۔ لیکن چھوڑیے اسے، جو ہوا سو ہوا۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو آپ کی حیثیت کے مطابق ہی کوئی جاب ملے۔

اصل میں امی کو ہیپاٹائٹس سی ہو گیا ہے۔ ان کا جگر فیل ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ لیور ٹرانسپلانٹ میرے بس کی بات نہیں۔ مگر پھر بھی ان کا جو کچھ علاج ضروری ہے اس کا خرچہ اٹھانے کے وسائل بھی میرے پاس نہیں ہیں۔

سر! مجھے بیگم صاحبہ کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ کاش آپ اپنا کاروبار جاری رکھتے تو......

عظمت صاحب نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ اب اس بات کا کیا فائدہ تھا۔ ان کی بات پر وقار قدرے تاسف سے بولا۔

آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر میں کیا کرتا؟ سونیا خود ہی نہیں گئی، اپنے ساتھ زندگی کی ہر امنگ بھی لے گئی۔ جس وقت تک سونیا پر مجھے صبر آیا، اس وقت تک میرا کاروبار ختم ہو چکا تھا۔ ملازمت کا میرا مزاج نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ میرے پاس اتنے وسائل ہیں کہ زندگی کی گاڑی چلتی رہے گی، مگر امی کی بیماری اچانک آ گئی۔

وقار یہ کہہ کر رک گیا۔ عظمت صاحب نے کہا۔

بات صرف اتنی نہیں ہے سر۔ آپ نے اپنا پیسہ ہمیشہ دوسروں کی ضرورت پر خرچ کیا۔ اگر آپ وہی پیسہ کہیں انویسٹ کرتے تو آج اتنی مشکل میں نہ ہوتے۔

وہ پیسہ تو خدا کے ہاں انویسٹ کر چکا ہوں۔ باقی زندگی کا حساب کتاب تو رکھا تھا، مگر اس میں اتنی بڑی بیماری کا حساب نہیں رکھا تھا۔ اپنے بارے میں تو میں بالکل بے پروا ہوں اور کسی بھی وقت مرنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔ مگر ماں کو اس طرح دیکھنا بہت تکلیف دہ ہے۔

آپ بے فکر رہیں سر۔ خدا آپ جیسے انسان کو کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے ہمیشہ خدا کے بندوں پر رحم کیا ہے، خدا اس پر ضرور رحم کرے گا۔

پھر وہ کچھ سوچ کر بولے۔

سر! مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔

فرمایئے، وقار نے کہا۔

آپ نے اپنی والدہ کی جس بیماری کا ذکر مجھ سے کیا ہے اس سے مجھے اسریٰ یاد آ گئی۔

کون اسریٰ؟

وہی سر جس کے والد کو یہی بیماری تھی اور آپ نے میڈم کے زیورات بیچ کر اس کے والد کا علاج کرایا تھا۔

ہاں وہ بات تو مجھے یاد ہے۔ مگر میں جن پر احسان کرتا ہوں ان کے نام یاد نہیں رکھتا۔

مجھے معلوم ہے سر۔ نجانے کتنے لوگوں کی زندگیاں آپ نے بنائی ہیں۔ لیکن اسریٰ نے ان سب لوگوں سے زیادہ ترقی کی ہے۔ وہ میرا بہت احترام کرتی ہے۔ گرچہ کافی عرصے سے اس سے رابطہ نہیں ہوا لیکن آخری دفعہ اس کا فون تب آیا تھا جب وہ کسی بڑی ملٹی نیشنل کمپنی میں اپنے

ڈیپارٹمنٹ کی ہیڈ بن گئی تھی۔اس نے مجھے اپنی خوشی میں شریک کیا تھا۔میں اس سے بات کرتا ہوں۔

نہیں اسے رہنے دیں۔میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ آپ اسے میرے متعلق بتائیں۔مجھے پسند نہیں کہ کوئی مجھے خیرات دے یا بدلہ دے۔میرا معاملہ میرے رب کے ساتھ ہے۔

ٹھیک ہے سر! میں اسے آپ کے حوالے سے وہ سب کچھ نہیں بتاؤں گا، مگر یہ تو میں کرسکتا ہوں کہ آپ کی ملازمت کی بات کروں۔وہ یہ با آسانی کرسکتی ہے۔وہ میرا بہت لحاظ کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری کسی بات کو نہیں ٹالے گی۔آپ کو میں اپنے دوست کے طور پر متعارف کرادوں گا۔وہاں آپ کی تنخواہ اتنی ہوگی کہ آپ اپنی والدہ کا علاج کراسکیں۔ہوسکتا ہے کہ آپ وہاں اس قابل ہوجائیں کہ والدہ کے ٹرانسپلانٹ کے پیسے بھی ہوجائیں۔ملٹی نیشنل کمپنی کے لیے یہ چیزیں کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہوتیں۔

انھوں نے وقار کو اس کی والدہ کے حوالے سے جو امید دلائی تھی اس کے بعد اس کے لیے انکار کرنا ممکن نہ تھا۔اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا:

ٹھیک ہے آپ بات کرلیں۔لیکن وعدہ کریں کہ اسے میرے متعلق کچھ نہیں بتائیں گے۔

ٹھیک ہے نہیں بتاؤں گا۔لیکن میں اس سے کل ہی بات کرتا ہوں۔

اسریٰ کے فون کی گھنٹی بجی۔یہ اس کی پی اے سدرہ کا فون تھا۔اسریٰ نے فون اٹھا کر ہیلو کہا۔

میڈم! کوئی عظمت صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، مگر انھوں نے پہلے سے وقت نہیں لیا۔

کوئی بات نہیں۔انھیں فوراً اندر بھیج دو۔

کچھ دیر میں عظمت صاحب اندر داخل ہوئے تو اسریٰ نے اپنی سیٹ سے کھڑے ہوکر ان

کا بہت خوش دلی سے استقبال کیا۔

السلام علیکم سر! آپ نے خود کیوں زحمت کی۔ مجھے حکم کرتے، میں حاضر ہو جاتی۔

وعلیکم السلام مس اسریٰ۔ میں تو خود آپ کا آفس دیکھنا چاہ رہا تھا۔ ماشاء اللہ آپ کو اللہ نے بہت بڑا مقام دے دیا ہے۔

سر پلیز آپ تشریف رکھیں۔ اسریٰ نے ان کو بٹھاتے ہوئے کہا۔ پھر اپنی نشست سنبھالتے ہوئے بولی۔

یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہے۔ آپ نہ ہوتے تو میں کبھی یہاں نہ ہوتی۔

آپ کسر نفسی سے کام لے رہی ہیں۔ آپ بہت قابل ہیں اور یہ آپ کا بڑا پن ہے کہ آپ نے اتنی ترقی کے بعد بھی ہمیں یاد رکھا ہے۔ ورنہ اسٹوڈنٹ تو بہت ہیں جن کی ہم نے مدد کی ہے۔

آپ نے بلاشبہ میری تعلیم میں بہت مدد کی ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر آپ نے میرے والد صاحب کے علاج کا بھی بندوبست کیا تھا۔ میں آپ کی مہربانیاں کبھی نہیں بھول سکتی۔

اس کی بات پر عظمت صاحب کا دل چاہا کہ وقار کی والدہ کی بیماری کا مسئلہ بتا دے، مگر اسے وقار سے کیا گیا وعدہ یاد آ گیا۔ اس نے ملازمت ہی کی بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

تو پھر یہ بتایئے کہ زندگی میں کبھی مجھے کسی موقع پر آپ کی مدد کی ضرورت ہوئی تو آپ کر سکیں گی؟

جو میرے بس میں ہوگا، وہ سب کروں گی۔ اسریٰ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہا۔

میرے ایک دوست ہیں۔ بہت قابل اور بہت ضرورت مند۔ انھیں جاب کی سخت ضرورت ہے۔ ملازمت تو میں کہیں اور بھی انھیں دلوا سکتا ہوں لیکن انھیں کوئی اچھی ملازمت چاہیے۔ ان کی

ضرورت کی نوعیت ہی ایسی ہے۔آپ اگران کے لیے کچھ کرسکیں تو یہ آپ کا مجھ پر ذاتی احسان ہوگا۔

وہ صاحب کیا کر سکتے ہیں؟ کیا جانتے ہیں؟

وہ صاحب وہیں سے ایم بی اے بھی ہیں جہاں سے آپ نے ایم بی اے کیا ہے۔ بہت بڑی سطح پر کام کرنے کا تجربہ بھی ہے۔مینجمنٹ کی سطح کا ہر کام وہ کر سکتے ہیں۔

پھر تو جس طرح آپ چاہ رہے ہیں، میں ویسی ہی جاب کی کوشش کروں گی۔البتہ پرمننٹ جاب شروع میں شاید ممکن نہ ہو کہ ایسی کوئی پوسٹ خالی نہیں۔ البتہ کنٹرکٹ پر میں خود اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ان کے لیے پروجیکٹ مینیجر کی ایک جاب نکال سکتی ہوں۔ایک پروجیکٹ میرے سامنے ہے جس کے ہیڈ کے طور پر وہ میرے ماتحت کام کر سکتے ہیں۔اس طرح کے بعض کام میں ابھی تو خود کر رہی ہوں۔ یہ کام میں ان سے لے لوں گی۔گرچہ اس کے لیے مجھے آؤٹ آف دی وے جانا ہوگا،مگر آپ کا حکم ہے تو میں آؤٹ آف دی وے بھی جاؤں گی۔

میں آپ کی یہ مہربانی کبھی نہیں بھولوں گا۔

آئندہ ایسا مت کہیے گا۔میں آپ کی مقروض ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔

سر ایک آخری بات اور رہ گئی ہے۔

اسریٰ نے فائل کو بند کرتے ہوئے اظہر صاحب سے کہا۔وہ اظہر صاحب کے ساتھ دیگر امور پر ڈسکشن کرنے کے بعد بولی:

اظہر صاحب نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

سر جو آخری پروجیکٹ میں نے ڈسکس کیا ہے، یہ ہماری کمپنی کے لیے بہت اہم ہے۔

جی مجھے اندازہ ہے۔

میرے پاس اور بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ اگر مجھے کوئی پروجیکٹ مینیجر اسائن کر دیا جائے تو وہ ساری تفصیلات دیکھ لے گا۔ میرا بہت سا وقت اس طرح بچ جائے گا۔

آپ آفس کے کسی سینئر شخص کو اس کام کے لیے اپنے ساتھ رکھ لیں۔

سر آپ جانتے ہیں کہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے ملازمین کو کتنا پریشر میں رکھتی ہیں۔ ہر شخص پر کام کا پہلے ہی بہت لوڈ ہے۔ ایسے میں جو شخص بھی میرے ساتھ آئے گا تو وہ رزلٹ نہیں دے سکے گا۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ ایک نئی پوسٹ اناؤنس کر دی جائے۔

مگر ایک پروجیکٹ کے لیے کوئی جاب تو نہیں نکالی جا سکتی، اظہر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ کمپنی کی پالیسی جانتا تھا کہ کم ملازمین سے زیادہ سے زیادہ کام لینا ہے۔ کیونکہ وہ تنخواہ بہت اچھی دیتے تھے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ تنخواہ ملٹی نیشنل کمپنی کے معیار کے لحاظ سے بہت کم تھی، لیکن ملکی کرنسی میں تبدیل ہو کر بہت زیادہ ہو جاتی تھی اور لوگ اس تنخواہ کے لیے دیوانہ وار کام کرتے تھے۔ یہ اظہر کی ذمہ داری تھی کہ اس پالیسی کو جاری رکھے۔ ایسے میں کسی نئی جاب کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

آپ کی بات بالکل صحیح ہے سر، لیکن اول تو یہ ایک کنٹریکٹ جاب ہوگی۔ کوئی مستقل جاب نہیں ہوگی کہ کمپنی پر کوئی زیادہ بوجھ پڑے۔ دوسرے یہ کہ سر آپ جانتے ہیں ہمارے ہاں ایک پروجیکٹ ختم ہوتا ہے تو دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ کام تو نہیں ختم ہوتے۔

اسریٰ کی بات معقول تھی اور بات بھی اسریٰ کی تھی۔ اظہر کے لیے مشکل تھا کہ وہ اسے منع کرے۔

وہ ہنستے ہوئے بولا۔

چلیے آپ کی سہولت کے لیے میں اپروو کر دیتا ہوں۔ آپ جس شخص کو اپنے لیے مناسب سمجھیں، سلیکٹ کر لیں۔

تھینک یو سر۔ سو نائس آف یو۔

یہ کہتے ہوئے اسریٰ اپنی نشست سے کھڑی ہوگئی۔

وقار اسریٰ کے دفتر کے باہر بیٹھا ہوا اس بات کا منتظر تھا کہ وہ اسے ملنے کے لیے بلائے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک زمانہ تھا کہ وہ اپنے آفس میں اندر بیٹھا ہوتا تھا اور لوگ منتظر ہوتے تھے کہ وہ انھیں ملنے کے لیے بلائے۔ اور آج خود اسے باہر انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ اس نے سوچا:

نجانے میں نے زندگی میں باس بن کر کتنی دفعہ تکبر کیا ہوگا۔ شاید اسی لیے مجھے آج یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔

وقار کا یہ خیال اس کی حساسیت کا نتیجہ تھا۔ قرآن مجید نے وقار کا ذہن اب ایسا کر دیا تھا کہ وہ اپنی خوبیوں کو گننے کے بجائے اپنی خامیوں کو گنتا رہتا۔ جو کمزوری شاید اس میں نہ ہوتی اس کو بھی کمزوری سمجھ کر اللہ سے معافی و درگزر کا سوال کرتا رہتا۔ قرآن مجید نے اہل ایمان کی جو صفت بیان کی ہے کہ وہ مستقل توبہ کرتے رہنے والے ہوتے ہیں، خود احتسابی کی شدت میں وقار اب اسی کا نمونہ بن کر رہتا تھا۔

تاہم حقیقت یہ تھی کہ وقار ہمیشہ سے ایک بہت بہتر انسان رہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان جب بہت کچھ پا لیتا ہے تو رب کو بھولے رہتا ہے۔ وقار نے بھی ابتدائی زندگی اسی غفلت میں گزاری۔ کاروبار اور سونیا؛ یہی اس کی زندگی کی اصل ترجیحات تھیں۔ پھر پہلے اس کی زندگی سے سونیا گئی اور پھر بزنس گیا۔ لیکن اس کے نتیجے میں اس کی غفلت بھی چلی گئی۔ اس نے اس غفلت بھری زندگی پر اللہ سے بہت معافی مانگی تھی۔ اس کے بعد سے اپنا بے رحمانہ اور سخت احتساب وقار کی عادت تھی۔ اس عادت نے کبھی اس میں تکبر نہیں پیدا ہونے دیا تھا۔ اسی عادت کی وجہ

سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا مصداق بن گیا تھا کہ پروردگار مجھے اپنی نگاہوں میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنا کر رکھ۔ وہ اپنی نگاہوں میں حقیر تھا، مگر اس کے اردگرد کے لوگ اسے ہمیشہ بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

وقار کافی دیر سے بیٹھا ہوا انتظار کر رہا تھا۔ اسریٰ بہت مصروف تھی۔ وقار کے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ اللہ کو یاد کرتا رہا اور اس دن کو یاد کرتا رہا جب ہر انسان خدا کے حضور پیش ہو کر اپنی ابدی زندگی کے فیصلے کا منتظر ہوگا۔ قرآن مجید نے وقار کا انداز فکر ایسا ہی بنا دیا تھا۔ ہر بات میں خدا کے جمال و کمال اور اس کی صفات کو یاد کرنا۔ ہر مشکل میں آخرت کی سختی کو یاد کرنا۔ ہر آسانی میں خدا کا شکر کر کے خدا کی جنت کی دعا کرنا۔

کچھ دیر میں ایک لڑکی چلتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ یہ اسریٰ کی پی اے سدرہ تھی۔ اس نے وقار سے مخاطب ہو کر کہا۔

میڈم اسریٰ آپ کو بلا رہی ہیں۔

وہ اٹھا اور اس لڑکی کے پیچھے پیچھے چل کر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ اسریٰ کی پی اے سدرہ اس سے مخاطب ہو کر بولی:

میڈم! یہ وقار صاحب ہیں۔

اسریٰ نے غور سے وقار کو دیکھا۔ یہ درمیانی عمر کا ایک شخص تھا۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں کچھ سفیدی آ رہی تھی۔ ایک سیدھا سادھا سا شخص تھا جو اس ملٹی نیشنل کمپنی کے ماحول کے لیے قطعی ناموزوں تھا۔ اسریٰ نے اسے دیکھتے ہی ریجیکٹ کر دیا۔ مگر وہ مجبور تھی کہ عظمت صاحب کو زبان دے چکی تھی۔ اگر عظمت صاحب اس کی سفارش نہ کرتے تو وہ کبھی اس طرح کے کسی شخص کو اپنے ہاں نہ رکھتی۔

اسریٰ کی پی اے وقار کو چھوڑ کر رخصت ہوگئی تو اسریٰ نے وقار سے کہا:

بیٹھیے۔

وقار نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے سامنے نشست پر بیٹھنا چاہا۔ مگر عین اس لمحے اس کی نگاہ اٹھی اور اسریٰ پر پڑ گئی۔ ایک لمحے کے لیے وقار کو لگا کہ کسی نے اس کے دل پر گھونسا رسید کر دیا ہو۔ اس کے سامنے اس کی مردہ بیوی سونیا زندہ ہو کر دوبارہ آ گئی تھی۔

اس نے سر جھکا لیا۔ اسے معلوم تھا یہ سونیا نہیں، اسریٰ ہے۔ شکل بھی مختلف ہے۔ مگر اپنے اسٹائل میں اسریٰ بالکل سونیا کا عکس تھی۔

اس کا دل چاہا کہ وہ یہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے۔ سونیا کی جدائی کا جو زخم برسہا برس میں مندمل ہوا تھا، وہ اسریٰ کو دیکھ کر پھر تازہ ہو گیا۔ لیکن وہ مجبور تھا۔

یہ ابتلا کا قانون ہے۔ جو شخص خدا کے راستے پر چلتا ہے، ہر تھوڑے عرصے بعد اسے کسی نہ کسی امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ امتحان نہ ہو تو انسان مردہ ہو جاتے ہیں۔ خدا اپنے نیک بندوں کو مردہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس لیے وہ ہر تھوڑے عرصے بعد ان کی روح پر ضرب لگاتا ہے۔ یہ ضرب وہ ساز دل چھیڑ دیتی ہے جس کا وجد آفریں ترنم بندہ مومن کو خدا سے قریب کر دیتا ہے۔ مگر یہ بعد کی بات ہوتی ہے۔ جب یہ ضرب لگتی ہے تو ہتھوڑے کی طرح انسان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔

اس ایک لمحے میں وقار بھی ٹوٹ چکا تھا۔ سونیا کی جدائی کا ناسور جو وقت کے مرہم کے ہاتھوں مندمل ہو چکا تھا، اسریٰ نے اسے پھر کھرچ ڈالا تھا۔

اسریٰ اس کے جذبات و احساسات سے بالکل بے نیاز تھی۔ اس نے ایک باس کی طرح گفتگو شروع کی۔

وقار صاحب! میں بالکل صاف بات کروں گی۔ اس آفس میں آپ کی کوئی ضرورت نہیں

تھی۔مگر عظمت صاحب کی کسی بات کو ٹالنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔آپ صرف ان کی وجہ سے یہاں موجود ہیں۔اب آپ کو اپنا میرٹ ثابت کرنا ہے۔ثابت کر دیا تو پھر میں آپ کی مستقل جاب کی کوشش کروں گی۔ورنہ آپ بغیر کسی لحاظ کے فارغ کر دیے جائیں گے۔

اس کے لہجے میں تحکم تھا۔مروت اور لحاظ کا شائبہ تک نہ تھا۔مگر وقار کو اس کا لہجہ بالکل برا نہیں لگا۔وہ اس انداز سے بہت اچھی طرح مانوس تھا۔یہ اسریٰ نہیں،سونیا بول رہی تھی۔ٹھیک وہی انداز تھا۔سیدھا اور سخت۔اسی انداز پر وقار سونیا سے کہا کرتا تھا کہ تم بہت بدلحاظ ہو۔وہ جواب دیتی تھی کہ اسی لیے میں ایک کامیاب ایڈمنسٹریٹر اور بزنس وومن ہوں۔

میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں میڈم۔

وقار نے گردن ہلاتے ہوئے اسے جواب دیا تو اسریٰ اس کی طرف ایک فائل بڑھاتی ہوئی

بولی:

آپ کو اس پروجیکٹ کی نگرانی کرنی ہے۔اس فائل کو پڑھ لیجیے۔کسی بھی قسم کی کوئی مدد چاہیے تو میری پی اے سدرہ سے بات کر لیجیے گا۔وہ آپ کا اپائنٹمنٹ لیٹر اور جاب کی دیگر تفصیلات وغیرہ آپ کو بتا دے گی۔

پھر اس نے فون اٹھا کر سدرہ کا نمبر ڈائل کیا اور اس سے کہا۔

سدرہ میں وقار صاحب کو تمھارے پاس بھیج رہی ہوں،انھیں ان کا روم دکھا دو۔

یہ کہہ کر اس نے وقار کی طرف دیکھا اور کہا:

وقار صاحب!

اس کی بات پر لمحے بھر کے لیے وقار نے اسریٰ کو دیکھا۔اسے اندازہ ہوا کہ اسریٰ سونیا سے مختلف شکل کی تھی،لیکن اس کا فیس کٹ بالکل سونیا جیسا تھا۔اس کے ساتھ جو چیز دونوں میں

مشترک تھی وہ ظاہری انداز تھا۔ اسریٰ کی شخصیت کا مجموعی تاثر؛ اس کی ظاہری وضع قطع اور انداز گفتگو کی بنا پر بالکل ویسا ہی تھا جیسا سونیا کا تھا۔ وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ اس کے کانوں میں اسریٰ کی آواز آئی۔

آپ جاسکتے ہیں۔ سدرہ آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دے گی۔

اس کی بات سن کر وقار اپنی نشست سے اٹھ گیا۔

سدرہ وقار کو اس کے کمرے تک چھوڑ گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد وقار اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ بے اختیار اس کی زبان پر ایک شعر آ گیا۔

تمام عمر میں ہر صبح کی اذان کے بعد
اک امتحان سے گزرا اک امتحان کے بعد

سونیا وقار کی زندگی تھی۔ وہ گئی تو اپنے ساتھ زندگی کی ساری بہاریں لے گئی۔ گرچہ قرآن مجید کو پانے کے بعد وقار کو صبر آ گیا تھا، مگر اس کی دوسری شادی نہ کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ سونیا کو بھولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ سونیا کو اس طرح بھی یاد نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ایک دوسری لڑکی سونیا کا عکس بن کر اس کے سامنے رہے۔ اس عکس نے اس کے پرانے زخم پھر تازہ کر دیے تھے۔

مسئلہ یہ تھا کہ وہ جاب چھوڑ کر بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے جو تنخواہ دی گئی تھی، وہ بہت اچھی تھی۔ اسریٰ نے جو زیادہ سے زیادہ تنخواہ ممکن تھی، اس کے لیے رکھوائی تھی۔ اگر وہ مستقل ہو جاتا تو پھر والدہ کا ٹرانسپلانٹ کروانا بھی ممکن تھا۔ یہاں سے اسے با آسانی قرض بھی مل سکتا تھا اور کمپنی کے پے رول پر میڈیکل کی بھی بہت کچھ سہولیات تھیں۔

وہ کچھ دیر کشمکش میں رہا اور پھر قرآن مجید کو ذہن میں تازہ کرنے لگا۔ وہاں زندگی کی ہر اصولی

رہنمائی اسے مل جاتی تھی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

”ہم جانچنے کے لیے اچھے برے حالات سے تمھیں آزمائیں گے اور تمھیں لوٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے۔“

مشکل کو جب مشکل اور مسئلے کو جب مسئلہ سمجھا جائے تو انسان حالات کا مقابلہ درست طور پر نہیں کرپاتا۔ مگر جب مسئلے کو امتحان اور زندگی کا ایک روٹین کا معاملہ سمجھا جائے تو انسان کو حوصلہ مل جاتا ہے۔ قرآن مجید یہی زاویہ نظر اسے دے رہا تھا۔ یہ جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہو رہا ہے، وہ ایک امتحان ہے۔ یہاں مشکل اور آسانی ساتھ ساتھ ہے۔ اسے ملنے والی آسانی پر شکر گزار بننا تھا اور سامنے آنے والی مشکل پر صبر سے کام لینا تھا۔

اس کی والدہ کی بیماری ایک مشکل تھی۔ مگر اس کے نتیجے میں اس میں آنے والی یہ تبدیلی ایک آسانی تھی کہ وہ جاب کے لیے آمادہ ہو چکا تھا۔ بغیر کسی خاص کوشش کے اتنی اچھی جاب ملنا ایک آسانی تھی۔ مگر اسریٰ کا سونیا کا عکس بن کر سامنے آنا ایک مشکل تھی۔

جب وقار نے اس پہلو سے سوچا تو اب کوئی مشکل، مشکل نہ رہی۔ کوئی آسانی، آسانی نہ رہی۔ اسے مشکل اور آسانی کے بجائے اپنے ردعمل پر توجہ رکھنی تھی۔ آسانی اسے غفلت میں نہ ڈال دے۔ مشکل اسے دلبرداشتہ نہ کر دے۔ اسے یہی کرنا تھا۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ مگر خود زندگی خدا کی سمت ایک سفر ہے۔ وقار کو یہ سفر اس طرح کرنا تھا کہ رب کے حضور جب وہ پہنچے تو ایک اعلیٰ شخصیت لے کر پہنچے۔ نہ کہ ایک ناشکرا اور بے صبرا انسان بن کر۔

اس نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے قرآن مجید کے ذریعے سے اس کی رہنمائی کر دی تھی۔ وہ اب بالکل مطمئن تھا۔ اس نے پروجیکٹ کی فائل کھولی اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

یار یہ میڈم اسریٰ تو اپنا بندہ لے کر آ گئیں۔ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ نئی پوسٹ نکلی ہے تو ہمارا چانس بن جائے گا۔

جمال نے چھری کانٹے کی مدد سے ایک نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ یہ سارے کولیگ اس وقت لنچ کے لیے ایک جگہ جمع تھے۔ اسریٰ کی پی اے سدرہ، جمال، انعم اور ربیعہ۔ یہ سب براہ راست اسریٰ ہی کے ماتحت تھے۔ گرچہ ڈیپارٹمنٹ میں اور لوگ بھی تھے، مگر یہ سب براہ راست اسریٰ کو رپورٹ کرتے تھے اور اسی لیے آپس میں ان کی کافی دوستی بھی تھی۔

سدرہ تم بتاؤ! کیا چکر ہے۔ تمھیں تو اندر کی ہر بات معلوم ہوتی ہے۔ انعم نے سدرہ کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

نہیں یار چکر کیا ہونا ہے۔ ایک عظمت صاحب ہیں۔ میڈم ان کی بہت زیادہ عزت کرتی ہیں۔ کبھی وہ بغیر اپائنٹمنٹ کے بھی آ جائیں تو میڈم بلا تاخیر ان کو اندر بلاتی ہیں اور کھڑے ہو کر بڑے احترام سے ان کا استقبال کرتی ہیں۔

یہ عظمت صاحب ہیں کون؟ ربیعہ نے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

یہ میڈم کے والد کے کوئی دوست ہیں یا پھر کوئی بہت ہی قریبی جاننے والے۔ مجھے ٹھیک طرح سے معلوم نہیں۔

سدرہ نے شانے اچکاتے ہوئے اس کو جواب دیا۔

چلو یار ہمیں کیا۔ ہمارا چانس تو گیا۔ ورنہ میں اس پوسٹ کے لیے بالکل اہل تھا۔ آخر تم سب سے سینئر جو ہوں۔

جمال نے کچھ حسرت اور کچھ فخر کے ساتھ کہا۔

ہاں مگر اب ہم سب سینئر لوگوں کو بھی وقار صاحب کو سپورٹ کرنا ہے۔ یہی میڈم اسریٰ کا حکم

ہے۔ذرا آگے پیچھے ہوئے تو میڈم کچا چبا جائیں گی۔

اس دفعہ بولنے والی انعم تھی۔

پتہ نہیں یار یہ میڈم اسریٰ کی ایج اتنی کم ہے۔اور اتنی جلدی اتنا اوپر پہنچ گئیں۔

ربیعہ نے رشک آمیز لہجے میں اسریٰ کی پوزیشن پر تبصرہ کیا۔

ربیعہ ڈئیر! محنت، ٹیلنٹ اور اپنے ٹارگٹ کو حاصل کرنے کی زبردست صلاحیت۔ یہ ہے میڈم کی ترقی کا اصل راز۔

سدرہ نے فوراً ربیعہ کو مخاطب کیا۔

اور میڈم کی خوبصورتی کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے کیا؟

جمال نے قدرے بے ہودہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا تو سدرہ پھٹ پڑی۔

بکواس مت کرو تم۔اظہر صاحب سمیت آفس کے سارے مرد میڈم سے ڈرتے ہیں۔وہ ہر کسی کو ایک ڈسٹنس پر رکھنے کی عادی ہیں۔کسی کی مجال ہے کہ میڈم سے بے تکلف ہو سکے۔

اس کی بات سن کر بھی جمال ڈھٹائی سے ہنستا رہا۔

مگر میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ میڈم اسریٰ جس روز کسی مرد کو دیکھ کر مسکرا دیں گی، وہ ان کے قدموں پر گر کر لوٹنے لگے گا۔

اسی لیے میڈم مسکراتی نہیں ہیں۔اور جب مسکراتی ہیں تب بھی آنکھوں میں ایسا رعب ہوتا ہے کہ کسی کو مسکراہٹ کا غلط مطلب نکالنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

اس دفعہ انعم نے سدرہ کی تائید کی۔اس پر ربیعہ نے بھی جمال کو لتاڑا۔

ہاں جمال تم بلا وجہ میڈم پر الزام لگا رہے ہو۔انھوں نے ساری ترقی میرٹ پر کی ہے۔وہ میرٹ کے خلاف کچھ نہیں کرتیں۔

ارے تم سب تو جھاڑ کے کانٹوں کی طرح پیچھے لگ گئیں۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ میڈم کس مزاج کی ہیں۔ مگر یہ میرٹ والی بات ہے نا، یہ وقار صاحب کے ساتھ ختم ہو چکی ہے۔

وہ کیسے؟

ربیعہ نے فوراً سوال کیا۔

بتادوں؟ جمال نے سدرہ کی طرف دیکھتے ہوئے استفہامیہ انداز میں کہا۔ وہ خاموش رہی۔ اسی نے وقار کی اپائنٹمنٹ کے وقت حیرت کے ساتھ یہ بات جمال کو بتائی تھی جس کو وہ اب باقی لوگوں کو بھی بتانے جا رہا تھا۔ جمال نے ربیعہ اور انعم کی طرف سر جھکاتے ہوئے رازدارانہ انداز میں کہا۔

بات یہ ہے کہ وقار صاحب کے سی وی میں پچھلے کئی برس سے کوئی جاب بیان نہیں ہوئی۔ وہ کافی بڑے بریک کے بعد جاب کرنے آئے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ وہ اتنے اہم پروجیکٹ پر کام کرسکیں گے۔

اوہ آئی سی۔ انعم اتنا ہی کہہ کر رہ گئی۔ جبکہ ربیعہ نے بھی ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

اوہ۔ اس دفعہ تو میڈم نے اپنی لیے خود ہی مسئلہ پیدا کر لیا۔

جمال نے ہنستے ہوئے کہا۔

اسی لیے کہتے ہیں سفارش بہت بری چیز ہے۔

یہ گفتگو کرتے ہوئے وہ کم و بیش کھانا ختم کر چکے تھے۔ اتنے میں آفس کلرک نے ان کے پاس آ کر کہا۔

میڈم سدرہ کے علاوہ باقی آپ تینوں کو لنچ کے بعد وقار صاحب نے بلایا ہے۔

چلو بھئی نئے باس کا بلاوا آ گیا۔اب ان کو بھی بھگتو۔

جمال یہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

\-

وقار نئے آفس میں پہلے ہی ہفتے میں سیٹ ہو گیا۔اس کام میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو اس کے لیے بہت زیادہ مشکل ہو۔وہ تو ایک پوری بزنس ایمپائر چلاتا رہا تھا۔ یہ تو ایک چھوٹا سا پروجیکٹ تھا۔اسے صرف ماحول میں ایڈجسٹ کرنا تھا۔ یہ کام اس نے تیزی سے کر لیا۔
اس کے ساتھ کام کرنے والی ایک پوری ٹیم تھی ۔ یہ لوگ اصلاً تو اسریٰ کے ماتحت تھے،لیکن چونکہ وہ اس پروجیکٹ کی سربراہی اسریٰ کی نمائندگی کرتے ہوئے کر رہا تھا،اس لیے ہر طرف سے اسے مکمل سپورٹ ملی تھی ۔اس لیے سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔
البتہ دو تین چیزیں تھیں جو اس کے لیے مسئلہ بنی تھیں ۔ایک مسئلہ تو ساتھ کام کرنے والوں کا اس بات پر حسد کرنا تھا کہ وہ براہ راست ان کا باس بن کر آیا ہے۔ایک آدھ شخص جیسے جمال کی طرف سے شروع میں بہت منفی انداز بھی سامنے آیا۔مگر وقار نے اپنے حسن خلق اور حکمت سے اس کے اور تمام لوگوں کے منفی طرز عمل کو مثبت میں بدل دیا۔لوگوں سے الجھنا،ان کو نیچا دکھانا،ان پر رعب جمانا اس کا انداز نہ تھا۔ وہ ساتھیوں کے لیے آسانی پیدا کرتا تھا۔لوگوں سے اچھی طرح بات کرتا تھا۔ لوگوں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتا تھا جس کی بنا پر سب لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے تھے۔

\-

دوسرا مسئلہ یہاں کا ماحول تھا۔اسے ملٹی نیشنل کمپنی کا ماحول بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ یہاں زیادہ تر لڑکیاں ملازم تھیں اور جینز، پینٹ ،شرٹ اور سلیولیس بنیان میں ملبوس تھیں ۔گرچہ دس برس کی

شادی شدہ زندگی کے بعد اس کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا، مگر یہ چیز براہ راست اس کے لیے مسئلہ نہیں بنی۔ اس لیے کہ وہ خواتین کو جس طرح دیکھنے کا عادی تھا یعنی دیکھ کر بھی نہ دیکھنا، سرسری نظر سے دیکھنا، خدوخال اور نشیب وفراز کا جائزہ لیے بغیر دیکھنا، کسی نادیدنی پر نظر پڑ بھی جائے تو اس کے خیال وتصور کو ذہن سے جھٹک دینا؛ اس طریقے میں انسان کے لیے کوئی اخلاقی مسئلہ نہیں پیدا ہو پاتا، نہ شیطان انسان پر غلبہ پا سکتا ہے۔ مگر اس طرح کا ماحول اس کے اندر پیدا ہو جانے والی نفاست پر گراں گزرتا تھا۔ لیکن برسہا برس میں اس نے اپنی اتنی تربیت کر لی تھی کہ کوئی حسن اس کی نگاہ کو آوارہ اور دل کو آلودہ نہیں کر پاتا تھا۔ یہ پاکیزگی نفس اس کی زندگی کا سرمایہ تھی۔

وقار ایک ایسے معاشرے میں بستا تھا جہاں مردوں کی تربیت نہیں کی جاتی تھی۔ ان کو نگاہوں کو قابو میں رکھنے کا فن نہیں سکھایا جاتا تھا۔ بلکہ مردوں کو آنکھیں بچا کر رکھنے کی تلقین کی جاتی تو لوگ آگ بگولہ ہو جاتے تھے۔ ان کے نزدیک ساری ذمہ داری صرف خواتین کی تھی۔ ظاہر ہے یہ قرآن سے دور رہ کر دین کو سمجھنے کا نتیجہ تھا۔ مگر یہی اس معاشرے کی سچائی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ کسی خاتون کے جسم کا ایک انچ کا حصہ ایک لمحے کو بے حجاب ہوتا تو بے حیا نظریں، اس کا جائزہ لینے اور اس سے مزہ لینے کے لیے بے چین ہو جاتی تھیں۔ چاہے یہ کسی خاتون کی نقاب کے باوجود نظر آنے والی نگاہیں ہوں، محتاط خواتین کا اٹھنے بیٹھنے میں کھل جانے والا جسم کا کوئی حصہ ہو یا دوپٹے سے بے نیاز، ہلکے اور چست لباس سے جھلکنے والی جسمانی ساخت ہو۔ ایسے مرد اسے دیکھنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ یہی نہیں موقع بے موقع انھیں چھونے اور جسمانی لمس سے لطف اندوز ہونے کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ایسے میں قرآن مجید نے وقار کو یہ سکھایا تھا کہ خدا نگاہوں کی خیانتیں اور دل کی خفیہ باتیں بھی جان لیتا ہے۔ جب وہ ہر دم ساتھ ہو تو پھر اس کی نافرمانی کا کیا سوال۔ پھر عورتوں کو مخاطب کرنے سے قبل اس نے مردوں کو اپنی نگاہیں

اور اپنے صنفی جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دے رکھا ہے۔

اس کی زندگی کا تو اصل مقصد بس اب یہی رہا تھا کہ زندگی کے کسی موقع اور کسی مقام پر خدا کی کوئی نافرمانی نہ ہوجائے۔ روزانہ گھر سے آفس نکلتے ہوئے وہ اپنے اس عزم کو تازہ کرتا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی کسی پہلو سے کمزور نہیں پڑے گا۔ اس عزم سے اس کی روح ہر روز پھر تازہ ہوجاتی۔

\-

ایک تیسرا اور شاید سب سے بڑا امتحان خود اسریٰ کا اپنا وجود تھا۔ اسریٰ کی شخصیت کا ایک پہلو وہ تھا جس میں اُس کا ماضی اس غریب لڑکی کا تھا جو کبھی اس کے دفتر میں اسی طرح محتاج ہوکر آئی تھی اور آج اس پر حکم چلانے والی اس کی باس بنی ہوئی تھی۔ لیکن وہ اپنی تربیت اس طرح کر چکا تھا کہ اپنی بڑائی کا ہر احساس اس کے اندر سے نکل چکا تھا۔ جس کے بعد اس کی انا اس پہلو سے مجروح نہیں ہوتی تھی۔ اسے یہ اطمینان بھی تھا کہ اسریٰ کی کمزوری کے دور میں اس کا رویہ اس لڑکی کے معاملے میں ہمیشہ ہمدردانہ رہا تھا اور اس نے اتنی ترقی کرلی تھی۔ وہ اپنے ضمیر اور اپنے رب کی بارگاہ میں سرخرو تھا۔ اس نے اس آفس میں آنے کے بعد پہلے دن ہی خود کو سمجھا دیا تھا کہ وقار اس بات کو بھول جاؤ کہ ماضی میں وہ کیا تھی اور تم کیا تھے۔ صرف اس کو یاد رکھو کہ وہ باس ہے اور تم ملازم ہو۔ اس کے بغیر ملازمت نہیں ہوسکتی۔

اسریٰ کا مغربی انداز و لباس بھی اس کے لیے کبھی مسئلہ نہیں بن سکا کہ اس پہلو سے جس طرح وہ ساتھ کام کرنے والی دیگر خواتین سے خود کو بے نیاز رکھتا تھا، اس سے بھی خود کو مکمل بے نیاز ہی رکھتا تھا۔ اس کے لیے اصل مسئلہ اسریٰ کی شکل میں سونیا کا دوبارہ زندہ ہوجانا تھا۔ وہ ہر روز اسریٰ سے ملتا تھا اور ہر روز اس سے گفتگو کرتا تھا۔ مسلسل اسے دفتر میں آتا جاتا دیکھتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس نے سونیا کے ہر انداز کو کاپی کرلیا ہے۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ یہ اس نے سونیا کو دیکھ کر کیا تھا یا

قدرتی طور پر ایسا ہو گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سونیا سے ایک دو دفعہ سے زیادہ نہیں ملی۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اس مختصر وقت میں اس نے سونیا کے لباس، ہیئر اسٹائل، بالوں کے رنگ، بولنے اور چلنے کے انداز ہی کو نہیں بلکہ اس کی سخت گیر انتظامی طبیعت کو بھی کاپی کر لیا تھا۔

شاید کچھ تو اس کی عمر ہی ایسی تھی جس میں وہ سونیا سے ملی تھی۔ اور کچھ یہ کہ اس وقت سونیا اس کے سامنے ایک انتہائی برتر شکل میں سامنے آئی تھی۔ اور کچھ شاید اس لیے کہ عظمت صاحب نے بعد میں سونیا کا اس سے ذکر کیا ہو گا۔

بہر حال جو بھی تھا وقار کے لیے ایک امتحان مسلسل تھا جو اسریٰ کی شکل میں موجود تھا۔ جس وقت سونیا کا انتقال ہوا وہ عمر میں اسریٰ کی موجودہ عمر سے گو بڑی تھی، مگر جس طرح اس نے خود کو فٹ رکھا ہوا تھا اور وقت کو خود پر موثر ہونے سے روک دیا تھا، وہ دیکھنے میں اسریٰ جتنی ہی ینگ لگتی تھی۔ مگر وہ سونیا اس کی محبت اور اس کی بیوی تھی۔ یہ ''سونیا'' اس کی باس تھی۔ مگر اب یہ ہر روز اس کی محبت کی شکل میں زندہ ہو کر سامنے آ جاتی تھی۔ اسے ہر روز خود کو یہ یقین دلانا پڑتا تھا کہ سونیا مر چکی ہے۔ اس کے سامنے بس اس کا امتحان ہے جس سے اسے سرخرو ہونا ہے۔ اس احساس کے تحت اس نے اسریٰ کے سامنے ہمیشہ اپنا رویہ اتنا ہی نارمل رکھا جتنا کسی اور کے سامنے رہتا تھا۔ یہ اس کی اعلیٰ شخصیت تھی جس نے ایک اور چوٹی سر کر لی تھی۔

ایک روز وقار آفس میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ عظمت صاحب اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ انھیں دیکھتے ہی وہ ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔

السلام علیکم عظمت صاحب! آپ کیسے ہیں اور کیسے تشریف لائے؟

وعلیکم السلام وقار صاحب۔ میں ذرا اسریٰ بیٹی سے ملنے آیا ہوا تھا۔ سوچا آپ سے بھی ملتا

چلوں۔

ضرور ضرور۔ وقار نے خوش دلی سے کہا۔ پھر وہ ان کو کھڑا دیکھ کر بولا۔

لیکن آپ کھڑے کیوں ہیں، پلیز تشریف رکھیے۔

وقار نے نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو عظمت صاحب بیٹھ گئے۔

اس نے دریافت کیا۔

آپ کے لیے کیا منگاؤں؟ چائے یا کافی۔

کچھ نہیں۔ ابھی اسریٰ کے ساتھ چائے پی ہے۔ ویسے وہ آپ کی پرفارمنس سے کافی مطمئن لگ رہی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس نے اپنی ذمہ داری پر آپ کو براہ راست اتنی بڑی پوزیشن پر رکھ لیا ہے۔ وہ تو اللہ کا کرم ہے کہ وہ خود ڈائریکٹر کے مقام پر ہے اور جی ایم کی نظر میں اس کی بہت اہمیت ہے، ورنہ یہ ممکن نہ ہوتا۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں اللہ نے بڑی مہربانی کی ہے اور اسریٰ کو اس کا ذریعہ بنایا ہے۔ میں دل سے اس کے لیے دعا گو ہوں، مگر......

وقار کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

مگر کیا وقار صاحب۔ اگر آپ کا کوئی مسئلہ ہے تو بتائیں میں اسریٰ سے بات کرتا ہوں۔

نہیں! میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ اسریٰ کا ہے۔

اسریٰ کا مسئلہ۔ اس کا کیا مسئلہ ہے؟

آپ کو سونیا یاد ہے۔

میڈم کو میں کیسے بھول سکتا ہوں؟

آپ کو اسریٰ کو دیکھ کر سونیا کا خیال نہیں آتا۔

وقار کی بات پر عظمت صاحب کچھ دیر سوچتے رہے، پھر بولے۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ کے توجہ دلانے سے مجھے احساس ہوا ہے۔ دراصل میں نے تو اسے چھوٹی عمر سے دیکھا اور بڑا مختلف دیکھا ہے۔ میرے ذہن میں اس کا وہی تصور تھا، مگر اب واقعی وہ بالکل میڈم سونیا کی طرح لگنے لگی ہے۔

میں ظاہر کی بات نہیں کر رہا۔ گرچہ ظاہری مناسبت بھی ہے۔ مگر میں زندگی کو دیکھنے کے زاویے کی بات کر رہا ہوں۔

میں سمجھا نہیں۔ عظمت صاحب نے نہ سمجھنے کے انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

اسریٰ کو جتنا میں سمجھا ہوں، مزاجاً ایک اچھی لڑکی ہے۔ مگر سونیا کی طرح اسے بھی غفلت کا مرض لگ گیا ہے۔

غفلت کیسی، اسریٰ تو بہت ہوشیار لڑکی ہے؟

میں اس دنیا کی ہوشیاری کی بات نہیں کر رہا۔ میں جس غفلت کی بات کر رہا ہوں وہ خدا اور اس کی ملاقات سے غفلت ہے۔ جس شخص کو یہ مرض لگ جائے وہ جنت کے راستوں سے بہت دور نکل جاتا ہے۔ میں سونیا کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ کاش اس کے لیے کچھ کر سکوں۔

وقار صاحب آپ کی باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں، مگر میرے خیال میں ہر شخص اپنے اچھے برے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسریٰ کوئی بچی نہیں کہ اسے کوئی سمجھائے۔ اسے اگر خدا اور آخرت کی پروا نہیں تو آپ پر بھی اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بس نجانے کیوں کبھی خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے اس لڑکی کی دنیا بنا دی، مگر اس کی آخرت کو اس طرح غفلت کی نذر ہوتا دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی غفلت قیامت کے دن اس کی سخت جوابدہی کا سبب بن

جائے۔ غفلت انسان کو جہنم کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ لیکن چھوڑیے ان باتوں کو۔ اپنا حال سنائیں؟

وقار نے گفتگو کا رخ موڑ دیا۔ جس کے بعد وہ لوگ دیگر امور پر بات کرتے رہے اور کچھ دیر بعد عظمت صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

وقار اسریٰ کو ابھی تک کے کام کی بریفنگ دے رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔ اس نے بات مکمل کی تو اسریٰ نے کہا۔

ٹھیک ہے۔ آپ نے سب ویسا ہی سمجھا ہے جیسا میں نے سمجھایا تھا۔ اب یہاں سے پروجیکٹ کو آپ ہی لیڈ کریں گے۔ کوئی مسئلہ ہو تو مجھ سے بات کر لیں۔ مگر ہر روز مجھے پروگریس ضرور بتاتے رہیں۔

ٹھیک ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ آپ کو انشاءاللہ کوئی شکایت نہیں ہو گی۔

اوکے آپ جا سکتے ہیں۔

وقار اٹھ کر جانے لگا تو اسریٰ نے اسے پیچھے سے پکار کر کہا۔

وقار صاحب!

اس کی آواز پر وقار ٹھہر گیا اور آہستگی سے مڑا۔

آپ کو یہاں کوئی مسئلہ تو نہیں ہو رہا۔

اس کی بات پر وقار دھیرے سے مسکرایا۔

خدا نے یہ دنیا اس لیے نہیں بنائی کہ یہاں کوئی مسئلہ باقی نہ رہے۔ یہ دنیا اس لیے بنائی گئی ہے کہ مسائل کے باوجود ہم اپنا کام کرتے رہیں۔

وقار صاحب! میں دنیا کا نہیں، اس آفس کا پوچھ رہی ہوں۔

جی اللہ کا شکر ہے۔ یہاں سب ٹھیک ہے۔

او کے پھر آپ جا سکتے ہیں۔

وقار چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد اسریٰ اپنی نشست کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔ اس کے پاس کام کا بہت لوڈ رہتا تھا۔ مگر وقار کے آنے کے بعد اسے قدرے ریلیف ملا تھا۔ یہ ایک بہت مشکل پروجیکٹ تھا جس پر وہ کچھ عرصے سے کام کر رہی تھی۔ مگر اب اس کی ساری ذمہ داری وقار پر تھی۔ اس حیثیت میں وقار اس کے لیے ایک نعمت ثابت ہوا تھا۔

وہ وقار کے کام اور اہلیت کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکی تھی کہ ابھی اس کے کام کی فائنل رپورٹ آنی تھی، مگر وہ اس کی شخصیت سے مطمئن ہو چکی تھی۔ اسریٰ ہر وقت مردوں کے بیچ میں رہتی تھی۔ وہ اندر سے مردوں سے خوفزدہ تھی، اپنے خوف کو چھپانے کے لیے وہ بظاہر بہت سخت بن چکی تھی۔ مگر اس سختی کو خود پر طاری رکھنے کی وجہ سے وہ کچھ تھک جاتی تھی۔ مگر وقار کے معاملے میں نجانے کیوں ایک فرق اسے محسوس ہوا۔ اسے وقار سے کبھی کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔ بلکہ ایک نوعیت کا تحفظ محسوس ہوتا تھا۔

اس کا سبب شاید یہ تھا کہ مرد عورتوں کو ہمیشہ صنف مخالف سمجھ کر معاملہ کرتے تھے۔ مگر وقار نے اسے ہمیشہ عورت کے بجائے انسان سمجھ کر معاملہ کیا تھا۔ اسریٰ نے نوٹ کیا کہ باقی خواتین کے ساتھ بھی اس کا رویہ یہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ اسریٰ اور شاید باقی خواتین بھی وقار کے ساتھ کمفرٹ ایبل محسوس کرتی تھیں۔

پھر وقار کی شخصیت میں بہت ٹھہراؤ تھا۔ بہت سکون تھا۔ بہت اعتماد تھا۔ گرچہ اس کی مذہبی باتیں اسریٰ کو پسند نہ تھیں۔ مگر اسے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وقار کو ملازمت دینے کا اس کا فیصلہ بڑی

حد تک ٹھیک تھا اور وہ اس کے ہونے سے ہر پہلو سے اپنا فائدہ محسوس کر رہی تھی۔

ایک روز وقار آفس سے گھر لوٹا تو عظمت صاحب کو گھر کے ڈرائنگ روم میں اپنا منتظر پایا۔

سر! آج میں نے سوچا کہ دفتر سے گھر جاتے ہوئے بیگم صاحبہ کی خیریت معلوم کر لوں۔ اسی بہانے آپ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

اسے دیکھتے ہی عظمت صاحب نے کہا۔

آپ کا بہت شکریہ۔ بس ان کا علاج جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کچھ کرم کر دیتے ہیں تو پھر علاج کے لیے ان کو ملک سے باہر لے جانے کی کوشش کروں گا۔ ابھی تک ملازمت کا ابتدائی مہینہ ہے۔ یہ پروجیکٹ مکمل ہو جائے تو امید ہے کہ آگے کوئی بات کی جا سکے گی۔

ہاں مجھے اندازہ ہے کہ ملازمت ملتے ہی آپ والدہ کے علاج کی بات نہیں کر سکتے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ آفس میں آپ کی جگہ بن جائے تو میں بھی اسریٰ سے بات کروں۔

ہاں میں بھی اسی وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ اسی لیے ملازمت کے اس بوجھ کو ڈھو رہا ہوں۔

مجھے اندازہ ہے سر۔ آپ کے لیے یہ ایک مشکل کام ہے۔

ہاں ملازمت میرے مزاج کے بھی خلاف ہے اور شاید اس سے زیادہ مسئلہ یہ ہے کہ اب مطالعے کے لیے بالکل وقت نہیں ملتا۔ مگر کیا کروں والدہ کی ذمہ داری سب سے زیادہ اہم ہے۔

سر مطالعہ کیا آپ کے لیے بہت ضروری ہے؟

نہیں ضروری تو نہیں بس اب عادت بن گئی ہے۔ لیکن پہلے میں مطالعہ ایک ضرورت کے تحت کرتا تھا۔

وہ کیا ضرورت تھی سر؟

دراصل میں برسہا برس سے مسلسل مطالعے کے ذریعے سے اس سوال کا جواب ڈھونڈ رہا ہوں کہ قرآن مجید مسلمانوں کی مذہبی فکر اور عملی زندگی سے خارج کیوں ہو چکا ہے۔

جی مجھے یاد ہے کہ کئی برس پہلے بھی آپ نے یہ بات کہی تھی۔تو یہ بتائیں کہ اتنے برس میں آپ کو اپنی تلاش کا کوئی جواب ملا؟

ہاں بڑی حد تک مجھے جواب مل گیا ہے۔میں نے متعدد اہل علم کو پڑھا اور سنا ہے۔بے گنتی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔سابقہ امتوں کی تاریخ اور پچھلے نبیوں کی جدو جہد کو پڑھا ہے۔اس سے بڑھ کر قرآن مجید کو اپنی زندگی بنا کر اس کے لفظ لفظ پر غور کیا ہے۔اس لیے نہیں کہ اپنے ذہن میں موجود تصورات کے دلائل اس سے تلاش کروں۔ بلکہ یہ جاننے کے لیے کہ میرا رب کیا کہہ رہا ہے۔ان سارے مراحل کے بعد میں اس مسئلے کی بنیادی وجہ دریافت کر سکا ہوں۔

آپ کے نزدیک اس کی کیا وجہ ہے ؟

دیکھیے یہ ایک بہت مشکل بات ہے جس کے بڑے علمی پہلو ہیں۔لیکن آپ چونکہ ایک عام آدمی ہیں اس لیے میں بہت سادہ انداز میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

ضرور،عظمت صاحب نے بڑے اشتیاق سے کہا۔

وقار نے قریب میز پر رکھا ایک رائٹنگ پیڈ اٹھایا اور پھر اپنے قلم سے رائٹنگ پیڈ کے ایک خالی صفحے پر بڑی سی لکیر کھینچ کر ان سے پوچھا۔

یہ کیا ہے؟

ایک لمبی لکیر ہے۔

اچھا اب میں یہ کہتا ہوں کہ اس کو چھوئے بغیر آپ اسے چھوٹا کر دیں۔

نہیں یہ تو نہیں ہو سکتا۔اس کے لیے تو اسے کاٹنا یا مٹانا پڑے گا۔

قرآن ایسی ہی ایک بڑی لکیر ہے۔ کوئی کاٹ نہیں سکتا۔ کوئی اسے مٹا نہیں سکتا۔ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ تحریف نہیں ہو سکتی۔ کمی نہیں ہو سکتی۔ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے کر رکھا ہے۔

جی بالکل یہ تو مجھے معلوم ہے۔

لیکن یہ ہو سکتا ہے۔

یہ جملے کہتے ہوئے وقار نے اپنے قلم سے پہلی لکیر کے برابر میں چند لکیریں اور کھینچ لیں۔ کچھ پہلی والی کے برابر کی تھیں اور کچھ اس سے بڑی تھیں۔ پھر عظمت صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔

دیکھیے اب میں نے پہلی لکیر کو چھوئے بغیر اسے چھوٹا بھی کر دیا اور غیر اہم بھی کر دیا۔ اب یہ بہت سی لکیروں کے درمیان بنی ہوئی ایک لکیر ہے۔ اس سے پہلی لکیر ہونے کا اعزاز تو آپ نہیں چھین سکتے۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے اس میں کوئی تبدیلی، تحریف یا ترمیم کی گئی ہے۔ مگر عملاً اس کے ساتھ کیا ہوا ہے، یہ صاف نظر آ رہا ہے۔ اب اس لکیر کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہی۔

انٹرسٹنگ، ویری انٹرسٹنگ۔ عظمت صاحب بس اتنا ہی کہہ سکے۔

یہ ہے جو قرآن کے ساتھ ہوا ہے۔ قرآن میں موجود ایمان و اخلاق کی دعوت کے ساتھ ہوا ہے۔ کوئی قرآن کا نہ انکار کرتا ہے، نہ اس کی اہمیت کا منکر ہے۔ کسی کو قرآن کی دعوت ایمان و اخلاق سے اختلاف بھی نہیں ہے۔ مگر عملاً کوئی اس کو دین کی اصل اور نجات کی بنیاد سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

آئی سی۔ عظمت صاحب بڑبڑائے۔

تو یہ ہے اس سوال کا جواب۔ یعنی قرآن مجید اور اس کا اصل پیغام عملی طور پر مسلمانوں کی علمی

اور عملی روایت سے غیر متعلق کیوں ہو گئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے نظریاتی طور پر تو اس اصول کو مانا کہ قرآن مجید دین کی بنیادی اور اہم ترین کتاب ہے۔مگر عملی طور پر دوسری کئی چیزوں کو قرآن مجید کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اہمیت دینا شروع کر دی۔

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ مذہب کے نام پر دنیا میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے اس میں کوئی چیز قرآن کے مقابلے کی نہیں۔کون سی چیز ہے جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے کر رکھا ہے۔کون سی چیز ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ باطل اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔کون سی چیز ہے جسے انسانیت اور اہل ایمان کے لیے ہدایت کہا گیا ہے۔کون سی چیز ہے جسے دوسری مذہبی چیزوں کو تولنے کا میزان یعنی ترازو اور ان کو پرکھنے کی کسوٹی کہا گیا ہے۔کون سی چیز ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔کون سی چیز ہے جس کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی شکل میں خدا بول رہا ہے۔کوئی ہے؟ کوئی نہیں ہے۔

وقار بول رہا تھا اور اس کے لہجے میں جوش تھا۔

چنانچہ جس روز مسلمان یہ اصول عملی طور پر مان لیں گے کہ قرآن مجید ہر چیز پر حاکم ہے، یہ خدا اور اس کے رسول کے قائم مقام ہے، کوئی چیز اس سے برتر نہیں ہے، اس روز قرآن مجید مسلمانوں کی مذہبی فکر اور عملی زندگی میں دوبارہ اپنی حیثیت حاصل کر لے گا۔اور جس روز یہ ہو گیا مسلمان دنیا میں غالب اور آخرت میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی اتنے برسوں کی محنت بے کار نہیں گئی۔آپ نے تو بڑے کام کی اور اہم بات بتائی ہے۔

عظمت صاحب میں نے برسہا برس میں مطالعہ کر کے یہی بات سمجھی ہے کہ قرآن مجید اصل روشنی ہے۔ختم نبوت کے بعد یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کا کوئی اہتمام نہ

کرتے۔ چنانچہ میرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی انسان نہیں آئے گا جس کی طرف ہم رہنمائی کے لیے دیکھیں۔ اب صرف قرآن ہی ہے۔ قرآن خدا کی صفت کلام کا ظہور ہے۔ گویا خدا بولتا ہوا ہمارے درمیان موجود ہے۔ اس کے الفاظ بھی خدا کے منتخب کردہ ہیں۔ یہ کلام محفوظ ہے۔ یہ منزل بھی بتاتا ہے اور اس تک پہنچنے کا راستہ بھی اور سب سے اہم بات یہ بتاتا ہے کہ جس طرح خدا کے مقابلے میں کوئی اہم نہیں اسی طرح کلام الٰہی کے مقابلے میں کوئی دوسری چیز اہم نہیں۔ یہ بات جگہ جگہ قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اس طرح بیان کی ہے کہ تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھلائیں۔

اس کی بات پر عظمت صاحب نے ایک سوال کیا۔

مگر سر یہ بات ہم کسی منبر، کسی مذہبی پروگرام، کسی مذہبی کتاب میں کیوں نہیں پڑھتے؟

آپ کی بات کسی حد تک ٹھیک ہے کہ اکثر لوگ یہ بات نہیں بیان کرتے۔ مگر ایسا نہیں کہ کوئی بیان نہیں کرتا۔ کچھ نہ کچھ لوگ بتا رہے ہوتے ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے عام لوگ ان کی باتوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ دیکھیے خدا کی دنیا میں اگر غلط سمت میں بلانے والے ہیں تو صحیح راہ کی طرف بلانے والے بھی ہیں۔ مگر لوگ صرف انھی کی سنتے ہیں جو دنیا کے مفاد کے لیے بلاتے ہیں یا سطحی چیزوں کی طرف بلاتے ہیں۔

عظمت صاحب اثبات میں سر ہلانے لگے۔

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ جس راستے کی طرف قرآن بلاتا ہے اس میں کوئی تھرل نہیں، کوئی انٹلکچول ڈسکوری نہیں، بلکہ الٹا قربانی، صبر، احسان کا مطالبہ اور وہ دیگر اخلاقی مطالبات ہیں جن پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ جبکہ لوگ ہمیشہ آسان راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس دعوت کو

کونے میں رکھ کر دنیا بدلنے کے پیچھے لگے رہتے ہیں، یا چلوں وظیفوں، ظاہری حلیے کی تبدیلی یا کچھ سطحی اعمال کی طرف بلاتے ہیں۔ جبکہ قرآن کا مطلوب انسان جن اخلاقی تقاضوں کا مطالبہ کرتا ہے وہ عملاً بہت مشکل ہیں۔ ان کو پورا کرنا جلتے ہوئے انگارے کو ہاتھ میں اٹھانا ہے۔ مگر ایک دفعہ انسان ہمت کر لے تو پھر اسے مزہ آنے لگتا ہے۔ انسان میں اچھے اعمال کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی مشکل اسے اس راہ سے نہیں پھیر سکتی۔ چاہے اسے آروں سے چیر دیا جائے۔

وقار خاموش ہوا تو عظمت صاحب نے کہا۔

آپ درست کہتے ہیں سر! میں نے تو آپ کو یہ ساری نیکیاں کرتے ہوئے دیکھا ہے، سوچتا ہوں کہ آپ کی جگہ ہوتا تو کبھی اس طرح نہیں کر سکتا تھا۔ لوگوں پر اتنا خرچ کرنا، بندوں کی اتنی خدمت، اتنا صبر، اتنا اعلیٰ اخلاق بہت مشکل ہے۔ یہ بہت مشکل ہے سر۔

ان کی بات پر وقار نے کچھ دیر تک کچھ نہ کہا۔ پھر باہر دور خلاؤں میں دیکھتا ہوا بولا۔

پتہ نہیں میں کس حد تک قرآن کا مطلوب انسان بن سکا ہوں۔ مگر اب میری ساری زندگی اسی جدوجہد میں گزرتی ہے۔ میرے سامنے اللہ کی کتاب ہے اور اس کے نبی کا اسوہ حسنہ ہے جو قرآن مجید ہی کی عملی شکل ہے۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں، مگر میری زندگی کا اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہیں رہا ہے۔

اس کی بات پر عظمت صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور وقار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میں گواہی دیتا ہوں وقار صاحب کہ آپ ہر پہلو سے اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔ انشاء اللہ میرا رب آپ کو قیامت کے دن بھی سرخرو کرے گا اور دنیا میں بھی ہر امتحان سے کامیابی سے گزارے گا۔

وقار نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

خبر نہیں ابھی کتنے امتحان اور باقی ہیں۔

یہ کہتے ہوئے اسے نہیں معلوم تھا کہ ایک کمر توڑ دینے والا امتحان اس کے سر پر آ کھڑا ہوا ہے۔

اسریٰ وقار کی بنائی ہوئی رپورٹ دیکھ رہی تھی۔اس کی نگاہوں میں ستائش تھی۔ رپورٹ انتہائی جامع تھی۔ وہ خود بھی بناتی تو شاید اس طرح کی رپورٹ نہیں بنا پاتی۔ یہ ایک ایسے شخص کی رپورٹ تھی جس کی کاروبار کے ہر پہلو پر انتہائی گہری نظر تھی۔

آپ نے بہت اچھی رپورٹ بنائی ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ میں اس میں کوئی اضافہ کرسکتی ہوں۔آپ نے تو ایک ماہ کے مختصر عرصے میں ہر چیز کو سمجھ کر اس کا بہت اچھا تجزیہ کر دیا ہے۔ تجاویز بھی بہت اچھی ہیں۔ پلان بی اور سی بھی بیان کر دیا ہے۔آپ کا بزنس وژن بہت اچھا ہے۔آپ کو تو اپنا کوئی کاروبار کرنا چاہیے تھا۔

وقار بس واجبی سا مسکرا کر رہ گیا۔وہ اسے کیا بتاتا کہ کاروبار کرنا اس کی سرشت میں شامل تھا۔اس نے اور سونیا نے مل کر تھوڑے عرصے میں اپنے کاروبار کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔

اسریٰ نے دل کھول کر اس کی جو تعریف کی تھی اس کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ وہ اسے شروع میں کوئی سیدھا سادھا شخص سمجھی تھی جو اس طرح کی ذمہ داری کا اہل نہ تھا۔اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اسے عظمت صاحب کا احسان اتارنا ہے۔اسے رکھ کر اس نے اپنی دانست میں ان کے احسانوں کا بوجھ کم کر دیا تھا۔اس کا خیال تھا کہ وقار یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکے گا۔اس کے دل میں یہ خلش تھی کہ اس نے ایک نااہل شخص کو سفارش پر رکھ لیا تھا، مگر آج اس کی رپورٹ دیکھ کر وہ بہت مطمئن ہو گئی تھی۔ وقار نے واقعی کمال کر دیا تھا۔

وقار صاحب! میں آج سے پہلے اس حوالے سے کافی دباؤ میں تھی۔لیکن اب میں بالکل

ریلیکس ہوں اور اس پورے پروجیکٹ کو آپ پر چھوڑتی ہوں۔ یہ پروجیکٹ کامیاب رہا تو میں آپ کی جاب کو مستقل کرانے کی پوری کوشش کروں گی۔ آپ جیسے لوگ کسی ادارے کے لیے ایک سرمایہ ہوتے ہیں۔ میں ابھی جرمنی بات کرکے وہاں سے آنے والی ٹیم کی ڈیٹ فائنل کراتی ہوں تاکہ اس پروجیکٹ پر کام جلد از جلد شروع ہو جائے۔ یہ پروجیکٹ میری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

یہ کہہ کر اس نے فون اٹھالیا۔

اسریٰ نے وقار کے دروازے پر دستک دی، مگر وقار اپنے کمرے میں نماز ادا کر رہا تھا۔ جب کوئی جواب نہیں آیا تو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ اسے نماز پڑھتا دیکھ کر وہ واپس جانے لگی، مگر پھر کچھ سوچ کر اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس نے جرمنی کی ٹیم سے بات فائنل کرلی تھی، مگر ڈیٹ اس کی توقع سے بہت پہلے کی طے ہوگئی کیونکہ ٹیم جاپان جارہی تھی۔ ٹیم لیڈر نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ وہاں جاتے ہوئے ایک دن یہاں رک جائیں گے۔ مگر اس کے نتیجے میں اس پر دباؤ بڑھ گیا تھا۔ اب یہ وقار کا کام تھا کہ اس مختصر وقت میں ان کی طرف سے ہر چیز مکمل ہو جاتی۔ چنانچہ یہی ڈسکس کرنے کے لیے وہ خلاف معمول وقار کے کمرے میں آ گئی تھی۔ اب وہ بات کرکے ہی واپس جانا چاہتی تھی۔

کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس کی نظر اس قرآن مجید پر پڑی جو وقار کی ٹیبل پر رکھا تھا۔ اسے یہ بات بالکل پسند نہیں آئی کہ دفتر میں کوئی شخص قرآن کریم پڑھے۔ اس کا خیال تھا کہ آفس میں صرف آفس کا کام ہونا چاہیے۔

اس نے قرآن ہاتھ میں اٹھالیا۔ یہ جگہ جگہ سے انڈر لائن کیا ہوا تھا۔ حاشیہ پر چھوٹے فونٹ سے بہت سے نوٹس تھے۔ اس نے ایک جگہ پڑھنے کی کوشش کی تو لکھا تھا۔

عورتیں بیک وقت اللہ کا سب سے بڑا انعام بھی ہیں اور سب سے بڑا امتحان بھی۔

اس نے ایک اور صفحہ پلٹا۔ اس پر لکھا تھا۔

خدا کو بھول کر غفلت میں جینے سے بڑا جرم کوئی نہیں۔ کیونکہ انسان ہر جرم کا ارتکاب اس جرم کے بعد کرتا ہے۔

ایک اگلے صفحے پر یہ لکھا تھا۔

جو دنیا کے لیے جیتا ہے وہ آخر کار مر جاتا ہے۔

وہ اسی میں مگن تھی کہ اتنے میں وقار کے کھنکارنے کی آواز آئی۔ اس نے وقار کی سمت دیکھا جو ٹیبل کے قریب آ کر خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ اسریٰ کا ارادہ تو یہ تھا کہ پہلے وہ اسے آفس میں قرآن پڑھنے پر منع کرے لیکن پھر اس کے بجائے اس نے سوال کر لیا۔

جو دنیا کے لیے جیتا ہے وہ آخر کار مر جاتا ہے۔ یہ تو ایک غلط جملہ ہے۔ مرتا تو ہر انسان ہے۔

وقار نے نرمی سے اسے جواب دیا۔

جو آخرت کے لیے جیتے ہیں وہ کبھی نہیں مرتے۔

یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ گناہ گار بھی تو آخرت میں زندہ کیے جائیں گے۔

مگر سزا کی زندگی کوئی زندگی تو نہیں ہو گی نا۔ آگ میں جلنے والوں کی کیسی زندگی؟

اسریٰ خاموش رہی۔ وقار کو لگا کہ جس لڑکی کی اس نے دنیا بنائی ہے، شاید آخرت کی کوئی امنگ بھی وہ اس میں پیدا کر سکے۔ اس لیے اس نے خلاف عادت بات کو طول دیتے ہوئے کہا۔

اگر آپ اجازت دیں تو کیا میں یہ سوال کر سکتا ہوں کہ کیا آپ کو اس کا یقین ہے کہ آپ جنت میں جائیں گی؟

میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں۔

کبھی وقت نکال کر سوچیے گا۔ کیونکہ یہ تو طے ہے کہ چند عشروں بعد آپ جنت یا جہنم میں سے کسی ایک جگہ لازماً موجود ہوں گی۔ پھر بوڑھے ہی کیا، آپ جیسے کتنے ہی جوان، خوبصورت، طاقت ور لوگ عین عروج کے دور میں دنیا چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ مجھے اور آپ کو اس اصول سے کیا استثنا ہے۔

یہ کہتے ہوئے اس کے ذہن میں سونیا تھی۔ مگر اسریٰ اب اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے نہ آخرت کے بارے میں کبھی سوچا تھا نہ مرنے کے بارے میں۔ باقی سب لوگوں کی طرح اس کے لیے بھی خدا ساری زندگی مسئلہ حل کرنے کی ایک مشین بنا رہا تھا۔ یعنی مشکل آئی تو دعا مانگ لی اور مشکل گزر گئی تو خدا کو بھول گئے۔ خدا کے حضور پیشی، اپنا احتساب، جنت یا جہنم کے انجام کے متعلق اسے سوچنے کی کبھی فرصت نہ ملی تھی۔ وہ قدرے ترش لہجے میں بولی۔

چھوڑیے ان باتوں کو۔ آفس ان باتوں کے لیے نہیں ہوتے۔ مجھے آپ کو یہ بتانا تھا کہ تین دن بعد جرمنی کی ٹیم آ رہی ہے۔ اس سے پہلے ہی آپ پوری پریزینٹیشن تیار کرلیں۔ آپ ہی ان کو بریف کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ یہ کام کرلیں گے۔ آپ انگلش تو روانی سے بول سکتے ہیں نا؟

اسریٰ نے یہ بات انگریزی میں کہی تھی۔ وقار نے اثبات میں گردن ہلائی اور انگریزی ہی میں جواب دیا۔

آپ بے فکر رہیں۔ میں انگریزی بھی روانی سے بول سکتا ہوں اور جرمن بھی۔ آپ کے مہمان مجھ سے مل کر مایوس نہیں ہوں گے۔

ارے۔ یہ تو زبردست نیوز ہے۔ بس تو پھر آپ اپنی پریزینٹیشن جرمن زبان ہی میں دیجیے گا۔ میرے لیے البتہ ایک انگلش ورژن بنا دیجیے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ جرمن میں

پریزینٹیشن دے رہے ہوں اور ساتھ میں مقامی ڈائریکٹرز کے لیے انگریزی میں بھی پریزینٹیشن چل رہی ہو۔

ٹھیک ہے، مگر اس کے لیے تین دن کا وقت بہت کم ہے۔ مجھے بہت سے لوگوں سے میٹنگ کر کے ڈیٹا لینا ہوگا۔ پھر رپورٹ اور پریزینٹیشن بنانا ایک وقت طلب کام ہے۔ اتنے کم وقت میں یہ سب بہت مشکل ہے۔

پھر ایسا کریں کہ انگلش والی چھوڑ دیں۔ وہ ہم بعد میں کر لیں گے۔ ابھی ڈیلیگیشن کے لیے جرمن والی بنا دیں۔ اور یہ تو آپ کو کرنا ہوگا۔ کوئی دوسری چوائس نہیں ہے۔

اسریٰ کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ وہ اس خیال سے بہت ایکسائیٹڈ ہو چکی تھی کہ جرمن مہمانوں کو جرمن میں جب رپورٹ ملے گی تو کہیں زیادہ ان پر اثر پڑے گا۔

ٹھیک ہے۔ یہ ہو جائے گا۔ مگر مجھے روزانہ ڈاکومنٹس گھر لے کر جانے ہوں گے۔ مجھے دیر تک کام کرنا ہوگا۔

ٹھیک ہے آپ لے جائیں۔ مگر یاد رکھیے گا میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کروں گی۔

اسریٰ نے مضبوط لہجے میں کہا اور کھڑی ہوگئی۔

یہ تین دن وقار کے لیے سخت محنت کے دن تھے۔ وہ دفتر میں بھی مسلسل کام کر رہا تھا اور گھر میں بھی رات گئے تک جاگ کر کام کر رہا تھا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ جرمنی والی پریزینٹیشن سے پہلے انگریزی والی پریزینٹیشن بھی بنا دے گا۔ اسریٰ نے جب یہ کہا تھا تو وقار نے اس وقت تو اسے منع کر دیا تھا۔ مگر بعد میں اس نے ہمت کر کے دونوں ہی بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دور میں کمپیوٹر پریزینٹیشن کا رواج نہیں تھا بلکہ پریزینٹیشن سلائڈ پروجیکٹر پر رکھ کر دکھائی جاتی تھی۔

وقار نے تین دن تک سرتوڑ کوشش کر کے وہ رپورٹ تیار کرلی تھی جو تحریری شکل میں پیش کی جانی تھی۔ یہ کرتے کرتے تیسرے دن کی شام بھی ہوگئی۔ تاہم اصل اہمیت اس پریزینٹیشن کی تھی جسے وقار کو خود پیش کرنا تھا۔ ٹیم آج شام پہنچ چکی تھی اور اسریٰ نے اسے تاکید سے بتایا تھا کہ صبح نو بجے ہی میٹنگ شروع ہوجائے گی اور دوپہر لنچ کے بعد ٹیم جاپان کے لیے روانہ ہوجائے گی۔ اس لیے وقت کی سخت پابندی کی جائے۔

وقار رات گئے تک آفس میں کام کرتا رہا تھا۔ اس نے پہلے انگلش کی پریزینٹیشن تیار کرلی، مگر اب کافی دیر ہوچکی تھی۔ اس نے سوچا کہ جرمن زبان کی پریزینٹیشن وہ گھر جا کر بنا لے گا۔ اسے احساس تھا کہ اس کی وجہ سے جمال اور دیگر اسٹاف بھی دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

اسریٰ گھر جا چکی تھی۔ مگر جانے سے قبل وہ جمال کو ہدایت دے کر گئی تھی کہ وہ وقار سے جرمن زبان کی پریزینٹیشن لے کر اسے کانفرینس روم میں سیٹ کر کے جائے۔ مگر اب بہت وقت ہوچکا تھا۔ چنانچہ اس نے کام ختم کر کے جمال کو اپنے کمرے میں آنے کے لیے کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

جمال صاحب! کام ابھی باقی ہے، لیکن اب بہت دیر ہوچکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب گھر جانا چاہیے۔

سر تو پھر پریزینٹیشن کا کیا ہوگا۔ میڈم مجھ سے کہہ کر گئی ہیں کہ جرمن زبان کی پریزینٹیشن آپ سے لے کر کانفرنس روم میں سیٹ کر کے جانا ہے۔

دیکھیے اس میں تو ابھی کافی وقت لگے گا۔ مجھے اس کے لیے بہت دیر تک جاگنا پڑے گا۔ البتہ یہ انگریزی کی پریزینٹیشن میں نے تیار کردی ہے۔ میڈم اسریٰ چلی گئی ہیں ورنہ میں یہ انھیں دے دیتا۔ اب اس کی سلائڈز میں یہیں اپنے روم میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کل صبح ہی ان کو یہ

دے دوں گا۔ باقی تمام رپورٹس میں گھر لے کر جا رہا ہوں کیونکہ انھی کی مدد سے میں جرمن زبان میں سلائڈز بناؤں گا۔ پھر انشاء اللہ صبح میں وقت سے پہلے آ جاؤں گا۔ اس وقت تک آپ اسے کانفرنس روم میں سیٹ کر دیجیے گا۔ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اس وقت میں یہاں لیٹ نائٹ رکا تو آپ کو بھی رات دیر تک یہاں رکنا پڑے گا۔

ٹھیک ہے سر آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔

جمال نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ اس میں اس کا بھی فائدہ تھا کہ اسے چھٹی مل رہی تھی۔ گھر جانے کی خوشی میں جمال نے انگلش سلائڈ والی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کے نزدیک اصل اہمیت جرمن زبان ہی کی تھی۔ چنانچہ اس نے اسی پر چہکتے ہوئے تبصرہ کیا۔

ویسے یہ زبردست آئیڈیا تھا میڈم اسریٰ کا کہ پریزینٹیشن جرمن زبان میں ہو۔ اس سے ان لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ لیکن سر اصل کمال اور ٹیلنٹ تو آپ کا ہے کہ آپ کو کئی زبانیں آتی ہیں۔

بس اللہ کا کرم ہے۔ آپ بس چلیں۔ میں بھی نکل رہا ہوں۔ باقی لوگوں سے بھی جانے کا کہہ دیں۔

یہ بات وقار کو اس لیے کہنا پڑی کہ اسریٰ سارے نچلے اسٹاف کو سختی کے ساتھ کہہ کر گئی تھی کہ جب تک وقار صاحب یہاں موجود ہیں کوئی گھر نہیں جائے گا۔

وقار نے انگریزی زبان کی سلائڈز اپنی دراز میں رکھیں اور سارا سامان سمیٹ کر گھر جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ جمال بھی کمرے سے جا چکا تھا۔

آفس میں صبح ہی سے قیامت آئی ہوئی تھی۔ اسریٰ نے پورا آفس سر پر اٹھا لیا تھا۔ وہ جرمن

ڈیلیگیشن کو ان کے ہوٹل سے لیتی ہوئی نو بجے کے قریب آفس آ گئی تھی۔ مگر آفس آتے ہی اسے یہ دھماکہ خیز اطلاع ملی کہ وقار ابھی تک نہیں آیا ہے۔ سدرہ نے اسے بتایا کہ وہ وقار کے گھر پر مسلسل فون کر رہی ہے، مگر کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔ موبائل فون کا اس وقت کوئی تصور نہ تھا۔ لہٰذا یہ جاننا ممکن نہ تھا کہ وقار کہاں ہے۔

کچھ دیر بعد اسریٰ نے جمال کو بلایا اور اس سے کہا کہ وہ کمپنی کی گاڑی میں وقار کے گھر جائے اور معلوم کرے کہ وقار کہاں ہے۔ وقار کا گھر دور تھا۔ جمال کو واپس آتے آتے گیارہ بج گئے۔ اس نے یہ اطلاع دی کہ گھر بند ہے اور گھر پر کوئی نہیں جو بتائے کہ وقار کہاں غائب ہے۔ پاس پڑوس کے لوگوں کو بھی نہیں پتہ کہ گھر کیوں بند ہے۔

یہ سب کچھ سن کر اسریٰ کے چہرے پر بارہ بج چکے تھے۔ ہیڈ آفس سے آنے والا ڈیلیگیشن ہی نہیں بلکہ کمپنی کے تمام مقامی ذمہ دار بھی موجود تھے۔ اسریٰ نے وقار پر اندھا اعتماد کیا تھا۔ ساری معلومات، ساری رپورٹس اور سب سے بڑھ کر پریزینٹیشن اسی کے پاس تھی۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ہی معاملے کو سنبھالنا تھا۔

وہ ہمت کر کے اپنی کرسی سے اٹھی اور اظہر صاحب کے کمرے کی طرف گئی جہاں سب لوگ صبح سے اس کے اور وقار کے منتظر تھے۔ اس نے سب سے معذرت کی کہ کسی ایمرجنسی کی بنا پر پروجیکٹ مینیجر اس وقت نہیں آ سکے اور پریزینٹیشن نہیں ہو سکے گی۔ لیکن مینجمنٹ کی نظر میں یہ وقار کی نہیں اسریٰ کی ناکامی تھی۔ اسریٰ مجبور تھی کہ اس پورے معاملے کی ذمہ داری خود قبول کرے۔ اظہر صاحب بھی سخت ناراض تھے اور انھوں نے کھل کر اسریٰ سے اپنی ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ اسریٰ سمجھتی تھی کہ وہ اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ اس وقت اس کا دفاع کر کے وہ باقی لوگوں کی نظروں میں اپنی پوزیشن خراب نہیں کر سکتے تھے۔

بہرحال جیسے تیسے کر کے اسریٰ نے زبانی کلامی پروجیکٹ کی کچھ تفصیلات بیان کیں، مگر ظاہر ہے کہ تفصیلات اور اعداد و شمار کے بغیر زبانی گفتگو کی حیثیت زبانی جمع خرچ سے زیادہ نہیں تھی۔ کسی پر بھی اس کی گفتگو کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔

لنچ کے بعد ڈیلیگیشن ائیر پورٹ کے لیے روانہ ہو گیا۔ اظہر صاحب ان کو چھوڑنے کے لیے خود چلے گئے۔ اسریٰ نادم سی ہو کر اپنے روم میں واپس آ گئی۔

\-

اسریٰ اپنے روم میں سر پکڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ زندگی میں اس کی اتنی سبکی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ نہ کبھی اس نے ایسی کسی ناکامی کا سامنا کیا تھا۔ اسے شدید غصہ اس بات پر تھا کہ اس نے وقار پر اتنا اعتماد کیوں کر لیا۔

پھر اس نے فون اٹھایا اور سدرہ سے کہا۔

تم بھی اندر آؤ اور باقی ٹیم ممبرز کو بھی ساتھ لے کر آؤ۔

تھوڑی ہی دیر میں سدرہ کے ساتھ جمال، انعم، ربیعہ اندر آ گئے۔ سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ انھیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ اسریٰ کے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا کوئی قصور نہ تھا۔ اصل انچارج وقار تھا اور اسے سارے کاغذات گھر لے جانے کی اجازت بھی اسریٰ ہی نے دی تھی۔

ان کے اندر آتے ہی اسریٰ نے سدرہ سے کہا۔

ایک ٹرمینیشن لیٹر لکھو۔

سدرہ کو معلوم تھا کہ یہ کس کے لیے لکھا جا رہا ہے، مگر پھر بھی اس نے پوچھ لیا۔

میڈم کس کے لیے لکھوں؟

بتانے کی ضرورت ہے کہ کس کے لیے لکھو۔ کیا تمھاری عقل بھی گھاس چرنے چلی گئی ہے؟

اسریٰ اسی پر برس پڑی۔

سدرہ یہ سنتے ہی الٹے قدموں کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی اسریٰ نے ان تینوں کو دیکھا۔ وہ بہت غصے کے عالم میں ان تینوں کو گھور رہی تھی۔

آپ میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ وقار کی غیر موجودگی میں پریزینٹیشن دے دیتا۔

میڈم! اصل میں ہمارا کام تو وقار صاحب کو تعاون فراہم کرنا تھا۔ اصل میں ساری تفصیلات وقار صاحب کو معلوم تھیں یا پھر آپ کو۔

انعم نے ڈرتے ڈرتے کہا تو اسریٰ پھٹ پڑی۔

نام نہ لو اس شخص کا میرے سامنے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ایک انگریزی کی پریزینٹیشن بنادے۔ وہ بنا دیتا تو میں ہی کھڑی ہو کر جیسے تیسے اسے پیش کر دیتی۔ بات سنبھل جاتی۔ مگر اس میں اتنی ذمہ داری ہوتی تو اس طرح غائب ہی کیوں ہوتا۔

اسریٰ کا یہ جملہ سنتے ہی جمال کے قدموں میں گویا ایک بم پھٹ گیا۔ یہ بات وہ صبح سے بھولا ہوا تھا کہ کل رات جاتے وقت وقار نے اسے انگلش والی پریزینٹیشن کے بارے میں بتا دیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ یہیں آفس میں وقار کے روم میں موجود ہے۔ یہ بات وہ اسریٰ کو بتا دیتا تو اسریٰ کی پوزیشن خراب نہیں ہوتی۔ وہ خود ہی پریزینٹیشن دے دیتی۔

اسے احساس ہوا کہ اسریٰ نے ابھی ابھی وقار کا ٹرمینیشن لیٹر لکھوایا ہے۔ یہی انجام اب اس کے سامنے تھا۔ اس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔

کچھ دیر کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ پھر اسریٰ کی غصہ سے بھرپور آواز بلند ہوئی۔

آپ لوگ جائیے اور وقار کے انجام سے سبق سیکھیے۔

وقار تین راتوں سے دیر تک جاگ رہا تھا، مگر آج بھی اسے پوری رات جاگنا پڑا۔ کیونکہ کام بہت زیادہ تھا اور اسے پورا کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ اس کا کام فجر کے بعد ختم ہوا، مگر اب سونے کا وقت نہیں تھا۔ آنکھ لگ جاتی تو پتہ نہیں وقت پر اٹھ پاتا یا نہیں۔ چنانچہ وہ جاگتا رہا اور کام پر نظر ثانی کرتا رہا۔ روانگی سے قبل اس نے اپنا اور والدہ کا ناشتہ بنایا۔ ان کے لیے وہی ناشتہ بناتا تھا۔ پھر ایک نرس آجاتی تھی جو اس کی غیر موجودگی میں دن بھر ان کا خیال رکھتی تھی۔ ناشتہ لے کر جب وہ ان کے کمرے میں آیا تو یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ والدہ بستر سے نیچے گری ہوئی تھیں۔ انھوں نے قے کر رکھی تھی، اس میں خون کی کچھ آمیزش بھی تھی۔ یہ دیکھ کر وقار بری طرح گھبرا گیا۔ وہ فوراً اپنی والدہ کو ہسپتال لے کر بھاگا۔ والدہ کی طبیعت کافی خراب لگ رہی تھی۔ وہ ہسپتال پہنچا تو ڈاکٹروں نے انھیں ایڈمٹ کر کے ان کا علاج شروع کر دیا۔

وہ ایمرجنسی کے باہر بے چینی کی حالت میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی والدہ کی طبیعت کبھی کبھی خراب ہو جاتی تھی، مگر اتنی خراب کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس بات کا بہت صدمہ تھا کہ آج اس کی والدہ بیمار ہوئی ہیں، مگر اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ ان کا مکمل علاج کرا سکے۔

اسی پریشانی میں اسے ایک اور پریشانی نے آگھیرا۔ اسے یاد آیا کہ آج آفس میں اس کی موجودگی کتنی ضروری تھی۔ مگر وہ اپنی والدہ کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہاں کہیں نہ کہیں ٹیلیفون ضرور مل جائے گا۔ وہ آفس فون کر کے کم از کم سدرہ کو ساری بات کی اطلاع ہی کر دے۔

یہ سوچ کر وہ ریسیپشن کی طرف گیا جہاں فون موجود تھا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ڈیوٹی پر تعینات شخص فون کان سے لگائے کھڑا ہے۔ وقار نے کچھ دیر انتظار کیا۔ مگر وہ فون چھوڑ ہی نہیں رہا

تھا۔ آخر کار وقار کو اس کی بات میں مداخلت کرنا پڑی۔

مجھے ایک بہت ضروری فون کرنا ہے۔

اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر رکھائی سے کہا۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں اس وقت بات کر رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد آئیں۔

وقار ایمرجنسی کی طرف دوبارہ لوٹ گیا۔ وہاں پہنچا تو ڈاکٹر کو اپنا منتظر پایا۔ ڈاکٹر نے اسے فوری طور پر خون کا بندوبست کرنے کو کہا تھا۔ خون لانے کے لیے وقار کو خود ہی بھاگ دوڑ کرنا تھی۔ چنانچہ وہ ایک بلڈ بینک گیا۔ جن کی شرط یہ تھی کہ پہلے وہ اپنا بلڈ دے جس کے بعد وہ بلڈ دیں گے۔ خیر اس نے کہہ سن کر پہلے اپنی ماں کے لیے خون پہنچایا اور پھر خود واپس آ کر ان کو خون دیا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس کی ماں کی حالت بہتر ہے۔ لیکن ان کا دو تین دن ہسپتال میں رہنا ضروری ہے۔ چنانچہ ان کو ایمرجنسی سے وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا۔

اس وقت تک دوپہر کے ایک بج چکے تھے۔ یہاں سے کچھ اطمینان ہوا تو وقار کو دوبارہ خیال آیا کہ آج آفس میں کتنی اہم میٹنگ تھی۔ اور یہ کہ اس کی غیر موجودگی میں آفس میں کیا حالات پیدا ہو چکے ہوں گے۔ چنانچہ وہ تیزی سے گھر پہنچا اور ساری فائلیں اٹھا کر بھاگم بھاگ آفس پہنچا۔ اسے راستے میں یہ اطمینان تھا کہ انگریزی زبان کی پریزینٹیشن بنا کر آفس میں رکھ آیا تھا اور جمال نے اس کی غیر موجودگی میں وہ اسریٰ کو دے دی ہوگی۔

آفس پہنچتے پہنچتے وقار کو ڈھائی بج چکے تھے۔ اسے دیکھتے ہی سدرہ نے کہا۔

وقار صاحب آپ کہاں غائب تھے؟ آپ کے گھر پر فون کر کر کے میں تھک گئی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ میڈم نے جمال کو آپ کے گھر بھی بھجوایا تھا۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ آپ کا تو کوئی اتا پتا ہی

نہیں تھا۔آپ کہاں تھے؟

ٹیم ہے یا چلی گئی؟

وقار نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے ایک سوال کیا۔اسے اندازہ تھا کہ جو ہوا بہت برا ہوا ہے۔

وہ تو دو بجے چلے گئے۔پانچ بجے ان کی فلائٹ تھی۔

وقار اس سے کچھ کہے بغیر اسریٰ کے کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ جمال اس کے راستے میں آ گیا۔

سر ایک منٹ کے لیے میری بات سن لیں۔بہت ضروری ہے۔

مگر میڈم......

پلیز سر پلیز۔

جمال کا لہجہ گڑگڑانے والا ہو رہا تھا۔

جی بولیے کیا بات ہے؟

سر آپ میرے ساتھ آیئے۔وقار اس کی بات پر کچھ ہچکچاتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔اندر داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا کہ جمال نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے ہیں۔

یہ کیا کر رہے ہو جمال؟

سر آپ کی جاب جا چکی ہے۔میڈم نے سدرہ سے آپ کا ٹرمینیشن لیٹر ٹائپ کروالیا ہے۔لیکن آپ نے یہ بتا دیا کہ کل آپ مجھے انگلش والی پریزینٹیشن کا بتا کر گئے تھے تو میڈم مجھے بھی نہیں چھوڑیں گی۔وہ غصے سے پاگل ہو رہی ہیں۔سر آپ مجھے بچا لیجیے۔میڈم کو اس بارے میں

کچھ نہ بتائیے گا۔

جمال کا لہجہ رونے والا ہو رہا تھا۔

تم نے ان کو اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا۔

سر! میڈم نے پوچھا ہی نہیں تھا اور میں خود اتنا ٹینشن میں تھا کہ اس کے بارے میں کچھ یاد نہیں رہا۔لیکن جب میڈم کو پتہ چلے گا کہ آپ اس کے بارے میں مجھے بتا کر گئے تھے اور یہ پریزینٹیشن دفتر ہی میں موجود تھی تو وہ مجھے کچا چبا جائیں گی۔ مجھے بھی تھوڑی دیر پہلے ہی معلوم ہوا ہے کہ میڈم کو انگلش والی سلائڈز مل جاتیں تو وہ خود ہی پریزینٹیشن دے دیتیں۔

وقار ایک لمحے کے لیے سوچنے لگا۔ جمال اسے خاموش دیکھ کر پھر گڑ گڑایا۔

سر آپ کے پیچھے عظمت صاحب ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے کہنے پر میڈم آپ کو بحال کر دیں۔مگر میرے پیچھے کوئی نہیں۔صرف میرا خاندان ہے۔

اس کی بات پر وقار مسکرا دیا اور دھیرے سے بولا۔

میرے پیچھے میرا رب ہے۔ مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔

پھر اس نے جمال کا کندھا تھپتھپایا۔

مگر تم بے فکر رہو۔تمھارے بارے میں میڈم کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔تمھاری جاب کو کچھ نہیں ہوگا۔

یہ کہہ کر وقار اس کے کمرے سے نکل گیا۔اس کا رخ اسریٰ کے کمرے کی طرف تھا۔

وقار نے دھیرے سے دستک دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر اسریٰ کے کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔اسے معلوم تھا کہ سدرہ اس کے بارے میں اسریٰ کو بتا چکی ہے۔

وہ اندر داخل ہوا تو اسریٰ خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

وقار اس کے قریب پہنچا اور فائلیں اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

آئی ایم سوری۔ مجھے دیر ہوگئی۔ دراصل......

وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسریٰ نے انتہائی سخت لہجے میں کہا:

آپ مزید کچھ مت کہیے۔ اب کچھ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں نے زندگی میں پہلی دفعہ سفارش قبول کی تھی اور آپ نے ثابت کر دیا کہ میرا فیصلہ بالکل غلط تھا۔

پھر اس نے فون اٹھایا اور سدرہ سے کہا

سدرہ اندر آؤ۔

اس نے فون رکھا تو وقار نے کہا۔

مجھے اعتراف ہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔

میں نے آپ سے کچھ بولنے کے لیے نہیں کہا۔

اسریٰ نے انتہائی غصے کے عالم میں کہا۔ اس کی آواز باہر تک گئی۔ سدرہ جو اس وقت تک دروازہ کھول کر اندر آ رہی تھی، خوفزدہ ہوگئی۔ اس نے اسریٰ کو اتنے غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سہمی ہوئی اندر آ گئی۔ اسریٰ اس کی آمد سے بے پروا وقار سے مخاطب ہوئی۔

مسٹر وقار! میری اتنی بے عزتی میرے پورے کیریئر میں نہیں ہوئی۔ آپ ایک انتہائی غیر ذمہ دار شخص ہیں جسے اس بات کا کوئی احساس نہیں کہ اس پر دوسروں نے کیا احسان کیا ہے۔ جسے نہ اپنی ذمہ داری کا احساس ہے نہ ان دوسرے لوگوں کا احساس ہے جنھوں نے اس پر احسان کیا ہے۔ آپ کسی بھی اہم پوسٹ کے لیے بالکل نااہل ہیں۔ آپ اس قابل ہی نہیں کہ آپ پر کوئی

احسان کیا جا سکے۔آپ نے عظمت صاحب کو اور مجھے، ہمارے احسانوں کا بہت برا بدلہ دیا ہے۔

اسریٰ کی آواز اور لہجہ انتہائی سخت تھا۔ وقار خاموش کھڑا رہا۔ برسہا برس میں اس نے اپنی تربیت ایسی کر لی تھی کہ وہ خود پر قابو پانا سیکھ گیا تھا۔

پھر اس نے سدرہ کو مخاطب کر کے کہا۔

وقار صاحب سے ابھی چارج لے لو۔ فائلیں بھی لے لو اور ان کا ٹرمینیشن لیٹر ان کے حوالے کر دو۔

پھر وہ انتہائی سخت لہجے میں وقار سے مخاطب ہوئی:

Get out. I don't want to see your face ever again.

وقار اس توہین پر بالکل خاموش رہا۔ سدرہ نے آگے بڑھ کر فائلیں اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور ستے ہوئے لہجے میں بس اتنا کہا:

سر پلیز......

وقار جانے کے لیے مڑا پھر کچھ سوچ کر دوبارہ اسریٰ کی طرف رخ کر کے بولا۔

ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میری وجہ سے آپ کو بہت پریشانی ہوئی۔ آئی ایم ویری سوری۔

اسریٰ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور بے رخی سے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

وقار خاموشی سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

وقار کی والدہ تین دن بعد گھر آ گئیں۔ ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ وقار اب چوبیس گھنٹے ان کے پاس رہ کر ان کی خدمت کر رہا تھا۔ ایک روز انھوں نے پوچھ لیا۔

بیٹا تو آفس کیوں نہیں جا رہا؟

امی آپ کی بیماری زیادہ اہم ہے۔ یہ سمجھیں کہ آفس والوں نے چھٹی دے دی ہے۔

بیٹا کب تک چھٹیاں لے گا۔ یہ سلسلہ تو چلتا رہے گا۔اب تو آفس چلا جا۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔

میں چلا جاؤں گا آپ بے فکر رہیں۔

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔

میں سوچ رہا ہوں کہ کچھ عرصے کے لیے جاب چھوڑ دوں۔آپ کی طبیعت سنبھل جائے گی تو دوبارہ جاب کرلوں گا۔

نہیں بیٹا ایسا کیسے چلے گا؟

وقار کی والدہ نے فوراً کہا۔

وہ سوچ رہی تھیں کہ بڑی مشکل سے تو وقار نے کوئی ملازمت کی تھی، اب وہ ملازمت چھوڑ دیتا تو یہ بہت برا ہوتا۔مگر وقار ان کی بات کے جواب میں خاموش رہا۔پھر وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

وقار اپنے کمرے میں خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ ڈاکٹرز نے اسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اس کی والدہ کی صورتحال خراب ہوتی جا رہی ہے۔مگر وہ کیا کرسکتا تھا۔ اگر اس کی جاب نہیں جاتی اور پروجیکٹ کامیاب ہوجاتا تو پھر وہ اسریٰ سے بات کرتا۔ اس صورت میں اسے امید تھی کہ علاج کا کچھ نہ کچھ بندوبست ہوجاتا۔مگر اب تو وہ امید بھی ختم ہوچکی تھی۔ دوسری کوئی جاب ملنا اتنا آسان نہ تھا۔اگر مل بھی جاتی تو اس پہلی جاب جیسی نہیں ہوتی۔

پھرنئی ملازمت ملتی تو نجانے کب ملتی اور جب ملتی تو وہاں جگہ بنانے اور پیسے ارینج کرنے میں نجانے کتنا وقت لگتا۔ گویا کہ سارے اسباب اور امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔

جب دل بہت پریشان ہوا تو وہ اٹھا اور جائے نماز بچھا کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وہ کافی دیر تک نماز میں کھڑا رہا۔ سجدے میں گیا تو دل بھر آیا۔ وہ آنسوؤں کے ساتھ خدا سے مخاطب ہوا۔

میرے رب! میرے سارے احوال کی تجھ کو خبر ہے۔ میں اپنے سامنے اپنی ماں کو موت کے دروازے پر دیکھ رہا ہوں اور اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا، سوائے تجھ سے دعا کرنے کے۔ اس سے پہلے میں نے اپنی بیوی کی دفعہ تجھ سے بہت دعا کی تھی، مگر میری دعائیں بے کار گئی تھیں۔ مالک میں اس وقت امیر تھا۔ لیکن اب ہر پہلو سے فقیر ہوں۔ پروردگار آج ایک فقیر تیرے در پر جھولی پھیلا کر خالی ہاتھ چلا گیا تو یہ فقیر کچھ نہیں کہے گا، لیکن دنیا کیا کہے گی۔ پروردگار سوچ تو سہی روز حشر دنیا کیا کہے گی کہ ایک فقیر، رب کائنات کے ہاں سے خالی ہاتھ گیا تھا۔

یہ کہہ کر وقار نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

دو تین دن اور اسی طرح مزید گزر گئے۔ وقار کی والدہ کو اسے گھر میں دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ وقار نے جاب چھوڑ دی ہے۔ انھوں نے عظمت صاحب کو فون کر کے یہ بات بتائی تا کہ وہ وقار کو سمجھائیں۔ وہ اسی شام وقار کے گھر آ گئے۔ انھوں نے آتے ہی کہا۔

سر بیگم صاحبہ بتا رہی تھیں کہ آپ نے جاب چھوڑ دی ہے؟

جی۔ وقار بس اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

عظمت صاحب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

سر! وہ جاب بہت زبردست تھی۔ ایسی جاب دوبارہ ملنا بہت مشکل ہے۔ اسریٰ سے میں

نے پوچھا تو اس نے بھی آپ کی تعریف کی تھی۔ بلکہ وہ مجھے یقین دلا رہی تھی کہ آپ کو وہ مستقل کرادے گی۔ میں یہ کہوں گا کہ یہ بہت غلط فیصلہ ہے۔ سر آپ اپنا فیصلہ بدلیں۔ میں آج ہی اسریٰ سے بات کرتا ہوں۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ہو سکے تو کوئی اور جاب ڈھونڈ دیں۔

وقار نے آہستگی سے کہا تو عظمت صاحب نے فوراً کہا۔

بھئی کوئی اور جاب کیوں۔ اسریٰ تو میری اپنی بچیوں کی طرح ہے۔ اِدھر کہوں گا اُدھر آپ کو دوبارہ رکھ لے گی۔

نہیں نہیں۔ اس سے بات نہ کریں۔ دراصل اس نے مجھے ٹرمینیٹ کر دیا ہے۔

اسریٰ نے آپ کو ٹرمینیٹ کر دیا ہے؟

عظمت صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

مگر کیوں؟ ایسا کیا ہوا تھا؟

جواب میں وقار نے اسے پوری بات بتا دی۔ لیکن جمال والی بات اسے نہیں بتائی۔ اپنی بات ختم کر کے وقار نے ان سے کہا۔

لیکن آپ پلیز اسریٰ سے کوئی بات نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اس معاملے میں سو فی صد میری غلطی ہے۔

مگر آپ مجبور تھے۔ میں نے آپ کے ساتھ بہت کام کیا ہے۔ آپ ہمیشہ لوگوں کی ایسی مجبوریوں پر ان کا لحاظ کرتے تھے۔ اسریٰ کو بھی کرنا چاہیے تھا۔

نہیں یہ پروجیکٹ بہت اہم تھا۔ میری وجہ سے کمپنی میں اسریٰ کی پوزیشن خراب ہوگئی ہے۔ اس نے جو کیا ٹھیک کیا۔

آپ اب بھی اس کی حمایت کر رہے ہیں۔

وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ اور پلیز اس کے پاس جا کر اسے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ماضی میں میرا اس سے کیا تعلق رہا ہے۔ یہ میری آپ سے ریکویسٹ ہے۔

ٹھیک ہے۔ پھر میں اجازت چاہتا ہوں۔

ہو سکے تو کہیں اور کوشش کریں۔ جاب اس وقت میری ضرورت ہے۔

انھوں نے کچھ کہے بغیر گردن ہلائی۔

انھوں نے دل میں سوچ لیا تھا کہ ایک دفعہ وہ اسریٰ سے ضرور ملیں گے۔

فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے اسریٰ کی پی اے سدرہ کی آواز آئی۔

میم! عظمت صاحب آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ میں نے بتایا ہے کہ آپ میٹنگ میں ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ آپ سے فوراً ملنا ہے۔

ٹھیک ہے انھیں اندر بھیج دو۔

اسریٰ نے فون رکھا اور سامنے بیٹھے ہوئے اسٹاف کے لوگوں سے کہا۔

جنٹلمین! ہم بیشتر باتیں کر چکے ہیں۔ جو چیزیں رہ گئی ہیں، ان پر ہم کچھ دیر میں دوبارہ بات کر لیں گے۔

نو پروبلم میم۔ یہ کہہ کر اسٹاف کے لوگ اٹھ کر باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد دستک ہوئی اور عظمت صاحب اندر داخل ہوئے۔ انھیں دیکھ کر اسریٰ اپنی نشست سے کھڑی ہوگئی اور خوش دلی سے ان کا استقبال کرتے ہوئے بولی۔

السلام علیکم سر! آپ نے خود کیوں زحمت کی۔ مجھے فون کر دیتے۔

اسریٰ کو یہ کہتے وقت اندازہ تھا کہ عظمت صاحب اس وقت کیوں آئے ہیں۔ پچھلے ہفتے اس نے وقار کو جاب سے نکالا تھا۔ یہ عظمت صاحب ہی تھے جن کی سفارش پر اس نے وقار کو ملازمت پر رکھا تھا۔ وہ عظمت صاحب کا کہنا ٹال نہیں سکتی تھی۔ لیکن اسریٰ ایک با اصول اور سخت گیر ایڈمنسٹریٹر تھی۔ وہ اس طرح کی غلطیاں معاف نہیں کرتی تھی۔ اب یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کی سفارش پر وہ وقار کو دوبارہ جاب پر رکھتی۔ اب اسے عظمت صاحب کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں اس فیصلے سے مطلع کرنا تھا۔ ان کا استقبال کرتے ہوئے وہ ذہنی طور پر خود کو اس مشکل کام کے لیے تیار کر چکی تھی۔

وعلیکم السلام۔ کوئی بات نہیں۔ میں خود حاضر ہو گیا ہوں۔

عظمت صاحب نے اندر آتے ہوئے جواب دیا۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

تشریف رکھیے۔ اسریٰ نے اپنے سامنے رکھی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عظمت صاحب بیٹھ گئے تو اس نے دریافت کیا۔

آپ کیا لیں گے؟ چائے یا......

عظمت صاحب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسی سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

آپ نے وقار صاحب کو جاب سے نکال دیا ہے؟

اسریٰ نے محکم لہجے میں ان کو جواب دینا شروع کیا۔

جی ہاں! انھوں نے انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے انھیں ایک انتہائی اہم پروجیکٹ کی ذمہ داری دی تھی۔ اس سلسلے میں بیرون ملک سے ایک ٹیم میٹنگ کے لیے آئی تھی۔ مگر عین میٹنگ والے دن وہ آفس سے غائب ہو گئے۔ نہ انھوں نے خود کوئی اطلاع دی نہ گھر پر کوئی خیر خبر چھوڑی۔ وہ اس پورے پروجیکٹ کے انچارج تھے۔ غیر ملکی ٹیم ان کی پریزینٹیشن کے

لیے خاص طور پر یہاں آئی تھی۔ مگر ان کی وجہ سے وہ اس پروجیکٹ کو فائنل کیے بغیر واپس لوٹ گئی۔ مجھے جتنی شرمندگی اس روز ہوئی، پورے کیریئر میں نہیں ہوئی۔ میں اصولوں کی سخت پابند ہوں۔ اس طرح کی غیر ذمہ داری برداشت نہیں کرسکتی۔ انھوں نے بھی اپنی غلطی تسلیم کی تھی۔

کیا آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟

نہیں! میں نے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہمارے ہاں لوگوں کے پاس بہانوں کی کمی نہیں ہوتی۔ یقیناً ان کے پاس بھی ہوگا۔ مگر میں اس طرح کے بہانے سننے کی عادی نہیں۔ یہی میرا اصول بھی ہے اور یہی میری ترقی کا راز بھی ہے۔

اسریٰ کے لہجے میں غصہ تھا۔ وہ بولتے بولتے ایک لمحے کے لیے رکی اور قدرے نرمی سے بولی۔

عظمت صاحب! میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں۔ آپ پلیز ان کی سفارش نہیں کیجیے گا۔ میں نے پہلی دفعہ بھی ان کو آپ کے کہنے پر رکھا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ وہ قابل بھی ہیں، ذمہ دار بھی اور ضرورت مند بھی۔ میں نے صرف آپ کے کہنے پر اپنی ذمہ داری پر ان کو اتنا اہم عہدہ دیا تھا۔ مگر وہ انتہائی غیر ذمہ دار ثابت ہوئے۔ میں اب کوئی ایسا کام نہیں کروں گی جس سے میری کمپنی کو نقصان ہو۔

اسریٰ کے لہجے میں قطعیت تھی۔ عظمت صاحب اس کی بات خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر چپ چاپ اپنی نشست سے اٹھ کر باہر جانے لگے۔

انھیں یوں خاموشی سے باہر جاتا دیکھ کر اسریٰ کو اپنے رویے کی سختی کا احساس ہوا۔ وہ بھی اپنی نشست سے کھڑی ہوگئی اور پیچھے سے انھیں آواز دی۔

عظمت صاحب! میں آپ کو مایوس کرنے پر بہت شرمندہ ہوں اور معافی چاہتی ہوں۔ میں

وقار صاحب کو جاب پر تو نہیں رکھ سکتی، لیکن اگر وہ واقعی ضرورت مند ہیں تو میں ان کی کچھ مدد کر سکتی ہوں؟ لیکن میں یہ صرف اور صرف آپ کی وجہ سے کروں گی۔ مجھ پر آپ کے بہت احسانات ہیں۔ میں آپ کے احسان بھول نہیں سکتی۔

اسریٰ کی بات سن کر عظمت صاحب کے اٹھتے ہوئے قدم رک گئے۔ وہ دھیرے سے مڑے، غور سے اسریٰ کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کمرے میں مکمل خاموش رہی۔ پھر وہ چلتے ہوئے اسریٰ کے قریب آئے اور بولے:

آپ وقار صاحب کی کیا مدد کر سکتی ہیں......

جو آپ کہیں......

اسریٰ کی بات ابھی ادھوری ہی تھی کہ عظمت صاحب کی غصے سے بھرپور آواز بلند ہوئی۔

میں پوچھ نہیں رہا ہوں...... بتا رہا ہوں کہ تمھاری کیا اوقات ہے کہ تم وقار صاحب جیسے عظیم انسان کی کوئی مدد کر سکو۔

ان کی بات سن کر اسریٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ عظمت صاحب کو وہ دس برسوں سے جانتی تھی۔ جب وہ محتاج اور ضرورت مند لڑکی تھی تب بھی انھوں نے اس سے اس لب و لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ اس وقت وہ جس مقام پر تھی، عظمت صاحب کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان جیسے درجنوں لوگ اس کے نیچے کام کرتے تھے۔ ان کی بات سے اسریٰ کو اپنی توہین محسوس ہوئی۔ مگر وہ اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولی:

آپ میرے محسن ہیں۔ اس لیے آپ جو چاہیں مجھے کہہ لیں۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔ مگر وقار صاحب کے معاملے میں کچھ نہیں کر سکتی۔

اسریٰ کی بات پر عظمت صاحب قدرے نرمی سے بولے:

سوری اسریٰ۔آپ میری بیٹی کی عمر کی ہیں۔ اس لیے میرا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔وہ مزید کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر بول نہیں پا رہے تھے۔ان کا چہرہ ان کے اندر جاری ایک کشمکش کا غماز تھا۔

کوئی بات نہیں سر۔آپ میرے محسن ہیں۔

اسریٰ کی اس بات پر عظمت صاحب نے اس سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں شاید یہاں سے خاموشی سے چلا جاتا مگر آپ بار بار احسان کی بات کر رہی ہیں۔اس لیے چاہتا ہوں کہ اپنا وعدہ توڑ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لوں۔سوچتا ہوں کہ کبھی آپ کو حقیقت معلوم ہو گئی تو آپ خود کو معاف نہیں کر سکیں گی۔

میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا کیا مطلب ہے؟

ان کی بات کا مطلب اسریٰ کو واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔عظمت صاحب نے اپنی بات سمجھانے کے لیے ماضی کے ورق الٹنے شروع کر دیے۔

اسریٰ !اللہ نے آج آپ کو بہت عزت اور مقام دے رکھا ہے۔مگر ایک زمانہ تھا کہ آپ ہمارے آفس آئی تھیں۔ایک کمزور ڈری سہمی ہوئی لڑکی ...... جس کے خواب تھے۔جس کی امیدیں تھیں۔آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں نے جس ادارے میں داخلہ لیا ہے اس کی فیس بہت زیادہ ہے،کیا میری فیس کا بندوبست ہو سکے گا؟ میں نے جواب میں کہا تھا کہ یہ بہت مشکل ہے۔یہی جواب آپ کو ہماری میڈم سونیا نے بھی دیا تھا۔

جی مجھے یاد ہے۔مگر بعد میں میڈم سونیا نے میری تعلیم کے سارے اخراجات اٹھائے تھے۔ اور اسی بنا پر میں آج اس مقام پر پہنچی ہوں۔

عظمت صاحب نے اسریٰ کی بات سنی ان سنی کر دی۔

مجھے اب بھی یاد ہے کہ جب آپ میرے باس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں تو آپ کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے تھے۔آپ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ایسے میں ایک مہربان شخص نے آپ پر رعب جمانے کے بجائے آپ کی ہمت افزائی کی تھی۔

اسریٰ خاموش رہی۔اسے یہ بات یاد نہیں تھی۔

یہی وہ شخص تھا جس نے آپ کی مسترد شدہ درخواست کو منظور کرتے ہوئے اپنی بیوی یعنی میڈم سونیا کی مرضی کے برخلاف آپ کے مکمل تعلیمی اخراجات اٹھائے تھے۔

اسریٰ کو اس بات کا کوئی علم نہ تھا۔اس کا واسطہ تو اُس تمام عرصے میں میڈم سونیا سے پڑا تھا یا عظمت صاحب سے۔

عظمت صاحب اس کے احساسات سے بے پروا بولتے رہے۔

اس لیے آپ جن احسانوں کا بار بار ذکر کر رہی ہیں وہ میرے نہیں اُس شخص کے احسانات ہیں۔

یہ کہہ کر عظمت صاحب ایک لمحے کے لیے رکے اور اسریٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے:

اسریٰ بی بی! جانتی ہیں وہ شخص کون ہے؟ وہ یہی وقار صاحب ہیں جن کو آپ نے بے عزت کر کے جاب سے نکالا ہے۔

مگر......اسریٰ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔اسے ایک زبردست شاک لگا تھا۔

آپ ان کو بالکل نہیں پہچانی ہوں گی۔دس برسوں میں ان کی زندگی بدل گئی۔ان کا ظاہر باطن سب کچھ بدل گیا۔ویسے بھی آپ ان سے صرف دو تین منٹ کے لیے ملی تھیں۔آپ انھیں کیسے پہچان سکتی تھیں؟ کہاں وہ اتنا کامیاب بزنس مین اور کہاں یہ ملازمت کی تلاش کرتا ہوا آپ کے نیچے کام کرنے والا ایک ملازم۔کہاں وہ جوان رعنا اور کہاں یہ بالوں اور ڈاڑھی میں سفیدی

کی آمیزش لیے جوانی کی سرحدوں کو الوداع کہنے والا شخص۔

یہ آپ کو مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا۔

یہ کہتے ہوئے اسریٰ کے لہجے میں شکایت تھی۔

انھوں نے منع کر دیا تھا۔ مگر میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی۔ آپ کی تعلیم کے دوران میں ان کی اہلیہ سونیا کا انتقال ہو چکا تھا۔ میڈم سونیا وقار صاحب کی بیوی، ان کی محبت اور ان کی بزنس پارٹنر سب کچھ تھیں۔ ان کے ساتھ ہی وقار صاحب کی زندگی بھی ختم ہوگئی۔ رفتہ رفتہ ان کا کاروبار بھی ختم ہوگیا۔ جس کے بعد اسٹوڈنٹس کو اسکالرشپ دینے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ لیکن حالات کی ساری خرابی کے باوجود انھوں نے آپ کی اسکالرشپ ختم نہیں کی۔ اپنی جس بچت سے وہ خود گزارا کر رہے تھے، اسی میں سے آپ کی تعلیم کے اخراجات پورے کیے۔

اسریٰ گم سم کھڑی رہی۔ اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔

اور اب سنیے کہ جس شخص کو آپ نے احسان فراموش کہا خود آپ اس کے احسان کے بوجھ تلے کس حد تک دبی ہوئی ہیں۔ آپ کی تعلیم کے بالکل آخری برس میں آپ نے اپنے والد کے کے لیے مجھ سے مدد مانگی تھی۔ میڈم سونیا کے نام ایک خط بھی لکھا تھا۔

ہاں مجھے یاد ہے۔ مگر آپ نے بتایا تھا کہ میڈم سونیا کا انتقال ہو چکا ہے۔

ہاں مگر وقار صاحب زندہ تھے اور چلتے پھرتے بے حس انسانوں کے اس قبرستان میں شاید وہی زندہ انسان ہیں۔ میں نے آپ کا خط ان کو دے دیا تھا۔ انھوں نے آپ کی مدد کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لیے اپنی مرحوم بیوی کے زیورات بیچ دیے کہ آپ کے والد بچ سکیں۔ آپ کے والد تو بچ گئے مگر وقار صاحب کی مالی پوزیشن اور خراب ہوگئی۔

مگر آپ نے تو کہا تھا کہ کسی صاحب حیثیت شخص نے علاج کے اخراجات ادا کیے تھے۔

یہ کہتے ہوئے اسریٰ کی آواز روہانسی ہو رہی تھی۔

وقار صاحب نے اپنا نام بتانے سے منع کیا تھا۔ مگر ابھی آپ سنتی رہیں کہ میرے پاس آپ کو سنانے کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے۔ وقار صاحب نے کبھی ملازمت نہیں کی۔ یہ ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ ان کے حالات خراب ہوتے چلے گئے۔ انھوں نے میڈم سونیا کے بعد دوبارہ شادی بھی نہیں کی۔ وہ جیسے تیسے گزارا کر رہے تھے۔ مگر پھر ایک ایسی مجبوری آ گئی جس کی بنا پر ان کو ملازمت کرنا پڑی۔ ان کی والدہ کو بھی وہی مرض ہو گیا جو آپ کے والد کو ہوا تھا۔ مگر اب کوئی اور ''وقار'' ان کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ وہ آپ کی طرح کسی کو خط لکھ کر رحم کی بھیک بھی نہیں مانگ سکتے تھے۔ ان کے حالات دیکھ کر میں نے ان کو ملازمت کرنے کے لیے کہا تا کہ والدہ کی بیماری کے کچھ اخراجات تو پورے ہو جائیں۔ میں ہی ان کو آپ کے پاس یہ کہہ کر لایا تھا کہ یہ آپ کا لگایا ہوا درخت ہے۔ اس کے سائے میں بیٹھ کر آپ کو اچھا لگے گا۔ مگر انھوں نے اسی شرط پر یہاں ملازمت قبول کی تھی کہ میں آپ کو ان کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مگر جو کچھ یہاں ان کے ساتھ ہوا، اس کے بعد آپ کا تو نہیں معلوم لیکن مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی ہے۔

وقت نے اسریٰ کو بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ اس نے زندگی میں بڑی جدوجہد کی تھی۔ باپ کی بیماری اور پھر ان کی موت دیکھی۔ چھوٹی بہنوں کی ذمہ داریاں اس نے بڑے حوصلے سے پوری کی تھیں۔ ایک لڑکی ہونے کے باوجود مردوں کی دنیا میں اس نے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کیا تھا اور زندگی میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر لیا تھا۔ وہ خود کو زندگی میں بہت کامیاب و کامران سمجھتی تھی۔ مگر آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی دوڑ میں جیت کر بھی ہار چکی ہے۔ وہ زندگی کی جدوجہد کے میدان میں کامیاب تھی، مگر زندگی کے امتحان میں مکمل ناکام ہو گئی تھی۔ اس کی ٹانگیں جواب دے گئیں۔ وہ خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں

سے اپنا چہرہ چھپالیا۔اسے بھی اپنے آپ سے شرم آرہی تھی۔

عظمت صاحب اس کی کیفیت سے بے پروا بولتے رہے۔

اور جس روز وہ دفتر نہیں آسکے تھے، اس روز ان کی والدہ کی طبیعت اچانک بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔وہ یا تو اپنی ماں کو مرنے کے لیے گھر میں چھوڑ کر آپ کو خوش کرنے کے لیے یہاں آجاتے یا پھر انھیں ہسپتال لے کر جاتے۔مگر ماں کی جان بچانے کے جرم میں آپ نے انھیں نوکری سے نکال دیا۔اور یہ کام اس لڑکی نے کیا ہے، جو اپنے باپ کی زندگی کے لیے وقار صاحب ہی سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔اور اس عظیم آدمی نے اپنی مرحوم بیوی کے زیورات بیچ کر رحم کی بھیک دی۔

یہ کہہ کر عظمت صاحب ایک طنزیہ ہنسی ہنسے اور بولے۔

مگر میں یہ باتیں کس کو بتارہا ہوں۔ان لوگوں کو جن کے سینے میں دل کی جگہ پتھر ہے۔جو اپنے خودساختہ اصولوں کو وجہ بنا کر انسانیت، رحم اور ہمدردی کا سبق بھول جاتے ہیں۔جن کے نزدیک اس دنیا کی ترقی اور کامیابی ہی سب کچھ ہے۔جو اپنی مشکل کو مشکل سمجھتے ہیں اور دوسروں کی مشکلات کو سمجھنے کے لیے بے حس بن جاتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے عظمت صاحب کے لہجے میں بڑی سختی تھی۔ان کی زبان سے تیر نکل کر اسریٰ کے دل کو چھلنی کررہے تھے۔مگر وہ جواب میں کیا کہتی۔وہ اسی کی مستحق تھی۔وہ بولتے رہے۔

مگر اسریٰ بی بی! آپ اپنا دل نہ چھوٹا کیجیے نہ اپنا چہرہ چھپائیے۔انھوں نے آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔انھوں نے جو کیا اپنے رب کے لیے کیا۔صرف آپ ہی نہیں، آپ جیسے نجانے کتنے لوگ ہیں جن کے لیے انھوں نے بہت کچھ کیا۔مگر نہ بدلہ مانگا نہ احسان جتلایا۔ان کا بدلہ تو ان کا رب ہی دے گا۔

رہیں آپ تو آپ اطمینان کے ساتھ اپنا کیریئر بنائیں۔شاندار زندگی گزاریں اور لوگوں کو بتائیں کہ آپ نے زندگی میں جو پایا اپنی محنت، جدوجہد، ذہانت اور اصول پسندی کی وجہ سے پایا۔مگر جب آپ جیسے لوگ مریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ اس دنیا کے سب سے زیادہ محروم اور نامراد لوگ ثابت ہوئے ہیں۔اور وقار صاحب جیسے لوگ خدا کے ہاں سب سے زیادہ عزت اور قرب پائیں گے۔اس روز آپ کو اپنی اوقات کا اندازہ ہوجائے گا اور اس بات کا بھی کہ وقار صاحب کی حیثیت خدا کے ہاں کیا ہے۔

یہ کہہ کر عظمت صاحب خاموش ہوگئے۔کمرے میں بالکل کچھ دیر کے لیے مکمل سکوت طاری ہوگیا۔پھر عظمت صاحب کی آواز دوبارہ اسریٰ کے کانوں میں آئی۔

وقار صاحب نے مجھے یہاں آنے کے لیے نہیں کہا۔ان کو آپ سے کوئی شکایت بھی نہیں ہے۔انھیں آپ کے حوالے سے ایک ہی بات کی فکر تھی جو یہاں ملازمت کے لیے آنے کے بعد انھوں نے مجھ سے کہی تھی۔

عظمت صاحب کی بات پر اسریٰ نے اپنے ہاتھوں سے آنکھوں اور چہرے کو ملتے ہوئے ان آنسوؤں کو صاف کیا جو مسلسل اس کی آنکھوں سے نکل رہے تھے۔پھر سر کو اٹھا کر عظمت صاحب کو دیکھا۔اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا، مگر نم آنکھوں میں سوال تھا۔

انھوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے اس لڑکی کی دنیا بنادی ہے، مگر افسوس کہ اس کی آخرت تباہ ہوجائے گی۔میں اس کی اصل زندگی، آخرت کی زندگی کے لیے کچھ نہیں کرسکا۔ان کی بات حرف بحرف ٹھیک ثابت ہوئی۔آپ نے وقار صاحب کے ساتھ جس رویے کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے بعد خدا آپ کو معاف نہیں کرے گا۔

اسریٰ کو سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بات کا کیا جواب دے۔اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

اور ایک آخری بات۔ پلیز اب وقار صاحب سے رابطہ مت کیجیے گا۔انھوں نے مجھے آپ کے پاس آنے سے منع کیا تھا اور یہ وعدہ لے رکھا تھا کہ میں آپ کو ان کے احسانات کے متعلق کچھ نہیں بتاؤں گا۔مگر جب آپ پستی میں گریں تو مجھے بھی اس پستی میں اتر کر ایک عظیم انسان سے کیا ہوا اپنا وعدہ توڑنا پڑا۔ اس لیے مجھ پر یہ احسان کیجیے گا کہ وقار صاحب سے اب رابطہ کر کے ان کی مدد کی کوشش مت کیجیے گا۔ وقار صاحب اور ان کی والدہ کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ عزت کی موت مر جائیں۔ بجائے اس کے کہ وہ آپ جیسے بے حس لوگوں سے کوئی مدد لیں۔ اللہ ان کے لیے کسی نہ کسی فرشتے کو بھیج دے گا۔ ورنہ موت کا فرشتہ آ کر انھیں ان کے سارے غموں سے نجات دے ہی دے گا۔

یہ کہہ کر عظمت صاحب اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر باہر چلے گئے۔ان کے جانے کے بعد کمرے میں سناٹا طاری ہوگیا۔بس ایک طوفان تھا جو اسریٰ کے دل میں اٹھ رہا تھا۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر روئے۔ مگر وہ مجبور تھی کہ خود پر قابو رکھے۔ وہ دیر تک خود سے لڑتی رہی۔ پھر اس نے بمشکل خود پر قابو پایا اور سدرہ کو فون کر کے کہا۔

میری ساری اپائنٹمنٹس کینسل کر دو۔ اور ڈرائیور سے کہو کہ گاڑی نکالے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔

اسریٰ گھر پہنچی اور کپڑے تبدیل کیے بغیر بستر پر دراز ہوگئی۔ وہ خاموش لیٹی تھی اور سوچے جا رہی تھی۔ اسریٰ کو اپنی شخصیت پر بڑا اعتماد تھا۔ اسے اپنے اوپر بہت مان تھا۔اس نے بلاشبہ زندگی میں بڑی غیر معمولی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ وہ ان سب کامیابیوں کا کریڈٹ اپنی محنت، جدوجہد، لیاقت اور عزم و صلاحیت کو سمجھتی آئی تھی۔ زندگی میں اس نے جو چاہا پالیا۔ جو سوچا اسے حاصل کر لیا۔ بہت کم عمری میں وہ اپنے شعبے کے بام عروج پر تھی۔ مگر آج وہ پاتال کی

گہرائیوں میں جا گری تھی۔ وہ آج کسی پہاڑ سے نہیں بلکہ اپنی نگاہوں سے گر گئی تھی۔

اس کا دکھ صرف اتنا نہیں تھا کہ اس نے وقار کے ساتھ انجانے میں زیادتی کی تھی۔ اس کو زیادہ تکلیف اس بات سے تھی کہ اس کی زیادتی کے جواب میں وقار بالکل خاموش رہا تھا۔ وہ اگر اپنے احسان جتا دیتا، اسے برا بھلا کہتا، اسے احسان فراموش قرار دیتا تو اسریٰ کو کچھ اطمینان ہو جاتا۔ مگر وقار کے بے پناہ صبر نے اسریٰ کے وجود کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔

اس کے سامنے اس کی سابقہ زندگی کے سارے برس گزر رہے تھے۔ اسے ذہن پر زور ڈالنے پر وہ لمحے یاد آ گئے جب وہ پہلی دفعہ وقار کے آفس گئی تھی۔ اس کے ذہن میں اس کی کوئی شکل تو نہیں تھی بس یہ یاد تھا کہ میڈم سونیا کے برابر میں کوئی بہت وجیہہ شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے تو صرف سونیا ہی کو دیکھا تھا اور اسی پر غور کیا تھا۔ بلکہ سونیا کی تصویر اس کی نگاہوں میں بس گئی تھی۔ وہ تھی ہی ایسی متاثر کن شخصیت کی مالک ......دلکش...... دلنشین۔ سونیا کا خیال آنے پر اسریٰ اٹھی اور بیڈ روم میں موجود قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو غور سے دیکھنے لگی۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ غیر شعوری طور پر اس نے سونیا کو کاپی کیا ہے اور وہ کسی نہ کسی درجے میں خود ہی سونیا بن گئی ہے۔

جس شخص کی سونیا جیسی بیوی جوانی میں مر جائے اس پر کیا گزری ہوگی۔ وقار نے شاید ٹھیک ہی دنیا چھوڑی تھی۔ جس شخص کی کائنات اس طرح تباہ ہو جائے اس کی دنیا کیسے باقی رہ سکتی ہے۔

اس کا سارا بزنس تباہ ہو گیا۔ لیکن اس نے اسریٰ کی مدد نہیں چھوڑی۔ وہ اسریٰ کی دنیا بناتا رہا۔

اسریٰ نے سوچا کہ اگر وقار دوران تعلیم اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتا تو کیا ہوتا؟ اسریٰ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ پھر تعلیم کی فیس ہی نہیں دیگر اخراجات بھی وہ فیاضی سے اسے دیتا رہا۔ اور پھر......

اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھی اپنے والد کی تصویر پر ایک نگاہ ڈالی۔ اس وقت اسریٰ کتنی تکلیف میں آ گئی تھی جب اس کے والد بیمار ہوئے تھے۔ وہ کس طرح بے بس ہو کر باپ کو مرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اسے اس بے کسی کا ایک ایک لمحہ آج بھی یاد تھا۔

اور پھر اس کے ایک خط پر وقار نے اس کی مدد کی۔ اور اپنی بیوی کے زیور بیچ کر مدد کی۔ مگر جواب میں اس نے کیا کیا؟ وقار اسی بے بسی کا شکار ہوا تو اس نے اسے ذلیل کر کے ملازمت سے نکال دیا تھا۔

اسریٰ کا دل چاہا کہ وہ اپنے سر کے بالوں کو نوچ ڈالے۔ وہ اپنے سر کے بال مٹھی میں پکڑ کر آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

میں ایسی بے حس تو نہیں تھی۔ کیا کامیابی، ترقی، دولت اور مقام انسان کو اتنا بے حس کر دیتے ہیں؟

پھر اس نے خود سے سوال کیا۔

مگر یہ سب کچھ وقار کے پاس بھی تو تھا؟

آئینہ خاموش رہا تو اس نے اس سے ایک اور سوال کر لیا۔

اسریٰ تم تو ابھی بھی ایک ملازم ہو۔ وہ تو ایک بزنس ایمپائر کا مالک تھا۔ وہ بے حس کیوں نہیں بنا؟ طاقت اور پیسہ آنے پر تم کیوں بدل گئیں؟

اس کے ضمیر نے جواب دیا۔

نہیں اسریٰ! دولت نے تمھیں بدلا نہیں ہے۔ دولت نے تمھیں بے نقاب کیا ہے۔ دولت گھٹیا لوگوں کو بدلتی نہیں، انھیں بے نقاب کرتی ہے۔ تم شروع ہی سے ایک پست اور سطحی انسان تھیں۔ کمزوری کے وقت بھیک مانگنے والی اور طاقت کے وقت دوسروں پر ظلم ڈھانے والی۔ صرف اپنی ذات، مفاد اور شخصیت کے بارے میں سوچنے والی گھٹیا انسان۔

اس کے ضمیر نے اس پر کوڑوں کی بارش کر دی۔ وہ بلبلا اٹھی۔

مگر میں ایسی نہیں ہوں۔ وہ زور سے چلائی۔

میں ایسی نہیں ہوں۔ میں نے اپنے پورے خاندان کا بوجھ اٹھایا ہے۔ میں نے قربانی دی ہے۔ خود شادی نہیں کی اور دونوں بہنوں کی شادیاں کر دیں۔ ماں باپ کا بیٹا بن کر انھیں ایک اچھی زندگی دی۔

یہ کہتے ہوئے اسریٰ زور زور سے رونے لگی۔ اس کے سینے میں ایک طوفان تھا جو تھم ہی نہیں رہا تھا۔ بہت دیر تک اس کی آنکھیں برستی رہیں۔ پھر دبی دبی سسکیوں کے درمیان اس نے سوال کیا۔

میں ایسی تو نہیں تھی۔ مجھ میں یہ تبدیلی کیسے آ گئی؟

آخر کار اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ اس کے دل نے اسے اصل مسئلہ سمجھا دیا۔

میرے ماحول نے مجھے بدلا ہے۔ میرے ارد گرد سارے ایسے ہی لوگ تھے۔ کیریئر، مال، دولت، مقام، خوبصورتی، مرتبے اور طاقت کے پیچھے بھاگنے والے۔ بلکہ سارا معاشرہ ہی ایسا ہے۔ ہر شخص مادیت اور سطحیت کا اسیر ہے۔ سب اسی دوڑ میں لگے ہیں۔ تو بس میں بھی اسی دوڑ میں شامل ہو گئی۔ میں بھی دوسروں جیسی بن گئی۔

پھر ایک اور سوال سر اٹھا کر اس کے سامنے آ گیا۔

لیکن وقار ایسا کیوں نہیں بنا؟ جب وہ دولت مند تھا، جب بھی دولت اس کی غلام رہی اور کبھی اس کی آقا نہیں بن سکی۔ اور جب وہ غریب ہوا، تب بھی اس کا کردار بے مثال رہا۔

اسے ایک آخری بات یاد آئی۔ اس نے جب ذلیل کر کے وقار کو آفس سے نکالا تھا تب بھی وقار کو اس بات کا خیال تھا کہ وقار کی وجہ سے اسے پریشانی ہوئی۔

وقار ایسا کیوں تھا؟ اس میں اتنا ضبط، اتنا حوصلہ، اتنا ٹھہراؤ کیسے تھا؟ وہ ایسی کیوں نہیں بنی؟

باقی لوگ بھی وقار جیسے کیوں نہیں ہیں؟

سوالات کی ایک بارش تھی جو اس کے ذہن پر ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا۔ پھر اسے یاد آیا کہ عظمت صاحب نے اسے وقار سے ملنے سے منع کیا تھا۔

نہیں۔ میں یہ بات نہیں مان سکتی۔ مجھے وقار کے پاس جانا ہوگا۔ ورنہ میرا ضمیر مجھے ساری زندگی جینے نہیں دے گا۔

اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر خدا کے سامنے پھیلا دیے۔

یا اللہ مجھے معاف کر دے اور میری مدد فرما۔ مجھ سے بڑا ظلم ہوا ہے۔ مجھے اس کا ازالہ کرنا ہے۔

اگلے دن وقار کے گھر کی کال بیل بجی۔ نرس نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑی اسریٰ نے کہا۔

وقار صاحب گھر پر ہیں؟

وہ گھر پر نہیں ہیں۔

اچھا تو مجھے ان کی والدہ سے ملنا ہے۔

آپ اندر آ جائیں۔ نرس اسے لے کر اندر کمرے میں آ گئی۔ اسریٰ نے دیکھا کہ یہ دو کمروں کا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ اسریٰ کو یاد آ گیا۔ اس سے زیادہ بڑا تو وقار کا آفس تھا۔ وہ نرس کے پیچھے چلتی ہوئی وقار کی والدہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔

نرس نے وقار کی والدہ سے کہا:

آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔

مجھ سے کون ملنے آئے گا؟ یہ کہتے ہوئے وہ بستر پر سیدھی ہو کر بیٹھیں تو اسریٰ اندر کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کے سامنے ایک بزرگ خاتون تھیں۔ اس نے انھیں سلام کیا اور ان کے

پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی۔

میں تمھیں پہچانی نہیں بیٹا۔

یہ کہتے ہوئے بیگم شمیم اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

آپ مجھ سے پہلے کبھی نہیں ملیں۔ میرا نام اسریٰ ہے۔ میں وقار صاحب کے ساتھ آفس میں ہوتی ہوں۔

اسریٰ بہت آہستگی سے بولی۔ خلاف عادت اس کے چہرے پر بہت نرمی اور ہونٹوں پر محبت آمیز مسکراہٹ تھی۔

مگر وقار تو اب آفس نہیں جاتا۔ اس نے تو اب ملازمت ہی چھوڑ دی۔

بیگم شمیم کے لہجے میں قدرے تاسف تھا۔

آپ بے فکر رہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا، اسریٰ نے ان کو دلاسہ دیا۔ پھر وقار کے بارے میں پوچھا۔

وقار صاحب کہاں ہیں؟

نماز پڑھنے کے لیے مسجد تک گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں آجائے گا۔ تم سناؤ بیٹا تم کیسی ہو؟

میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

بس بیٹا موت کا انتظار کر رہی ہوں۔ لیکن چھوڑو اس بات کو۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے گھر میں اس وقت کوئی نہیں جو تمھاری کوئی خدمت کر سکے۔ میں اس قابل نہیں کہ تمھارے لیے چائے وغیرہ بنا سکوں۔ وقار آتا ہے تو وہ خود ہی چائے وغیرہ بنا دے گا۔

آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ اب آپ کی ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ میں آگئی ہوں نا امی۔ آپ مجھے اپنی بیٹی سمجھیے۔

اسریٰ نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر انھیں اپنے رخسار سے لگا لیا۔

شمیم بیگم حیران تھیں کہ یہ لڑکی کون تھی جو اتنی محبت سے ان سے بات کر رہی ہے۔

بیٹا! وقار نے تو کبھی تمھارا ذکر نہیں کیا۔

اسریٰ اس بات کا کیا جواب دیتی۔ اس نے دل میں سوچا۔

اچھا ہی کیا کہ ذکر نہیں کیا۔

وہ اسی سوچ میں تھی کہ شمیم بیگم اسے غور سے دیکھتے ہوئے دوبارہ بولیں۔

تم تو بالکل سونیا میں مل رہی ہو۔ لگتا ہے وہ قبر سے اٹھ کر دوبارہ آ گئی ہے۔ مگر تم میں بڑی محبت ہے۔ تمھارے اندر تو بڑی روشنی ہے۔ سونیا ایسی نہیں تھی۔

مجھ میں روشنی نہیں ہے۔ میں تو خود روشنی کی تلاش میں ہوں۔

اسریٰ کے اس جملے میں اس کے اندر کی اداسی عیاں تھی۔ بیگم شمیم اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکیں۔ ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر اسریٰ نے ان سے دریافت کیا۔

اچھا یہ بتائیں کہ آپ کی رپورٹس کہاں ہیں؟ میرے والد کو بھی یہی مرض ہوا تھا۔ میں آپ کی صورتحال جاننا چاہتی ہوں۔

بیٹا وہ تو سب وقار کے پاس ہوں گی۔

بیگم شمیم نے ابھی یہ کہا ہی تھا کہ کال بیل بجی۔ انھوں نے فوراً نرس سے کہا۔

وقار آیا ہو گا۔

تھوڑی دیر میں وقار کمرے میں داخل ہوا۔ اسریٰ کی پشت اس کی طرف تھی۔ اس لیے وہ اسے دیکھ کر یہ سمجھا کہ والدہ سے کوئی ان کے ملنے والی خاتون آئی ہوئی ہیں، وہ واپس جانے لگا تو اس کی والدہ نے اسے آواز دے کر بلایا۔

وقار! یہ اسریٰ ہیں۔ تمھارے آفس سے آئی ہیں۔

وقار کے قدم اپنی جگہ جم گئے۔ اسے لگا کہ زمین نے اس کے قدم جکڑ لیے ہیں۔ اس کے لیے اسریٰ کی آمد بالکل غیر متوقع تھی۔

السلام علیکم وقار صاحب۔

اسے پیچھے سے اسریٰ کے سلام کرنے کی آواز آئی۔ وہ بہت آہستگی سے مڑا اور سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

وعلیکم السلام۔ آپ کا بہت شکریہ۔ آپ میری والدہ کی عیادت کے لیے تشریف لائیں۔ میں آپ کے لیے چائے لاتا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ خاموشی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد وقار کی والدہ بولیں۔

کون سوچ سکتا تھا کہ وقار کبھی چائے بھی بنائے گا۔ ہمارے گھر میں تو ملازموں کی فوج تھی۔ خانساماں، ڈرائیور، مالی اور نجانے کون کون۔ پھر مصیبتوں نے ہمارا گھر دیکھ لیا۔ میری جوان بہو سونیا کا انتقال ہو گیا۔ وقار کی تو دنیا اندھیر ہو گئی۔ وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس کے غم میں وقار نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ رفتہ رفتہ ہم لوگ اس حال کو پہنچ گئے۔ اوپر سے یہ میری بیماری۔ میری وجہ سے میرا بچہ بے چین ہو گیا ہے۔

امی! والدین کی وجہ سے بچے پریشان نہیں ہوتے۔ آپ سمجھیے اللہ میاں نے آپ کی بیٹی آپ کے پاس بھیج دی ہے۔ اب آپ کی بیماری بھی ٹھیک ہو جائے گی۔

کیا ٹھیک ہو گی بیٹا۔ اب تو بس موت کا انتظار ہے۔

ایسی باتیں نہ کریں۔ اچھا مجھے میڈم سونیا کی بیماری کے متعلق بتائیں۔ وقار صاحب پچھلے

دس برسوں سے کیا کر رہے ہیں، یہ بتائیں۔

اسریٰ نے ان کا دھیان بٹانے کے لیے پوچھا تو وہ اپنے، وقار اور سونیا کے متعلق اسے ساری تفصیلات بتانے لگیں۔اسریٰ بڑی دلچسپی سے یہ سب سن رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں وقار ٹرے میں چائے لے آیا۔

چائے رکھ کر وہ خاموشی سے جانے لگا تو اس کی والدہ نے کہا۔

بیٹا کہاں جا رہے ہو؟

اپنے کمرے میں جا رہا ہوں امی۔

یہ کہہ کر وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

اسریٰ نے بیگم شمیم کے کمرے میں بیٹھ کر چائے پی اور پھر ان سے بولی۔

میں وقار صاحب سے آپ کی رپورٹس کے متعلق پوچھ لوں۔

ہاں بیٹا اس کا کمرہ برابر میں ہے۔

اسریٰ ان کے پاس سے اٹھ گئی۔

وقار اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔اسریٰ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی اور کچھ کہے بغیر اس کے سامنے جا بیٹھی۔

وقار نے اسے دیکھے بغیر کہا۔

عظمت صاحب کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔میں نے انھیں سختی سے منع کیا تھا۔

عظمت صاحب نے مجھے سب کچھ بتا کر مجھ پر زندگی کا سب سے بڑا احسان کیا ہے۔مگر میں آپ سے معافی مانگنے نہیں آئی۔میں تو ابھی خود بھی اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکی۔آپ سے کیا

معافی مانگوں؟ صرف ایک التجا ہے۔آپ کو مجھے جتنا برا بھلا کہنا ہے کہہ لیں۔ جو غصہ ہے اس کی بھڑاس نکال لیں۔ مجھے احسان فراموش، مغرور، بدتمیز، بے حس جو کہنا ہے کہہ لیں۔مگر میں اس وقت صرف یہ درخواست لے کر آئی ہوں کہ امی کی ساری رپورٹس آپ مجھے دے دیں۔ میں اپنے والد کے معاملے میں ان سب چیزوں سے گزر چکی ہوں۔ بہت بہتر انداز میں ان کا معاملہ سنبھال سکتی ہوں۔

دیکھیے میڈم......

صرف اسریٰ کہیے۔ میں عمر اور مقام میں آپ سے بہت چھوٹی ہوں۔ پلیز......

اسریٰ کے لہجے میں التجا تھی۔

اسریٰ! نفرت، بغض اور کینہ میری شخصیت نہیں ہے۔ جو میرے اندر نہیں ہے وہ میری زبان سے باہر کیسے آسکتا ہے۔

مجھے اندازہ ہے۔ یہ آپ کی شخصیت ہوتی تو......

اسریٰ نے کچھ سوچ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔اس کے خاموش ہونے پر وقار نے اپنی بات جاری رکھی۔

دیکھیے اسریٰ مجھے معلوم ہے کہ آپ پر بہت ذمہ داریاں ہیں۔آپ کو بلا وجہ یہ ذمہ داری لینے کی ضرورت نہیں۔ اور آپ کو کسی احسان کا بدلہ اتارنے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا جس کا بدلہ دینے کی آپ پابند ہیں۔ میں نے جو کیا اپنے رب کے لیے کیا۔

یہ کہتے ہوئے وقار کے ذہن میں سورۃ الیل کے الفاظ تھے جو اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا بیان تھے اور اب یہ خود وقار کی اپنی شخصیت بن چکی تھی۔

”اس کا کوئی احسان کسی پر اس لیے نہیں ہوتا کہ اسے بدلہ دیا جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ

اپنے رب کی رضا چاہتا ہے۔''

وقار نے ذرا رک کر دوبارہ کہا۔

اور میرا رب لوگوں کو دیتا ہے۔ ان سے کچھ لیتا نہیں ہے۔

وقار صاحب میں تو مر کر بھی آپ کے احسانوں کا بدلہ نہیں اتار سکتی۔ اس وقت تو میں اپنے رب کو منانا چاہتی ہوں جو یقیناً مجھ سے بہت ناراض ہے۔

وقار خاموش رہا تو وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

ویسے اللہ تعالیٰ کے سارے حقوق آپ کے نام تو وقف نہیں ہو گئے نا۔ دوسرے بھی ان کے بندے ہیں، چاہے بہت گناہ گار ہوں۔ اللہ تعالیٰ گناہ گاروں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ گناہ گاروں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔ اور میرے گناہوں کی معافی کا راستہ امی کے علاج سے گزرتا ہے۔

وقار بدستور خاموش رہا تو وہ اس کے بالکل سامنے بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

خدا کا ظرف بہت بڑا ہے۔ اس سے معافی مانگنا بہت آسان ہے۔ آپ سے میں بعد میں معافی مانگوں گی۔

آپ بار بار معافی کی بات نہ کیجیے۔ میں نے آپ کی کسی بات کو محسوس ہی نہیں کیا۔ آپ نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ آپ کو میری وجہ سے بڑا نقصان پہنچا تھا۔ میں نے اس کی آپ سے معافی مانگ لی تھی۔

چلیے ایسا ہے تو سن لیجیے کہ میں نے آپ کو معاف نہیں کیا۔ میں اسی وقت معاف کروں گی جب آپ مجھے امی کے علاج کی ساری ذمہ داری دیں گے۔ اب بولیے آپ کیا کہتے ہیں؟

عظمت صاحب نے بہت برا کیا۔ انھیں آپ کو یہاں نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔

مجھے عظمت صاحب نے نہیں بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ آپ نے مزید کوئی مزاحمت کی تو اللہ تعالیٰ آپ سے بھی ناراض ہو جائیں گے۔

اسریٰ نے وقار کے لیے فرار کے دروازے بند کر دیے تھے۔ وہ جانتا تھا اسریٰ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اسے حضور کا یہ فرمان یاد تھا کہ جب کوئی نعمت بغیر خواہش کے تمھارے پاس چل کر آئے تو وہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کے پاس اسریٰ نہیں آئی تھی خدا کی مدد آئی تھی۔ مگر اسریٰ کا احسان لینا اسے بالکل گوارا نہ تھا۔ اس کی اپنی بیماری ہوتی تو وہ مر جاتا، مگر اسریٰ کا احسان نہ لیتا۔ مگر معاملہ اس کی ماں کا تھا۔ چنانچہ مرتا کیا نہ کرتا، اسے مجبوراً ہتھیار پھینکنے پڑے۔ وہ بادل نخواستہ کھڑا ہوا اور اپنی الماری سے رپورٹیں نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

میری شخصیت آپ کے اس احسان کے بوجھ تلے دب جائے گی۔

اس کی بات پر اسریٰ مسکراتے ہوئے بولی۔

یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تب ہی آپ کو اندازہ ہوگا کہ میں کس کرب سے گزر کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ میرا تو پورا وجود، پاؤں کے ناخن سے سر کے بالوں تک، آپ کی عنایات کے نیچے دفن ہے۔ میرے لیے تو اس وقت سانس لینا بھی مشکل ہو چکا ہے۔ آپ بھی کچھ میرا ساتھ دیجیے۔

اس دن کے بعد وقار کو معلوم ہی نہ ہوا کہ اس کی والدہ کے علاج کے معاملات کیسے چل رہے ہیں۔ کسی ڈاکٹر کے ہاں جانا ہوتا تو اسریٰ جاتی۔ ٹیسٹ کرانا ہوتا تو وہ بھی اسریٰ کی ذمہ داری تھا۔ بیگم شمیم کے علاج کے حوالے سے وہ تمام ذمہ داریوں سے عملاً بری ہو چکا تھا۔

وہ اس صورتحال پر اس پہلو سے خوش تھا کہ اس کی ماں کا علاج ہو رہا ہے۔ مگر اس پہلو سے بہت دکھی بھی تھا کہ وہ کسی ایسی لڑکی کے احسان کے زیر بار آ رہا ہے جس پر اس نے احسان کیا

تھا۔ کسی اور کی شکل میں یہ مدد آتی تو وقار کی شخصیت اتنی مجروح نہیں ہوتی۔ مگر اسریٰ کی حیثیت جدا تھی۔ اسریٰ چھا جانے کا مزاج رکھتی تھی۔ اس کے اندر ایک نوعیت کا تحکم تھا۔ اسے بات منوانے کی عادت تھی۔ پہلے وہ یہ سب کچھ آفس میں کرتی تھی اور اب اس کے گھر کے اندر آ کر کر رہی تھی۔ وقار اسے بھی جھیل جاتا، مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہ ٹھیک سونیا کا انداز تھا۔ لیکن سونیا اس کی محبت تھی، اس لیے وہ اس کے سامنے جھکا تھا۔ اسریٰ تو ایک اجنبی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ اسریٰ جو کچھ کر رہی ہے وہ نیکی کے کسی احساس سے نہیں کر رہی بلکہ اپنے ضمیر کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے کر رہی ہے۔ اس طرح اُس کا ضمیر تو احساس جرم سے نکل جاتا، مگر وقار کی شخصیت اسریٰ کے احسان کے بوجھ تلے دب جاتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو کچھ اس نے کیا وہ کسی بدلے کے لیے نہیں کیا تھا۔ جو کچھ اسریٰ کر رہی تھی وہ اس کے لیے ایک ذاتی احسان تھا۔ مگر اس کے پاس کوئی اور انتخاب نہ تھا۔

ایک روز اسریٰ اس کی والدہ کو ڈاکٹر کے ہاں سے لے کر گھر آئی اور پھر سیدھی اس کے پاس آ گئی۔

وقار صاحب! اب ٹرانسپلانٹ کا وقت آ گیا ہے۔ امی کو ملک سے باہر لے کر جانا ہو گا۔ میں اپنے والد صاحب کو بھی پڑوسی ملک لے کر گئی تھی۔ اب بھی میں نے اسی ڈاکٹر سے سارے معاملات طے کیے ہیں۔ سارے مطلوبہ ٹیسٹ اور رپورٹیں وغیرہ یہاں سے بھجوادی ہیں۔ آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔

اسریٰ نے آتے ہی سارا فیصلہ سنا دیا۔

ظاہر ہے کہ میں ہی جاؤں گا۔ آپ زحمت نہ کیجیے۔ آپ پہلے ہی بہت کچھ کر چکی ہیں۔

وقار کے لہجے میں تشکر کے ساتھ دبا دبا احتجاج تھا۔

یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ بس اپنا اور امی کا پاسپورٹ مجھے دے دیں۔

اس سب پر کتنا خرچ آ رہا ہے؟ یہ پیسے کیسے ارینج ہوں گے؟

یہ بھی آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔

اسریٰ نے روکھے لہجے میں کہا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی باس بن کر گفتگو کرتی تھی۔ برسہا برس میں اب یہ اس کا مزاج بن چکا تھا۔

وقار نے خود کو حالات کے حوالے کرنا مناسب سمجھا۔

سر مجھے دو ہفتے کی چھٹیاں چاہئیں۔

خیریت؟

اظہر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ اسریٰ آفس سے کبھی چھٹی نہیں کرتی تھی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ اس کے پاس ہمیشہ چھٹیاں موجود رہتی تھیں۔

کچھ ذاتی اشوز ہیں سر۔

چلیے ٹھیک ہے۔ چھٹیاں لے لیجیے۔ مگر آپ نے اُس بارے میں سوچا۔

اظہر صاحب کا مطلب واضح تھا۔ وہ شادی کی پروپوزل کے بارے میں بات کر رہے تھے جو انھوں نے اسریٰ کو کی تھی۔

سر مجھے کچھ اور وقت دیجیے۔ میں پچھلے دنوں اپنے بعض ذاتی معاملات میں بہت زیادہ الجھی رہی ہوں۔ اب میں چھٹیوں سے لوٹ کر آ جاؤں۔ پھر کوئی بات کہہ سکوں گی۔

ٹھیک ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت مصروف رہتی ہیں۔ اچھا ہے چھٹیوں میں آپ آرام سے سوچ لیں۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو میری یہ بات یاد رہے۔ اس کے لیے......

یہ کہتے ہوئے انھوں نے جیولری باکس میں رکھی ہوئی ایک بہت خوبصورت اور قیمتی انگھوٹھی اس کی طرف بڑھائی۔

......یہ انگوٹھی میں آپ کو دے رہا ہوں۔ یہ آپ کو یاد دلائے گی کہ آپ کو اپنے مستقبل کا حتمی فیصلہ کرنا ہے اور جلد کرنا ہے۔

اسریٰ نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور جیولری باکس ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

ٹھیک ہے سر۔ میں چھٹیوں سے واپس آ کر آپ کو بتاتی ہوں۔

یہ کہہ کر اسریٰ اٹھی اور اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔ انگوٹھی اس کے سامنے میز پر پڑی تھی اور وہ گہری سوچ میں غرق تھی۔ والدین کے انتقال اور دونوں بہنوں کی شادی کے بعد اسے واقعی اکیلے پن کا احساس ہونے لگا تھا۔ اسے اظہر صاحب پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ جس طرح اس کی سوچ تھی، وہ اسی طرح کے کیریئر اورینٹڈ شخص تھے۔ وقار کی والدہ کے علاج کا مسئلہ سامنے نہ آتا تو وہ شاید اب تک اظہر صاحب کو مثبت جواب دے چکی ہوتی۔

خیر اب وقار کے حوالے سے بھی اس کا دل کچھ نہ کچھ مطمئن ہو چکا تھا۔ اس کی والدہ کے علاج کا جو بھی نتیجہ نکلتا، بہر حال اس کا ضمیر اسے آزاد کر دیتا۔ جس کے بعد وہ اطمینان سے اپنے فیصلے کر سکتی تھی۔

جہاز تیزی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وقار، اس کی والدہ اور اسریٰ تینوں ساتھ ساتھ نشستوں پر بیٹھے تھے۔

اسریٰ وقار کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ دوران سفر نجانے اسے کیا خیال آیا کہ اس نے وقار سے پوچھا۔

سوری یہ سوال بڑا ذاتی ہے، مگر کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے میڈم سونیا کے بعد شادی کیوں نہیں کی؟

وقار اس کے سوال پر کچھ دیر تک خاموش رہا۔ پھر ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

سونیا کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ کبھی نہیں لے سکتا۔

اسریٰ نے ایک دوسرا سوال کر دیا۔

آپ نے اتنے عرصے تک جاب بھی نہیں کی۔ آخر کیوں؟

ضرورت نہیں پڑی تھی۔ گزر اوقات کے پیسے میرے پاس تھے۔ پھر ملازمت کرنا میرا مزاج بھی نہیں تھا۔ اگر امی کی بیماری کا اتنا بڑا مسئلہ نہ پیدا ہوتا تو شاید میں اب بھی ملازمت نہ کرتا۔

بے کار رہنے سے تو اچھے سے اچھا شخص ناکارہ ہو جاتا ہے۔ کچھ کاروبار ہی کر لیتے۔

اسریٰ کی جرح ختم نہیں ہو رہی تھی۔

اتنے پیسے تھے نہیں کہ اپنا کاروبار کر لیتا۔ ویسے میں اس عرصے میں بے کار نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان برسوں میں ایک زبردست علمی اور ذہنی سفر کیا ہے۔ میں نے اس سچائی کو دریافت کر لیا ہے جو کوئی انسان ماننا ہی نہیں چاہتا۔

وہ سچائی کیا ہے؟ اسریٰ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔ اس کے سوال پر وقار نے الٹا اسی سے ایک سوال کر لیا۔

اس وقت اگر یہ جہاز گر جائے تو کیا ہوگا؟

ظاہر ہے کہ ہم سب مر جائیں گے۔

اس کے بعد؟

اس کے بعد......اس کے بعد کیا ہوگا کبھی سوچا نہیں۔ شاید آخرت ہوگی۔

شاید نہیں یقیناً آخرت کی دنیا قائم ہوگی۔ ہر انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ زندگی میں ہر انسان نے جو کچھ کیا اور کہا وہ سب اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس کا جو عمل قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق ہوگا وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگا۔ باقی ہر عمل بے فائدہ ہو جائے گا یا ہلاکت اور بربادی کا باعث ہوگا۔

اس کی بات پر اسریٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔

یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے لیے انسان برسوں تک آپ کی طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھا رہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے۔ مجھے بھی معلوم ہے۔ اس میں کیا خاص بات ہے؟

خاص بات یہ ہے کہ میں نے خود کو اس سچائی کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لیا ہے۔ مجھے قرآن مجید کی وجہ سے متعین طور پر وہ سوالات معلوم ہیں جو روزِ حشر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے۔ میں نے پچھلے دس برسوں میں اپنی شخصیت کو اس رخ پر ڈھالا ہے کہ میں ہر سوال کا ایک بہترین جواب دینے کے قابل ہو جاؤں۔ جبکہ باقی لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ......

وقار کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

باقی لوگوں کا کیا معاملہ ہے؟ اسریٰ کو اس گفتگو میں بڑی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

باقی لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی اکثریت نے اللہ کے حضور پیشی کو اور آخرت کی اصل زندگی کو اپنا مسئلہ ہی نہیں بنایا۔ یہ وہ عام دنیا دار لوگ ہیں جو غفلت کی زندگی گزارتے ہیں۔

پھر اس نے جہاز میں آگے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ان میں سے زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں۔ دنیا، دنیا اور صرف دنیا ان کا مسئلہ ہے۔ نہ خدا ان کا مسئلہ ہے نہ آخرت۔ ہوسکتا ہے کہ یہ خدا اور آخرت کو مانتے ہوں۔ مگر یہ ان کی زندگی کا اصل مسئلہ نہیں ہے۔ حالانکہ خدا سے زیادہ بڑی سچائی اور آخرت سے زیادہ بڑا مسئلہ کوئی اور نہیں۔ اور

یاد رکھیے کہ خدا کی ہستی اور آخرت کی منزل جب تک انسان کی سب سے بڑی ترجیح نہ بن جائے، انسان غفلت سے نہیں نکل سکتا اور نہ اس کا نجات حاصل کرنے کا کوئی امکان ہی رہتا ہے۔

اسریٰ کچھ نہ بولی۔ اس کا سبب بالکل واضح تھا۔ خود اسریٰ کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

اس اکثریت کے علاوہ بہت سے لوگ ہیں جو مذہب کے نام لیوا ہیں۔ عملاً مذہبی کہلاتے ہیں۔ مگر انھوں نے ان سوالات کو مسئلہ ہی نہیں بنایا جن کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اصل مسئلہ بنا کر پیش کیا ہے۔ اس کے برعکس ان کی ساری توانائی، محنت، پیسہ اور صلاحیت ان غیر متعلق معاملات میں ضائع ہو رہی ہے جو اللہ کے نزدیک کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ نہ آخرت میں ان کے بارے میں پوچھا جائے گا نہ ان کا کوئی اجر ہی ہے۔ بلکہ بہت سی چیزیں تو ایسی ہیں جو لوگ مذہب کے نام پر اختیار کرتے ہیں اور وہ قیامت کے دن الٹا ان کی پکڑ کا سبب بن جائیں گی۔

اس غلطی کی وجہ کیا ہے؟ اسریٰ کے لیے یہ بات نسبتاً نئی تھی اس لیے اس نے اس کو سمجھنا چاہا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید ہماری دینی فکر کا اصل ماخذ نہیں رہا۔ قرآن مجید صاف صاف بتا رہا ہے کہ ہم کیا کریں گے تو جنت میں جائیں گے اور کیا کریں گے تو جہنم میں جائیں گے۔ مگر لوگ ان باتوں کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہیں۔ ہماری مذہبی فکر قرآن مجید کی اس تعلیم کو نہ اپنی شخصیت بنانے کے لیے تیار ہے نہ اپنی دعوت بنانے کے لیے۔

اس کا کیا مطلب ہے کہ ہم ان چیزوں کو اپنی شخصیت اور اپنی دعوت بنائیں؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری شخصیت میں جو چیزیں ان مطالبات کے خلاف ہیں انھیں چن چن کر نکالیں اور قرآن میں جو مطالبات ہیں ان میں سے ایک ایک کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائیں۔ جیسے دین صبر کی بات کرتا ہے۔ عہد اور امانت کی بات کرتا ہے۔ سچ بولنے، رحم کرنے اور بندوں کی مدد کرنے کا حکم دیتا ہے۔ خدا کی یاد اور اس کی شکر گزاری کو زندگی بنانے کا درس دیتا

ہے۔ان میں سے ہر کام دیکھنے میں بڑا آسان ہے۔مگر کرنے میں بہت مشکل ہے۔

اورآپ نے یہ سب کچھ کرلیا ہے۔

کوشش کی ہے۔اورآپ کی دوسری بات کہ قرآن کو دعوت بنانے کا مطلب کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کو دین کی دعوت دی جائے تو ان چیزوں کے سوا کسی اور چیز کو اصل مسئلہ بنا کر بیان نہ کیا جائے۔مگر آپ یہ حیرت انگیز معاملہ دیکھیں گی کہ ہمارا کوئی مذہبی گروپ قرآن کے ان مطالبات کی طرف نہیں بلاتا۔اکثر لوگ ان کے علاوہ دیگر چیزوں کو اہم بنا کر پیش کرتے ہیں۔اسی کے نتیجے میں معاشرے میں بگاڑ اور فساد بڑھتا جارہا ہے۔

اسریٰ کی سمجھ میں وقار کی باتیں کچھ کچھ آرہی تھیں اور کچھ نہیں آرہی تھیں۔اس کا مذہبی فکر اور مذہبی گروہوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔

ارے یار تم لوگوں کے لیے میرے پاس ایک زبردست اطلاع ہے۔سدرہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا جو دوپہر کا کھانا اس کے ساتھ بیٹھے کھارہے تھے۔

خیریت کیا اطلاع ہے؟ کیا تمھاری شادی ہورہی ہے؟ انعم نے قدرے جوش کے ساتھ کہا۔

بکواس بند کرو۔سدرہ نے جھلا کر کہا۔

اس کا تعلق میڈم اسریٰ سے ہے۔

تو ان کی شادی ہورہی ہے؟ اس دفعہ ربیعہ نے سوال کیا۔

ارے نہیں بابا۔ایسا کچھ نہیں ہے۔

سدرہ کی اس بات پر جمال نے کہا۔

بھئی تم دونوں اس بے چاری کو بولنے تو دو۔ہاں سدرہ کیا اطلاع ہے؟

یار وہ میڈم ہیں نا۔ وہ سر وقار اور ان کی امی کے ساتھ ملک سے باہر گئی ہیں ان کا علاج کروانے۔

ارے! یہ کیسے ممکن ہے۔ میڈم نے تو ان کو جاب سے نکال دیا تھا۔ ربیعہ نے حیرت سے منہ پھاڑ کر کہا۔

بھئی باقی کہانی تو مجھے نہیں پتہ۔ بس میڈم نے مجھ سے ان سب کے جہاز کے ٹکٹس کروائے تھے اور ویزا وغیرہ کا پروسس بھی میں نے کیا تھا۔ جس سے مجھے ساری کہانی کا پتہ چل گیا۔ میڈم نے مجھے منع کر دیا تھا کہ کسی سے ذکر نہ کرنا۔ ان کے سامنے تو میں نے کسی سے نہیں کہا۔ ان کے جانے کے بعد مجھ سے رہا نہیں گیا اور یہ زبردست نیوز میں نے تم لوگوں کے ساتھ شیئر کر دی ہے۔ مگر خدا کے لیے کسی کو بتانا نہیں ورنہ میڈم میری کھال کھینچ لیں گی۔

یار مجھے تو یقین نہیں آتا۔ میڈم کسی پر اتنی مہربان بھی ہو سکتی ہیں۔ انعم کے انداز میں بے یقینی تھی۔

اس کے بعد وہ تینوں لنچ کے دوران میں مسلسل اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ مگر جمال نے ان کی گفتگو میں بہت کم حصہ لیا۔ وہ بس رسمی طور پر ہوں ہاں کرتا رہا۔ لنچ ختم ہونے پر سدرہ نے ان سب کو پھر تاکید کر دی کہ کسی سے اس بات کا ذکر نہ ہو۔ لنچ کے بعد جمال بھی خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کچھ دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ وقار نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ محض علمی اور فکری باتیں اسریٰ کا مسئلہ نہیں تھیں۔ یہ اس کے سمجھ میں آنے والی چیزیں بھی نہ تھیں۔ وقار کم بولتا تھا اور گفتگو برائے گفتگو کرنا اس کی عادت نہ تھی۔ چنانچہ گفتگو کو مفید بنانے کے لیے اس نے

باتوں کا رخ اسریٰ کی اپنی ذات کی طرف موڑتے ہوئے کہا جو خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

اسریٰ! میں نے کچھ دیر قبل آپ سے ایک بات کہی تھی کہ فرض کیجیے کہ اس لمحے جہاز گر جاتا ہے تو کیا ہوگا۔ اور آپ نے جواب دیا تھا کہ ہم سب مر جائیں گے۔ آیئے تھوڑا اس سے آگے چلتے ہیں۔ فرض کیجیے ہم دونوں ایک ساتھ مر چکے ہیں۔ میں اور آپ اللہ کے حضور پیش ہو رہے ہیں۔ وہ آپ سے پہلی بات یہ کہیں گے کہ تم سے میں نے قرآن کے ذریعے سے گفتگو کی تھی۔ اپنا پیغام تم تک پہنچایا تھا۔ تم نے اسے کبھی سمجھ کر پڑھا تھا۔ آپ کا جواب کیا ہوگا؟

میرا جواب تو نفی میں ہوگا۔ میں نے تو اسٹوڈنٹ لائف تک بس ناظرہ قرآن پڑھا تھا۔ اس کے بعد تو وہ بھی چھوٹ گیا۔

اسریٰ نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

یعنی آپ کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کیا چاہتے تھے۔ جب یہی نہیں معلوم تو پھر آپ کو کیسے معلوم ہوگا کہ آپ کا کون سا عمل اللہ کی مرضی کے مطابق ہے اور کون سا اسے ناراض کرنے والا ہے۔ کون سا عمل جنت میں لے جائے گا اور کون سا جہنم میں۔

اس کی بات پر اسریٰ نے فوراً کہا۔

مگر وہ تو ہمیں لوگوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ کیا کرنا ہے یا کیا نہیں کرنا۔

مگر اس کا فیصلہ آپ کیسے کریں گی کہ کون اپنی طرف سے دین میں اضافہ کر رہا ہے اور کون قرآن مجید کی بات کو بیان کر رہا ہے۔ اس کے لیے تو آپ کو قرآن سمجھ کر پڑھنا پڑے گا نا۔ ورنہ تو ہمیشہ یہ امکان باقی رہے گا کہ آپ کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیں گی جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ کی مرضی جاننے کا بنیادی ذریعہ تو قرآن مجید ہی ہے۔

اسریٰ کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

لیکن اس بات کو چھوڑ یے اور یہ بتایئے کہ جو کچھ دین آپ کو معلوم ہے۔ جو آپ کی والدہ اور والد نے آپ کو بتایا تھا۔ اس پر آپ نے کتنا عمل کیا۔ یہی آپ سے اگلا سوال ہوگا کہ آپ نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔ اب مجھے بتائیں کہ اس سوال کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟

اب اسریٰ کچھ جز بز ہوگئی۔

میں دراصل پہلے تعلیم اور پھر گھر اور آفس کی ذمہ داریوں میں اس طرح الجھی رہی کہ کبھی سوچنے کا موقع بھی نہ ملا۔

یہی سونیا کے ساتھ ہوا تھا۔

وقار نے اداس لہجے میں کہا۔

اور اچانک موت اس کے سامنے آ گئی۔ جتنا کچھ میں سونیا کو جانتا ہوں، اس کی زندگی سر تا سر غفلت کی زندگی تھی۔ قرآن کے تقاضوں کے خلاف یا ان سے بالکل بے پروا۔ آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟

اسریٰ خاموش رہی۔ مگر وقار اسے جھنجھوڑنا چاہ رہا تھا۔

خاموشی موت کے مسئلے کا حل نہیں ہے۔ غفلت موت کے مسئلے کا حل نہیں ہے۔ آپ وہاں بھی اسی طرح خاموش کھڑی رہیں تو فیصلہ آپ کے خلاف ہوگا اور پھر جانتی ہیں کہ کبھی نہ ختم ہونے والی جہنم ہوگی۔ اور خدا کی نعمتوں والی جنت سے آپ ابدی طور پر محروم ہو جائیں گی۔

اسریٰ ابھی بھی خاموش رہی۔

آپ شاید میری بات کا برا مان رہی ہوں گی کہ یہ بے وقوف آدمی مجھے عین جوانی میں موت سے خبردار کر رہا ہے۔ مگر آپ نے اپنی آنکھوں سے میری بیوی سونیا کو دیکھا تھا۔ سونیا جیسی جوان موتیں اللہ تعالیٰ اس لیے نہیں کرتے کہ وہ میرے جیسے لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔ بلکہ

یہ موتیں اس لیے ہوتی ہیں کہ ہم جیسے لوگ اپنی خاموشی اور غفلت کو توڑیں اور اپنی زندگی کا کوئی حتمی اور قطعی فیصلہ کریں۔ مگر افسوس کہ ہم سب مرنے والے پر افسوس اور لواحقین سے ہمدردی کر کے رہ جاتے ہیں۔ کوئی نہیں سوچتا کہ مرنے والے کی شکل میں ہم کو ایک پیغام دیا گیا ہے۔

جمال اپنے کمرے میں خاموش بیٹھا تھا۔ وہ سخت مضطرب تھا۔ وہ اس ملٹی نیشنل کمپنی میں کئی برس سے تھا۔ وہ یہاں جاب کرنے کو اپنی خوش قسمتی سمجھتا تھا۔ یہاں سیلری بہت اچھی تھی۔ یہ ایک کیریئر جاب تھی۔ جاب کے اضافی فوائد جیسے میڈیکل وغیرہ اور سالانہ بونس اور تنخواہ میں اچھا اضافہ جیسی چیزوں نے اسے ایک بہترین جاب بنا دیا تھا۔ کام اور ماحول میں بھی کوئی مسئلہ نہ تھا۔ بس اسریٰ سخت مزاج تھی لیکن کام ٹھیک کیا جائے تو وہ بلاوجہ ڈانٹنے کی عادی نہ تھی۔ بس کوتاہی اسے پسند نہ تھی اور وہ جمال کرتا نہیں تھا۔

مگر وقار والے معاملے میں جمال سے ایک بڑی کوتاہی ہوئی تھی۔ اس کے نتیجے میں وقار کی جاب چلی گئی تھی۔ اس نے اس وقت وقار کی منت سماجت کر کے خود کو بچا لیا تھا۔ پھر وہ مطمئن ہو گیا تھا کہ مزید کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ مگر جیسے ہی آج اسے پتہ چلا کہ اسریٰ وقار کے ساتھ ہی ہے تو اس کا اطمینان فوراً رخصت ہو گیا۔

وقار نے اگر اسریٰ کو بتا دیا کہ اُس روز جمال سے کیا کوتاہی ہوئی تھی تو اسریٰ نے اسے چھوڑنا نہیں تھا۔ خاص طور پر اسریٰ اگر وقار پر اتنی مہربان ہو چکی ہے کہ اس کی والدہ کا علاج کرانے انھیں ملک سے باہر لے گئی ہے تو لازمی طور پر اسے واپس جاب پر لانے کی کوشش بھی کرے گی۔ ایسے میں جمال با آسانی قربانی کا بکرا بن سکتا تھا۔ سارا الزام جمال پر ڈال کر وقار کو واپس لانا اسریٰ کے لیے بڑا ہی آسان تھا۔ خاص کر اظہر صاحب بھی اسریٰ کی ہر بات کو قبول کر لیتے تھے۔

اور بہر حال اس سے کوتاہی ہوئی بھی تھی۔

جمال کا دل وسوسوں اور اندیشوں سے بھر چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ انتظار کی سولی پر لٹکنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

اسریٰ اور وقار کے بیچ پھر خاموشی چھا گئی۔ جہاز تیزی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خاموشی کے اس وقفے کو ایک دفعہ پھر وقار نے توڑا۔ وہ جہاز کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

زندگی بھی ایک جہاز کی مانند ہے جو مسلسل سفر میں ہے۔ اور اس سفر کی منزل ......موت کے سوا کچھ نہیں۔ ابھی نہ سہی مگر اگلے سو برسوں میں اس جہاز اور اس کرہ ارض پر موجود ہر شخص اپنی طبعی عمر پوری کر کے دنیا سے رخصت ہو چکا ہوگا۔ اس کے بعد دو میں سے ایک انجام ہمارا منتظر ہے۔ ابدی جہنم یا ابدی جنت۔ یہ ہے وہ سچائی جس کے مطابق میں نے اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ عین ان تقاضوں کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں بیان کیے ہیں۔ قرآن کا وہ مطلوب انسان بننے کی کوشش کی ہے جس کا نمونہ انبیا علیھم السلام تھے۔ اور آج میں بالکل مطمئن ہوں کہ عین اس وقت بھی اگر میں مر جاؤں تو اپنی حد تک اپنے رب کے ہر سوال کا جواب دینے کے قابل ہوں۔

اسریٰ نے اس بات پر اسے غور سے دیکھ کر سوچا۔

اس کے لہجے میں کتنا اعتماد ہے۔

میں نے قرآن مجید کو از بر کر رکھا ہے۔ اپنی زندگی کو اس کے ایک ایک تقاضے کے مطابق ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس کے بعد جو انسانی غلطی ہو جاتی ہے اس پر معافی بھی مانگتا

ہوں اور اللہ نے بھی قرآن میں یقین دلایا ہے کہ وہ بڑے معاف کرنے والے ہیں۔آپ کا کیا خیال ہے کہ میں پہلے امیر تھا اور اب غریب ہوگیا ہوں۔نہیں میں پہلے غریب تھا، اب امیر ہوگیا ہوں۔اب مجھے کوئی خوف نہیں کوئی اندیشہ نہیں۔کیا آپ کا معاملہ بھی یہی ہے؟

اسریٰ نے مردہ لہجے میں کہا۔

مگر میں نے کسی کے ساتھ برا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اس کی بات پر وقار نے مسکراتے ہوئے کہا:

آپ کو یاد ہے کہ آپ نے پروجیکٹ والی غفلت پر میرے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔اگر میں اس روز آپ کو یہ جواب دیتا کہ میں نے کسی کے ساتھ برا کرنے کی کوشش نہیں کی تو کیا آپ میری اس بات کو قبول کرتیں۔

اسریٰ نے نفی میں گردن ہلا دی۔

میری صورتحال یہ تھی کہ میرے پاس اپنی کوتاہی کا ایک معقول عذر تھا۔آپ کا مجھ پر کوئی اختیار تھا نہ آپ مجھے کچھ دے رہی تھیں۔صرف کچھ تنخواہ تھی جو کمپنی سے مجھے ملتی تھی۔اس کے برعکس آپ کے پاس اللہ کے حضور پیش کرنے کا کوئی عذر نہیں۔وہ آپ کو صرف تنخواہ نہیں دیتے بلکہ زندگی ،جوانی، صحت، خوبصورتی، اعضا وقویٰ، ذہانت وصلاحیت سے لے کر کائنات میں موجود ہر نعمت انھوں نے آپ کو دے رکھی ہے۔جس روز وہ پوچھیں گے کہ بندگی کا جو پروجیکٹ تمھیں دیا گیا تھا، اعلیٰ انسان بننے کا جو مشن تمھیں دیا گیا تھا، وہ تم نے کتنا پورا کیا تو آپ کیا جواب دیں گی؟ وہ کہیں گے کہ تم نے دنیا کے فانی کیرئیر کے لیے تو سارے جہان کی کتابیں پڑھ ڈالیں، مگر آخرت کے ابدی کیرئیر کے لیے میری کتاب پڑھنے کا وقت تک نہ مل سکا۔آپ اسے کیا جواب دیں گی؟

اب یا تو کہیں کہ خدا اور آخرت کو ہونا نہیں ہے۔ایسا ہے تو قرآن اس کا بھی جواب دیتا
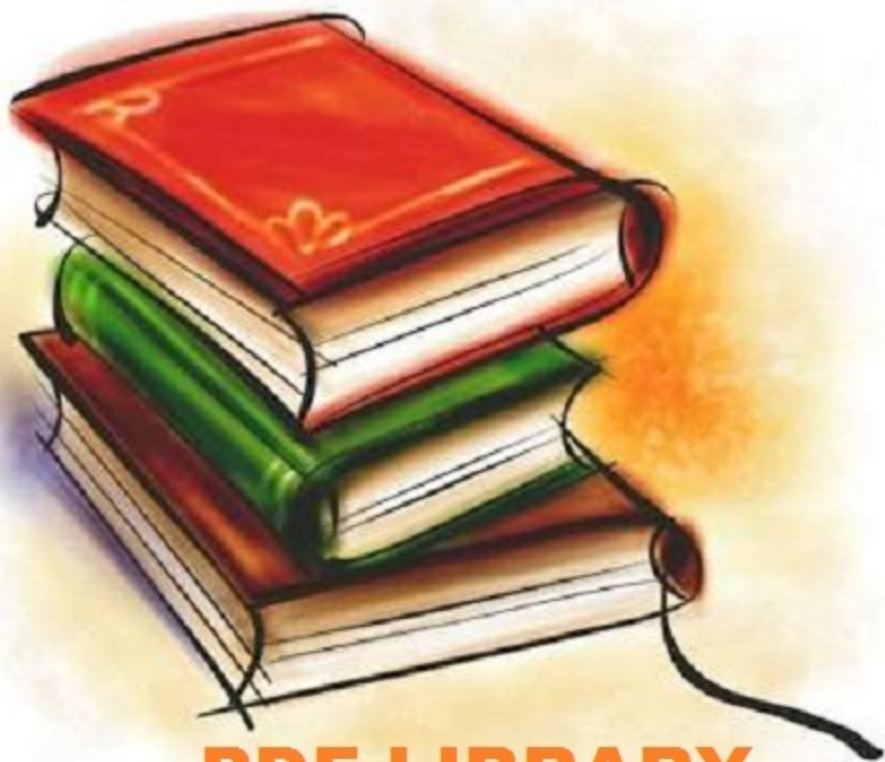
ہے۔قرآن ان دلائل سے بھرا ہوا ہے جو بتاتے ہیں کہ خدا، نبی اور آخرت کو ماننا کیوں عقلی طور پر ضروری ہے۔مگر آپ چونکہ پہلے ہی مانتی ہیں اس لیے آپ یہ نہیں کہیں گی۔تو پھر بتائیں کہ آپ نے خدا کے حضور اس پیشی کی کتنی تیاری کی ہے جو اس جہاز کے فضا میں پھٹنے کی صورت میں اگلے لمحے ہی شروع ہوسکتی ہے۔

اسریٰ خاموش رہی۔وقار بھی خاموش ہوگیا۔کچھ دیر بعد اسریٰ نے کہا۔

آپ کے پاس قرآن مجید ہے...... ترجمے والا۔

وقار اپنی سیٹ سے کھڑا ہوا اور ہیڈ کیبن سے اپنے بیگ کو باہر نکالا اور اس میں رکھا ہوا قرآن اسریٰ کو دیتے ہوئے کہا۔

اس کتاب کا خلاصہ میں بتا دیتا ہوں۔چھ ہزار سے زائد آیتوں میں اس کی ہی تفصیل ہے۔

لوگو اللہ کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا۔تم ایک روز اس کے حضور لوٹ کر پیش ہو گے۔وہاں تمھارے ہر عمل کا حساب ہوگا۔جس نے خدا کی عبادت، بندوں کی خدمت اور سچائی پر خود کو قائم رکھا اور دوسروں کو بھی اس پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی، وہی نجات پائے گا۔باقی لوگ جہنم کے کوڑے خانے میں ہمیشہ کے لیے بلکتے سسکتے چھوڑ دیے جائیں گے۔

اسریٰ نے اس کی بات سنی اور قرآن مجید کو کھول کر دیکھنے لگی۔

ان لوگوں کا قیام دو ہفتے سے کچھ کم عرصے کے لیے رہا۔انھوں نے جاتے ہی وقار کی والدہ کو ہسپتال میں داخل کر دیا تھا۔یہ ایک مہنگا پرائیوٹ ہسپتال تھا۔اسریٰ نے بیگم شمیم کے لیے ایک پرائیوٹ روم لے رکھا تھا۔دن میں ان کے ساتھ اسریٰ رہتی تھی جبکہ رات میں وقار رہتا تھا۔وقار اور اسریٰ ساتھ ہی تھے، مگر اس کے باوجود ان کی ملاقات نہ ہو پاتی تھی۔صرف ہسپتال آتے یا

جاتے ہوئے کچھ دیر کے لیے مل لیتے تھے اور اس میں بھی زیادہ تر کوئی بات ہوتی تھی تو وہ وقار کی والدہ کی صحت اور آپریشن کے حوالے سے ہوتی تھی۔

ابتدا میں ان کے کافی سارے ٹیسٹ ہوئے اور پھر تین دن بعد ان کا آپریشن ہو گیا۔ آپریشن کے وقت یہ دونوں ساتھ ہی باہر موجود تھے۔ یہ ایک طویل اور پیچیدہ آپریشن تھا۔ ٹرانسپلانٹ کے لیے ڈونر کا انتظام بھی مقامی طور پر ہو گیا تھا۔ اسریٰ اپنے والد کے معاملے میں ان تمام مراحل سے گزر چکی تھی۔ اس لیے اول تا آخر اسی نے تمام معاملات سنبھالے تھے۔ وقار اس کی وجہ سے تمام مسائل سے بے پروا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اسریٰ کی وجہ سے وہ بہت ساری مشکلات سے بچ گیا ہے۔ اسے ابھی تک اسریٰ کا شکریہ ادا کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لیے اس نے اس موقع کو غنیمت جانا۔

میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی وجہ سے میری والدہ کا نہ صرف علاج ممکن ہو سکا، بلکہ میں تمام پریشانیوں سے بھی بچا رہا۔

اسریٰ دھیرے سے مسکرائی۔ اس کے دل پر جو بہت زیادہ بوجھ تھا، آج وہ اسے اترتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے اپنے اندر کے احساس کو الفاظ دیے۔

اس کا مطلب ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اس لیے معافی کا کوئی سوال ہی نہیں۔

مگر میں نے اپنے اُس محسن کے ساتھ برائی کی تھی جس کے احسانوں تلے میری پوری ہستی دبی ہوئی ہے۔

اسریٰ! خدا کی دنیا میں سورج سب کے اندھیرے دور کرتا ہے۔ چاند سب کو روشنی دیتا ہے۔ ہوا

سب کو زندگی دیتی ہے۔ پھول سب کے لیے مہکتے ہیں۔ تارے سب کے لیے چمکتے ہیں۔ یہ سب خدا کے حکم پر کرتے ہیں۔ کسی خاص فرد کے لیے نہیں کرتے۔ ایسا ہی انسان کو ہونا چاہیے۔ میں نے اسریٰ کے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔ میں نے خدا کے لیے کیا تھا۔ اسریٰ نہیں ہوتی کوئی سارہ ہوتی، کوئی فاخرہ ہوتی میں تب بھی میں یہی کرتا۔ کوئی احمد ہوتا، کوئی عارف ہوتا میں تب بھی یہی کرتا۔

اسریٰ نے اسے دیکھا۔ واقعی جو وہ کہہ رہا تھا وقار ایسا ہی تھا۔ وقار نے اپنی بات جاری رکھی۔

لیکن اس سارے واقعے میں بھی خدا کی حکمت تھی۔ معاملات اس طرح نہیں ہوتے تو شاید آپ اس درجہ پر جا کر میری مدد نہیں کرتیں۔ اور مجھے اتنی آسانی نہیں ملتی جتنی اس وقت مل چکی ہے۔ اس واقعے سے تو مجھ پر خدا کی قدرت اور عظمت کا ایک نیا باب کھلا ہے۔

اسریٰ اس بات پر کچھ حیران رہ گئی۔ واقعی اگر معاملات اس طرح نہ ہوتے تو وہ اس حد تک جا کر وقار کی مدد کبھی نہیں کرتی۔

خدا کی حکمت کتنی عجیب ہے۔

اس نے دل میں سوچا، مگر کچھ بولی نہیں۔ اسے خاموش دیکھ کر وقار نے کہا۔

لیکن آپ اس معاملے میں اتنی حساس ہیں تو ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔

وقار کی بات پر اسریٰ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

میں نے بس آپ کی تعلیم اور آپ کے والد کے اخراجات اٹھائے تھے۔ مگر ایک اور ہستی ہے جس نے آپ کو پیدا کیا۔ زندگی دی۔ صحت و سلامتی دی۔ اصل میں تو آپ اس کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں۔ اس معاملے میں آپ حساس کیوں نہیں ہیں؟

اسریٰ اس کی بات پر بالکل خاموش ہوگئی۔ اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

یہ مت سمجھیے گا کہ میں بلا وجہ آپ کو یہ بات کہے جا رہا ہوں۔ دراصل آپ سونیا کی طرح

کیرئیر اور ریٹائڈ ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک اور سونیا اس راستے پر چلے جس پر وہ چلی تھی۔ اور پھر ایک روز اچانک اس دوسری سونیا کے دروازے پر موت کی دستک ہوا اور اس روز اسے معلوم ہو کہ ابدی دنیا میں وہ بالکل خالی ہاتھ جا رہی ہے۔ جو کمایا تھا وہ چھوڑ کر جانا پڑ رہا ہے اور جہاں رہنا ہے وہاں کے لیے کچھ نہیں ہے۔

میں نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے۔

اسریٰ نے اپنا پرس کھول کر قرآن کو نکالا۔

یہاں کرنے کو کچھ اور تو ہے نہیں۔ بس اسی کو پڑھتی رہتی ہوں۔

تو کچھ سمجھ میں آیا؟

ہاں! اللہ تعالیٰ سب کچھ ہیں اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ یہ بات قرآن کے ہر صفحے پر کسی نہ کسی طرح دہرادی جاتی ہے۔ مجھے تو اندیشہ یہ ہو گیا ہے کہ میں کچھ عرصہ بعد آپ جیسی نہ ہو جاؤں۔

اس کی بات پر وقار ہنس پڑا۔

میری طرح نہیں بنیے گا۔ میں سونیا کے انتقال کی وجہ سے نارمل زندگی نہیں جی رہا۔ جتنا نارمل ہوا ہوں قرآن کی وجہ سے ہوا ہوں۔ آپ کی زندگی میں کوئی سانحہ نہیں ہے۔ آپ ایک نارمل زندگی گزاریں گی۔ بس قرآن کے اخلاق میں ڈھل جائیں۔ عدل، احسان، اللہ کی راہ میں خرچ، ظلم، زیادتی، منکرات اور فواحش سے دوری۔ یہی قرآن کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ ان سب کے ساتھ باآسانی ایک اچھی نارمل زندگی گزاری جاسکتی ہے۔

اس پورے سفر میں باقی وقت وقار اور اسریٰ کی اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ اسریٰ کا اس کے سوا کوئی شغل نہ تھا کہ وہ قرآن مجید کو پڑھتی رہتی۔

وقار کی والدہ کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔ ہفتے ڈیڑھ کی ابتدائی نگہداشت کے بعد ڈاکٹروں نے ان کو اپنے ملک واپس جانے کی اجازت دے دی۔ واپس آ کر وقار کی والدہ تیزی سے صحت یاب ہونے لگیں۔ اسریٰ ہفتے میں دو تین دفعہ شام کے وقت وقار کے گھر پر آ جاتی اور وقار کی والدہ کے ساتھ دیر تک رہتی تھی۔ اس کے اپنے گھر میں ویسے کیا رکھا تھا جو وہ وہاں جاتی۔ اسے وقار کی والدہ کی شکل میں اپنی ماں دوبارہ مل گئی تھی جس سے وہ باتیں کرتی رہتی تھی۔ اس نے گھر میں نرس کے علاوہ ایک ملازمہ بھی رکھوادی تھی جو کھانے پکانے کے علاوہ دیگر تمام کاموں کی بھی ذمہ دار تھی۔

مگر اب اس کی زندگی میں ایک کشمکش شروع ہو چکی تھی۔ علاج کے دوران میں دو ہفتے تک وہ اپنے ماحول سے بالکل کٹی رہی تھی۔ وہ ہسپتال میں رہتی اور وہاں وہ ہر وقت قرآن پڑھتی رہتی تھی۔ اس کے پاس وہی قرآن تھا جو وقار کے ذاتی مطالعے میں تھا۔ اس میں جگہ جگہ اس نے قرآن مجید کے بیانات کو ہائی لائٹ کر رکھا تھا۔ اسریٰ بھی جب قرآن کو پڑھتے ہوئے ان مقامات کو پڑھتی تو لامحالہ ان مقامات پر اس کی زیادہ توجہ رہتی۔

یہ مقامات قرآن مجید کی اصل دعوت یعنی ایمان اور عمل صالح کی دعوت سے متعلق تھے۔ یہ خدا کا ایک زندہ تعارف تھا۔ اس کی صفات کیا ہیں۔ وہ کس طرح ہر وقت ہم سے متعلق رہتا ہے۔ روز قیامت اور حشر کے دن کیا ہوگا۔ جنت، جہنم اور سزا جزا کیسے برپا ہوگی۔ خدا کو بندوں سے کیا مطلوب ہے۔ قرآن کا مطلوب انسان کیا ہے۔ خدا بندوں سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ اس کی پسند اور ناپسند کیا ہے۔ شیطان کن چیزوں کی طرف بلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا کردار کیا تھا۔ صالحین کا طریقہ کیا ہوتا ہے۔ یہ گویا کہ قرآن مجید کا اصل پیغام تھا جو اس کے سامنے بالکل واضح ہو کر آ گیا تھا۔

اسریٰ یہ سب کچھ عام حالات میں پڑھتی تو شاید اس پر اتنا زیادہ اثر نہ ہوتا۔مگر وہ جس ماحول میں تھی، وہاں ہر در و دیوار پر دنیا کی بے ثباتی کی ایک داستان لکھی تھی۔موت کا شکنجہ ہر روز کسی نہ کسی کو اپنی گرفت میں لیتا تھا۔ایسے میں قرآن کی یہ دعوت کہ دنیا دار الامتحان ہے اور آخرت ابدی گھر ہے، کہیں زیادہ موثر ہو رہی تھی۔ یہ بات کہ زندگی موت کی امانت ہے...... یہ بات کہ ہر شخص کو دنیا چھوڑ کر چلے جانا ہے...... یہ حقیقت کہ سب کچھ چھوڑ کر چلے جانا ہے، ہر لمحہ یہاں آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔ ہر طرف بیمار لوگوں کا منظر انسان میں یہ احساس تازہ رکھتا تھا کہ وہ مجبورِ محض ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

ایسے ماحول میں قرآن مجید کو پڑھنے کا اثر بالکل جدا تھا۔اوپر سے وقار کی والدہ سے گفتگو ہوتی تو بس وقار ہی کے قصے سناتیں۔اس کے ماضی کے، اس کے حال کے قصے۔وہ کیسا تھا اور کیسا ہو گیا ہے۔ یہ بات کہ وقار کی شخصیت پہلے کیسی تھی اور اب کتنی بدل گئی ہے۔اس کی زندگی کس طرح صبر اور احسان میں ڈھل گئی ہے۔اس کی راتیں عبادت میں اور دن خدمت میں گزرتے ہیں۔وہ دنیا میں سب کچھ کھونے کے باوجود بھی کتنی مطمئن زندگی گزارتا ہے۔

ان تمام چیزوں کا اسریٰ پر انتہائی غیر معمولی اثر ہو چکا تھا۔ایک طرف قرآن کی آخرت کی دعوت ہسپتال کے ماحول میں پوری طرح اس کے سامنے زندہ حقیقت بنی رہتی۔قرآن خدا کی جن عنایات اور مہربانیوں کی طرف توجہ دلاتا تھا اور جس کی کم سے کم شکل وہ زندگی اور صحت ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے، اس کی قدر و قیمت یہاں ہسپتال میں معلوم ہوئی۔قرآن دنیا کے عارضی ہونے اور آخرت کی جس ابدی زندگی کی طرف بلاتا تھا، اس کی سچائی ہسپتال کے ماحول میں بہت زیادہ محسوس ہوئی۔

دوسری طرف قرآن کا مطلوب انسان وقار کی شکل میں اس کے سامنے موجود تھا۔قرآن جن

چیزوں کی طرف بلاتا تھا اس کا عملی نمونہ خود وقار تھا۔ اس نے دیکھا کہ لوگوں کے ساتھ احسان کرنا وقار کی عادت ہے۔ اپنی گفتگو میں، اپنے معاملات میں، اپنے پیسوں سے یہاں بھی وہ جب موقع ملتا کسی نہ کسی کی مدد کرتا رہتا۔ آسانیاں بانٹتا رہتا۔ لوگوں کی رہنمائی کرتا رہتا۔ ہسپتال میں سب لوگ ہی مشکل میں آتے تھے اور وہ جہاں موقع ملتا جس طرح موقع ملتا لوگوں کی مدد کرتا رہتا۔

اسریٰ ایک لڑکی تھی لیکن اس نے وقار کے ساتھ ہمیشہ خود کو محفوظ محسوس کیا۔ اس معاشرے میں ایک لڑکی کو مرد سے دو قسم کا تحفظ چاہیے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اس مرد کے ساتھ ہونے پر خود کو دوسرے مردوں کے شر سے محفوظ سمجھے۔ دوسرے یہ کہ خود اس مرد کے شر سے بھی محفوظ رہے۔ اسریٰ نے ہمیشہ خود کو ان دونوں پہلوؤں سے محفوظ پایا۔ وقار نے اسے تنہا پا کر کبھی اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی۔ کبھی اپنے احسان یاد دلا کر اس کا قرب خریدنے کی کوشش نہیں کی۔ حتیٰ کہ کبھی نظر بھر کر دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اور یہ اس کا اسریٰ کے ساتھ نہیں ہر اس خاتون کے ساتھ رویہ تھا جس سے اس کا معاملہ پیش آیا۔

اس کے کردار کا ایک بڑا وصف اس کا صبر اور تحمل تھا۔ وہ ردعمل کی نفسیات سے بالکل خالی تھا۔ گرچہ سفر میں انھیں بعض جگہ مسائل اور مشکلات پیش آئے۔ یہ مسائل سفر کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ مگر اس نے وقار کو ہمیشہ صبر سے کام لینے والا اور تحمل والا پایا۔ اس نے کسی سے جھگڑا نہیں کیا۔ اس کے منہ سے کبھی کوئی نامناسب جملہ نہیں نکلا۔ گرچہ وہ اپنے دفتر میں بھی یہ دیکھ چکی تھی اور یہاں بھی اس نے دیکھا کہ وقار کوئی بیوقوف نہیں تھا۔ بہت سمجھدار اور معاملہ فہم شخص تھا۔ اس کا اخلاق اور صبر اس کی کمزوری سے نہیں اس کے کردار کی مضبوطی کی وجہ سے وجود میں آیا تھا۔ ایسا غیر معمولی انسان خود بخود دل میں گھر کر جاتا ہے اور وقار نے اس کے دل میں غیر محسوس طریقے سے اپنی جگہ بنالی تھی۔

واپس آ کر اسریٰ نے دفتر جوائن کر لیا تھا۔ آفس کے دیگر کاموں کے علاوہ اب اسے اظہر صاحب کی سوالیہ نگاہوں کا بھی سامنا تھا۔ وہ اس کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر اب جب اسریٰ لوٹ کر اپنی پرانی دنیا میں آئی تو اس کے اندر کی کشمکش عروج پر پہنچ گئی۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ایک فریب کی دنیا میں جی رہی ہے۔ یہاں کی کامیابی، کیریئر، مقام و مرتبہ، دولت اور اسٹیٹس اور ہر چیز اب اسے مصنوعی لگنے لگی تھی۔ یہاں آگے بڑھنے کی ایک دوڑ تھی جس نے ہر کسی سے اس کا سکون چھین لیا تھا۔ یہاں اسٹیٹس بلند کرنے کی ایک ریٹ ریس (Rat Race) تھی جس نے ہر شخص کو اطمینان قلب سے محروم کر دیا تھا۔

وہ خاموش رہی تو اظہر صاحب نے دبے لفظوں میں دو تین دفعہ اس سے اس کا جواب مانگ لیا۔ اس نے دو ہفتے اگر اس طرح قرآن کے ساتھ نہ گزارے ہوتے تو وہ ذہنی طور پر ان سے شادی کے لیے بالکل تیار تھی۔ وہ واپس آتے ہی شادی کے لیے ہاں کہہ دیتی۔ مگر ان دو ہفتوں میں اس نے قرآن کے ساتھ جو ایک ذہنی اعتکاف کیا تھا، اس نے برسوں میں بنی ہوئی اس کی شخصیت کو الٹ کر رکھ دیا تھا۔

لیکن اس کے لیے اپنی بنی بنائی دنیا کو چھوڑنا اتنا آسان نہ تھا۔ گرچہ اسے معلوم تھا کہ قرآن کا مطلوب انسان بننے کے لیے اس کو دنیا نہیں چھوڑنا ہو گی، مگر وہ جانتی تھی کہ اسے دنیا سے لڑنا ضرور ہو گا۔ اسے شیطان سے لڑنا ہو گا۔ اظہر صاحب اس وقت تک ایک اچھا انتخاب تھے جب تک وہ صرف اِس دنیا کے لیے جی رہی تھی۔ مگر اُس دنیا کے لیے وہ ایک انتہائی نامناسب انتخاب تھے۔ ایسے میں اسے وقار کا خیال آتا، مگر وقار نے بار بار انتہائی واضح انداز میں اسے یہ بتایا تھا کہ وہ سونیا کو بھول کر کبھی دوبارہ شادی نہیں کرے گا۔ اس کے بعد وہ کوئی انتخاب ہی نہیں رہا تھا۔ وہ وقار

کی طرح ایک مرد بھی نہیں تھی کہ بغیر شادی کے تنہا رہے اور معاشرہ اسے سکون سے جینے دے۔

اسے واقعی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وقار کی والدہ کے علاج کے دوران میں اسے نماز پڑھنے کی عادت ہو چکی تھی۔ اس نے واپس آکر یہ عادت نہیں چھوڑی تھی۔ وہ ہر نماز کے بعد اللہ سے دعا کرنے لگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد اور رہنمائی کر دیں۔

اسریٰ واپس آئی تو جمال کی پریشانی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ اس نے اپنا مسئلہ اپنی کسی کولیگ کے ساتھ ڈسکس نہیں کیا تھا۔ اس لیے کہ کہیں کوئی یہ بات اسریٰ کو نہ بتا دے۔ مگر اب خود اسریٰ کو براہ راست سب کچھ معلوم ہونے کا خوف اس کے اعصاب پر سوار تھا۔

اسریٰ نے واپس آنے کے بعد ان سب سے میٹنگ کی۔ اس سے بھی بار بار بات ہوئی۔ مگر جمال نے اسریٰ کے انداز میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وقار نے اپنی بات کا پاس رکھا اور اسریٰ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

جب ایک ہفتہ اسی عافیت کے ساتھ گزر گیا تو جمال نے سکون کا سانس لیا۔ وقار والے پروجیکٹ کو اب اسریٰ براہ راست دیکھ رہی تھی اور جمال ہی عملاً اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے ایک دو دفعہ باتوں باتوں میں وقار کا ذکر کر کے اسریٰ کا عندیہ لینے کی کوشش کی کہ آیا وقار کی واپسی کا کوئی امکان ہے۔ اسریٰ نے ایسے ہر امکان کی نفی کر دی تھی۔

اس کے بعد کہیں جا کر جمال کو پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ نہ اب وقار یہاں دوبارہ آئے گا نہ اس نے اسریٰ کو کچھ بتانے کی کوشش ہی کی ہے۔ مگر اس کے بعد اس کے اندر ایک دوسرا احساس پیدا ہونے لگا۔ وہ یہ کہ وقار کی جاب جانے میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ اگر وہ انگلش پریزینٹیشن والی بات نہیں بھولتا اور اسریٰ کو وہ پریزینٹیشن بروقت مل جاتی تو اسریٰ وقار پر ناراض

تو ضرور ہوتی، مگر جاب سے نہ نکالتی۔ اس بات پر اب اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا تھا۔ اس نے وقار کو ایک بہت اچھا انسان پایا تھا۔ مگر اس کی جاب جانے میں کچھ نہ کچھ ہاتھ جمال کی اپنی کوتاہی کا بھی تھا۔ یہ احساس اسے بہت بے چین کرنے لگا تھا۔

دوسری طرف اسے سدرہ سے ایک عجیب بات پتہ چلی۔ اس نے باقی ساتھیوں کو اسریٰ کے اندر آنے والی ایک حیرت انگیز تبدیلی کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ یہ کہ اسریٰ اب باقاعدگی سے نماز پڑھتی ہے۔ گرچہ وہ بالکل تنہائی میں اور احتیاط سے نماز کا اہتمام کرتی تھی، مگر سدرہ چونکہ اسریٰ کی پی اے تھی اور اکثر اس کے کمرے میں جاتی رہتی تھی اس لیے اس سے یہ بات پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ اسریٰ کے اندر پہلے جو ایک سختی پائی جاتی تھی وہ بھی کچھ کم ہوئی ہے۔ اس کے سارے ساتھیوں نے بھی یہ بات محسوس کی تھی۔ اس پس منظر میں جمال نے سوچا کہ اسے اسریٰ کو خود جا کر ساری بات بتا دینی چاہیے۔ اس میں امکان تھا کہ اس کی ملازمت خطرے میں پڑ جاتی، لیکن کسی اور طرح اسریٰ کو پتہ چلتا تو زیادہ برا ہوتا۔ اگر پتہ نہ بھی چلتا تب بھی جمال کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہتا۔ اس نے اسریٰ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میڈم! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

جمال نے دھیرے سے دروازے پر دستک دینے کے بعد دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ اندر آ جاؤ۔ کہو کیا بات ہے۔

اسریٰ نے خلاف عادت نرمی سے کہا۔ گرچہ جمال نے محسوس کیا کہ اب یہی نرمی رفتہ رفتہ اسریٰ کے رویے میں مستقل پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔

وہ اندر آیا تو اس کے قریب آنے پر اسریٰ نے سامنے پڑی نشست کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔

بیٹھو جمال۔ سب ٹھیک ہے؟

سب ٹھیک ہے میڈم۔

یہ کہتے ہوئے جمال بیٹھ گیا۔ مگر یہ اس کے لیے ایک مختلف تجربہ تھا۔ جب تک اسریٰ خود میٹنگ کے لیے نہ بلائے، وہ اپنے اسٹاف کو بیٹھنے کے لیے کبھی نہیں کہتی تھی۔ لوگ سامنے کھڑے رہ کر بات کرتے تھے۔ حال احوال پوچھنے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔

کچھ توقف کے بعد جمال بولا:

میڈم آپ سے ایک بات کرنا تھی۔ وہ دراصل......

یہاں تک پہنچ کر جمال رک گیا۔

ایسی کیا بات ہے؟ اسریٰ کے لہجے میں ابھی بھی نرمی تھی۔

میڈم وہ جو وقار صاحب والا پروجیکٹ تھا، ان کے بعد میں دیکھ رہا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس پروجیکٹ پر سارا کام انھی کا تھا۔ انھوں نے کمال کا کام کر رکھا تھا۔

یہاں تک پہنچ کر جمال پھر رک گیا۔ وہ اصل بات کہنے کا حوصلہ پیدا کر رہا تھا۔

مجھے معلوم ہے۔ اسریٰ نے مختصر جواب دیا۔

دراصل میڈم انھوں نے اس پروجیکٹ میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ حتیٰ کہ جرمن زبان کے ساتھ انھوں نے انگلش میں بھی پریزینٹیشن بنادی تھی۔ جو آپ نے ان سے بنانے کے لیے کہا تھا۔

یہ کہتے ہوئے اس نے وہ پریزینٹیشن اسریٰ کے سامنے رکھ دی جو وقار نے تیار کی تھی۔ اسریٰ نے اس پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے جمال سے کہا۔

مگر انھوں نے کہا تھا کہ اتنے کم وقت میں یہ ممکن نہیں۔

نہیں میڈم۔ انھوں نے آخری رات کو گھر جانے سے قبل اسے مکمل کر دیا تھا۔ آپ چونکہ جا چکی تھیں، اس لیے وہ آپ کو نہیں دے سکے تھے۔ لیکن وہ جاتے جاتے اسے اپنی دراز میں رکھ گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اسے صبح کے وقت آپ کو دے دیں گے۔ گھر جانے سے پہلے یہ سب انھوں نے مجھے بتا دیا تھا۔

یہ اسریٰ کے لیے ایک بالکل نئی بات تھی۔ یہ بات اگر اسی روز پتہ چل جاتی تو زیادہ مسئلہ نہیں ہوتا۔ اسریٰ اس پروجیکٹ سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ انگریزی پریزینٹیشن کی مدد سے خود پروجیکٹ کی ساری تفصیلات بیان کر دیتی۔ اس نے تھوڑی بہت گفتگو تو اُس روز ڈیلیگیشن کے سامنے کی تھی، لیکن پریزینٹیشن اس کے سامنے ہوتی تو بات اس درجے میں خراب نہ ہوتی۔ اب یہ بات سامنے آنے پر کہ پریزینٹیشن اُس وقت آفس میں موجود تھی اور جمال نے اسے اس کے بارے میں نہیں بتایا تھا، اسریٰ کا پارا ایک دم سے آسمان پر چڑھ گیا۔

یہ تم نے مجھے اُس وقت کیوں نہیں بتایا؟

یہ کہتے ہوئے اسریٰ کے لہجے میں اس کی روایتی سختی دوبارہ لوٹ آئی تھی۔ چہرے پر شدید غصے کے تاثرات تھے۔

میڈم! دراصل اس دن ہم سب سخت ٹینشن میں تھے۔ سارا دھیان ڈیلیگیشن اور وقار صاحب کی طرف تھا۔ ایسے میں مجھے خود سے اس بات کا خیال آیا نہیں اور آپ نے پوچھا بھی نہیں۔ پھر جس وقت آخر میں آپ نے اس کا ذکر کیا، اس وقت مجھے احساس ہوا تھا کہ یہ وقت پر مل جاتی تو مسئلہ حل ہو جاتا۔ مگر اُس وقت یہ بات آپ کو بتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ آپ نے وقار صاحب کا ٹرمینیشن لیٹر ہمارے سامنے سدرہ سے ٹائپ کروایا تھا۔

اور تم نے یہ سوچا کہ مجھے پتہ چلے گا تو تمھارا لیٹر بھی ٹائپ ہو جائے گا؟

اسریٰ کے لہجے میں ابھی تک غضب تھا۔

جی میڈم۔اسی لیے جب وقار صاحب آپ کے پاس آنے لگے تو میں نے ان کی منت کی تھی کہ آپ کو اس پریزینٹیشن کے بارے میں پتہ نہ چلے۔کیونکہ پھر میری جاب خطرے میں پڑ جاتی۔

یہ اسریٰ کے لیے ایک اور نئی بات تھی کہ وقار کو جمال کی کوتاہی کا پتہ تھا، پھر بھی اس نے جمال کو صاف بچا لیا تھا۔

اس نے آہستگی سے کہا۔

اور اسی لیے وقار صاحب نے آج تک مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

جی میڈم۔وہ بہت بڑے آدمی ہیں۔انھوں نے مجھے بچا لیا۔

تو پھر اب تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟

میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔اگر میں بروقت آپ کو یہ پریزینٹیشن دے دیتا تو شاید آپ ان کو نہیں نکالتیں۔اب آپ چاہیں تو مجھے نکال سکتی ہیں۔مگر مجھے اب کوئی ڈر نہیں ہے۔

اب یہ ہمت تم میں کہاں سے آئی؟

مجھ میں یہ ہمت وقار صاحب کو دیکھ کر آئی ہے۔وہ جب آپ کے پاس آ رہے تھے تو ان کے چہرے پر معمولی خوف بھی نہیں تھا۔انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے پیچھے میرا رب ہے۔مجھے کسی کی پروا نہیں۔آج میں بھی اسی اعتماد سے آپ کے پاس آیا ہوں کہ میرے پیچھے بھی میرا رب ہے۔

مگر ان کی جاب تو نہیں رہی۔تمھاری کیسے رہے گی؟ اسریٰ نے انتہائی سخت لہجے میں اس سے سوال کیا۔

خدا ہر شخص کو اس کے ظرف کے مطابق آزماتا ہے۔وقار صاحب کا ظرف بہت بڑا تھا اور میرا ظرف بہت چھوٹا ہے۔مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس طرح نہیں آزمائیں گے۔

جمال نے یہ کہہ تو دیا تھا، مگر اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ اسے اسریٰ کے ارادے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

اسریٰ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر اس کے چہرے کی سختی نرمی میں بدلی اور اس کے ہونٹوں پر دھیرے سے ایک خاموش مسکراہٹ آ گئی۔

جمال! تم نے ٹھیک سمجھا۔ خدا ہر شخص کو اس کے ظرف کے مطابق ہی امتحان میں ڈالتا ہے۔ وقار صاحب کا ظرف بہت بڑا ہے، اسی لیے وہ زیادہ بڑے امتحان میں ڈالے گئے۔ مگر میں تمھیں کسی امتحان میں نہیں ڈالوں گی۔ تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔ مگر آئندہ ایسی کوئی غلطی نہیں کرنا جس کا نقصان دوسروں کو پہنچے۔

جمال کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوا کھڑا ہوا اور تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ اس کی جان بچ گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد اسریٰ نے جمال کی لائی ہوئی فائل کھولی جس میں وقار کے ہاتھ سے تیار کردہ پریزینٹیشن پڑی تھی۔ اسریٰ اس کے ورق الٹنے لگی۔ ہر صفحہ وقار کی صلاحیت کا آئینہ دار تھا۔ مگر اس سے کہیں بڑھ کر یہ وقار کے بلند کردار کا عکاس تھا۔ اس نے فائل بند کردی اور اطمینان سے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

اسریٰ جب سے واپس آئی تھی اس کے دل کی دنیا میں ایک کشمکش برپا تھی۔ آج وہ کشمکش ختم ہوگئی۔ آج وہ ایک مضبوط فیصلے تک پہنچ گئی تھی۔ جو آدمی اپنی کشتی ڈوبتے وقت بھی دوسروں کی کشتی بچا رہا ہو وہ انسان نہیں ہیرا ہوتا ہے۔ اس نے سوچ لیا کہ وہ اس ہیرے کو حاصل کر کے دم لے گی۔

پھر اس نے سائڈ کی دراز کھولی اور اس سے وہ جیولری باکس نکال کر سامنے رکھ لیا جو اظہر صاحب نے اسے دیا تھا اور جس میں اس کے لیے سونے کی ایک انگوٹھی تھی۔ اس نے باکس کھول کر

انگوٹھی دیکھی۔

اسے یاد آیا کہ پروجیکٹ کی پریزینٹیشن میں ناکامی کے موقع پر اظہر نے مشکل میں اس کو بچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جبکہ وقار نے جمال کو اس کی غلطی کے باوجود بچالیا تھا۔ فرق واضح تھا۔ اظہر مشکل میں چھوڑ جائے گا۔ وقار کبھی کسی مشکل میں اسے تنہا نہیں چھوڑے گا۔

اسریٰ نے باکس بند کر کے اسے کونے میں رکھ دیا اور پھر وقار کی فائل کو دیکھا۔ اس کے سرورق پر جلی الفاظ سے وقار نے اپنے ہاتھوں سے اس کا نام لکھ رکھا تھا۔

For Ms. Isra Ahmed

اس نے قلم اٹھایا اور اسریٰ کے بعد لکھے اپنے خاندانی نام احمد کو کاٹ کر اس کی جگہ وقار لکھ دیا۔ اب یہ تحریر اس طرح ہوگئی۔

For Ms. Isra Waqar

پھر وہ ایک پر عزم مسکراہٹ کے ساتھ بڑبڑائی۔

وقار! اب میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ میرا نام بھی اسریٰ ہے۔

اسریٰ وقار کی والدہ سے ملنے اور ان کی طبیعت پوچھنے کے بعد وقار کے کمرے کی طرف آگئی۔ وہ وقار کے گھر اس کی والدہ سے ملنے اکثر آیا کرتی تھی، مگر وقار سے بات نہیں ہوتی تھی۔ وقار نے ہمیشہ خود کو اس سے ایک فاصلے پر رکھا تھا۔ مگر آج وہ ایک فیصلہ کر کے آئی تھی۔

میں اندر آسکتی ہوں؟

اس نے کمرے میں داخلے کی اجازت چاہی۔ وقار کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ حسب معمول مطالعہ کر رہا تھا۔

جی ضرور۔

وقار نے سر اٹھا کر اسے سرسری دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے نشست پر بیٹھنے کے لیے کہا۔

وقار صاحب! میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ مجھے آپ سے ایک بات کہنا ہے۔

جی فرمائیے؟ وقار نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

میں اب قرآن مجید کو تو سمجھ گئی ہوں۔ میں شاید عام حالات میں قرآن مجید سے اس طرح متاثر نہیں ہوتی، مگر میں نے جن حالات میں قرآن مجید کو پڑھا، ان میں آپ ہر وقت میرے سامنے تھے جس کے بعد میں نے آپ کے اندر قرآن مجید کا ایک عملی اور زندہ نمونہ پا لیا۔ اس عملی نمونے نے میرے لیے بہت آسان کر دیا کہ میں قرآن مجید کی بات کو سمجھ سکوں۔ اسی وجہ سے برسہا برس سے قائم میری سوچ اب بدل گئی ہے۔

وقار اس کی بات کے جواب میں خاموش رہا۔ اس کی خاموشی دیکھ کر اسریٰ نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

ویسے ایک بات بتائیے؟

جی پوچھیے۔

وقار نے دھیرے سے کہا تو اسریٰ نے ایک سوال کیا۔

حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کی پیشکش میں پہل کی تھی۔ کیا یہ کوئی غلط بات تھی؟

نہیں اس میں کوئی غلط بات نہیں تھی۔ عرب کا معاشرہ فطرت پر کھڑا تھا۔ فطرت پر کھڑے معاشروں میں فضول اور لایعنی پابندیاں نہیں ہوتیں۔ پھر حضور کی شخصیت اتنی بے مثال تھی کہ جب ہماری ماں حضرت خدیجہ کا آپ سے واسطہ پڑا تو آپ بہت زیادہ متاثر ہو گئیں۔ اگر ایک

ایسا اعلیٰ انسان سامنے آگیا ہے تو اس سے شادی کے لیے کہنے میں کیا مضائقہ تھا۔ چنانچہ آپ نے خود پہل کرتے ہوئے شادی کا پیغام بھجوادیا جسے حضور نے منظور کرلیا۔

وقار کی بات ابھی پوری ہوئی ہی تھی کہ اسریٰ نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

میرے پاس پیغام بھجوانے کے لیے کوئی نہیں ہے۔ اس لیے براہ راست آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔

وقار اس کی بات پر خاموش ہوگیا۔ کمرے میں مکمل سکوت چھا گیا۔ کچھ دیر بعد وقار کی آواز نے اس سکوت کو توڑا۔

اسریٰ! آپ قرض ادا کرتے کرتے سود ادا کرنے پر آگئی ہیں۔ سود کھانا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ میں یہ سود نہیں کھا سکتا۔

یہ سود نہیں ہے انویسٹمنٹ ہے۔ میں بزنس وومن ہوں۔ خسارے کا سودا نہیں کرتی۔ جو کررہی ہوں سوچ سمجھ کر کررہی ہوں۔

نہیں اسریٰ ہم دو مختلف دنیاؤں کے لوگ ہیں۔ ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں۔

وقار اس کی بات سے بالکل متاثر نہیں ہوا تھا۔ مگر اسریٰ بھی ہار ماننے والی نہ تھی۔ اس نے اپنا مقدمہ تفصیل سے وقار کے سامنے رکھا۔

پہلے نہیں تھا۔ مگر اب زاویہ نظر مشترک ہوچکا ہے۔ اب میری اپنی دنیا بدل گئی ہے۔ میں نے آپ کی شخصیت میں آخرت کا تعارف پالیا ہے۔ لوگ مجھے ہزار لیکچر دیتے، مجھے خدا اور آخرت کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر آپ کی شخصیت نے خدا اور آخرت کا ایسا تعارف کرادیا ہے کہ میں بھی اس فردوس کی خواہشمند ہوچکی ہوں جو آپ کی طلب ہے۔ جس میں انسان اس دنیا سے بے غرض ہوجاتا ہے۔ جو کرتا ہے خدا کے لیے کرتا ہے۔ نہ بدلہ چاہتا ہے نہ احسان جتلاتا ہے۔

یہ سب ٹھیک ہے۔ مگر اس کے لیے اپنی عمر سے پندرہ برس بڑے شخص سے شادی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو مجھ سے کہیں بہتر اور اچھے لوگ مل جائیں گے۔

وقار کا جواب ابھی بھی نفی میں تھا۔

میں تو پہلے ہی اپنے سے پندرہ برس بڑی عمر کے شخص ہی سے شادی کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس لیے کہ دنیا میں مجھے سب کچھ مل جائے۔ اب بھی یہی فیصلہ ہے۔ مگر اب اس لیے کہ آخرت میں سب کچھ مل جائے۔ کیونکہ آپ کا کردار یہ گواہی دے رہا ہے کہ خدا نے جنت میں کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ مجھے تو شادی کرنا ہی تھی۔ اس لیے اب آپ سے ہی کروں گی۔ چاہے آپ کی مرضی ہو یا نہ ہو۔

یہ کہہ کر اسریٰ کرسی سے اٹھی اور باہر چلی گئی۔

اسریٰ تو چلی گئی مگر وقار کے لیے ایک پریشانی پیدا کر گئی۔ وقار کو اسریٰ سے بس اتنی ہی دلچسپی تھی کہ وہ ایک بہتر انسان بن جائے۔ اس کے اپنے دل میں سونیا کے بعد یہ خواہش ختم ہو چکی تھی کہ وہ دوبارہ اپنا گھر آباد کرے۔ رہی اسریٰ تو اس نے اسریٰ کے متعلق ایک لمحے کے لیے بھی اس طرح نہیں سوچا تھا۔ اسریٰ ایک ایسی لڑکی تھی جس کے ایک اشارے پر ہزار لوگ شادی کے لیے تیار ہو جاتے۔ مگر ان ہزار لوگوں میں بہر حال وقار شامل نہیں تھا۔

اسے اندازہ تھا کہ اسریٰ کی شخصیت کی اٹھان بالکل مختلف ہے۔ حالات نے ایسے پلٹا کھایا کہ وقار اس کے محسن کی شکل میں اس کے سامنے آ گیا۔ وقار کا خیال تھا کہ کچھ احسان اتارنے کے پہلو سے اور کچھ شخصیت کے اثر سے اسریٰ اس سے متاثر ہوئی ہے۔ مگر یہ عارضی سی چیز تھی جسے ختم ہو جانا تھا۔ اسریٰ کی عمر جذبات کی عمر تھی، مگر وہ بہر حال ایک پختہ عمر میں تھا۔ وہ جذبات کا

شکار نہیں ہوسکتا تھا۔اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اسریٰ کی بات بالکل نہیں مانے گا۔وہ کسی جذباتی فیصلے کے نتیجے میں اپنی اور اسریٰ کی زندگی خراب نہیں ہونے دے گا۔

اگلی شام کو اسریٰ اس کے گھر آئی اور اس کی والدہ کے کمرے میں کچھ دیر رک کر اس کے کمرے میں آگئی۔یہ دیکھ کر وقار قدرے حیران تھا کہ اسریٰ کا حلیہ بالکل بدلا ہوا تھا۔اس نے خلاف معمول شلوار قمیص پہن رکھی تھی جس پر بڑا سا دوپٹہ اچھی طرح اوڑھ رکھا تھا۔اس نے آتے ہی کہا۔

جب میں آپ سے پہلی دفعہ ملی تھی تو ایسی ہی تھی۔بہت نیک اور شریف۔

وقار نے اسے ایک لمحے کے لیے غور سے دیکھا۔اس کی شخصیت کا تاثر بالکل مختلف ہو چکا تھا۔وقار نے نظریں جھکاتے ہوئے اس سے دریافت کیا۔

کبھی آپ نے برتن دھوئے ہیں؟

برتن......وہ ذہن پر زور ڈالنے لگی۔

عرصے سے نہیں دھوئے۔مگر چھوٹی تھی تو امی کبھی کبھی برتن مجھ ہی سے دھلواتی تھیں۔پھر تعلیم کی مصروفیات نے موقع نہیں دیا نہ امی نے کبھی مجھ سے کہا۔

برتن آپ کیسے دھوتی تھیں؟

اس میں تو کوئی راکٹ سائنس نہیں لگتی۔بس پہلے برتن کو پانی سے گیلا کرتے ہیں۔پھر صابن سے اسے اچھی طرح صاف کرتے ہیں۔چکنائی اور میل زیادہ ہو تو اسٹیل وائر یا اسفنج سے برتن کو خوب رگڑ رگڑ کر دھوتے ہیں۔پھر پانی سے صاف کر لیتے ہیں۔

اسریٰ یہ تفصیل بتا رہی تھی ،مگر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بے موقع گفتگو کا کیا فائدہ ہے۔

برتن آپ اندر سے دھوتی تھیں یا باہر سے۔

آف کورس۔برتن تو اندر ہی سے دھویا جاتا ہے۔وہ خراب ہی وہاں سے ہوتا ہے۔باہر تو بس

احتیاطاً صابن لگا لیتے ہیں۔ پھر پانی بہاتے ہی وہ صاف ہو جاتا ہے۔ اصل دھونا تو اندر کا ہوتا ہے۔

آپ نے اپنے ظاہر کو بہتر بنایا۔ یہ اپنی جگہ اچھی بات ہے، مگر انسانی شخصیت بھی ایک برتن کی طرح ہے۔ یہ اندر سے خراب ہوتی ہے۔ ہم لوگ باہر سے صاف کرنے کو صفائی سمجھ لیتے ہیں۔ جبکہ قرآن اندر کی صفائی پر نجات کو موقوف قرار دیتا ہے۔

اب اسریٰ کو سمجھ میں آیا کہ وقار اس کی اس بات کا جواب دے رہا ہے کہ حلیہ بدلنے کو وہ نیکی کہہ رہی تھی۔

بھئی آدمی کہیں سے تو آغاز کرتا ہے نا۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں نے قرآن کے پیغام کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اندر ہی سے صاف کرنا چاہتے ہیں۔ باہر سے تو وہ بس احتیاطاً برتن دھلواتے ہیں۔ میں اسی لیے آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں کہ میں اپنی روح کو اندر سے دھونا چاہتی ہوں۔

دیکھیے آپ ایک لگژری لائف اسٹائل کی عادی ہیں......

وقار نے ایک دوسرے پہلو سے اس کی حوصلہ شکنی کرنا چاہی، مگر اس کے سامنے بھی اپنی دھن کی پکی اسریٰ ہی تھی، اس نے وقار کی بات کو کاٹتے ہوئے ترنت کہا۔

یہ میرا مسئلہ ہے۔ اسے چھوڑیے۔ مجھے آپ کا جواب چاہیے۔

میرا جواب یہ ہے کہ میں آپ کو کسی امتحان نہیں ڈالنا چاہوں گا۔ خاص طور پر اس حقیقت کے ساتھ کہ میں دلی طور پر ابھی تک سونیا سے وابستہ ہوں۔

یہ بھی میرا مسئلہ ہے۔

اسریٰ نے پورے اعتماد سے کہا۔ گویا اسے پورا یقین تھا کہ وہ وقار کی زندگی میں آتے ہی سونیا کو نکال پھینکے گی۔

وقار کو محسوس ہوا کہ اسے صاف جواب دینا پڑے گا۔

پھر بھی میرا جواب نفی میں ہے۔ میں آپ سے شادی نہیں کروں گا۔

ٹھیک ہے۔ آپ کی مرضی۔ مگر ہوگا وہی جو میں چاہتی ہوں۔

یہ کہتے ہوئے اسریٰ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے چہرے پر بہت اطمینان تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ وقار کے انکار کو اقرار میں بدل دے گی۔

اگلے دن اسریٰ وقار کے گھر آئی اور سیدھی اس کی والدہ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

اسے دیکھتے ہی وہ کھل اٹھیں۔ اب انھیں اسریٰ کی عادت ہوگئی تھی۔

ارے آج تو تم کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ تم ایسے ہی رہا کرو۔ تم ایسے زیادہ اچھی لگتی ہو۔

ان کے تبصرے کا سبب یہ تھا کہ اسریٰ عام طور پر میک اپ نہیں کرتی تھی۔ مگر آج وہ کافی بنی سنوری ہوئی تھی۔ دلکش تو وہ پہلے ہی تھی، مگر میک اپ اور زیورات نے اس کی شخصیت میں تازہ کھلے ہوئے پھولوں کا سا نکھار پیدا کر دیا تھا۔

آپ پہلے کہہ دیتیں تو میں آپ کے پاس ایسے ہی آیا کرتی۔

نہیں بیٹا ہر شخص کی اپنی مرضی ہوتی ہے۔ میں نے تو کبھی اپنی بہو کو اس کی مرضی کرنے سے نہیں روکا تھا۔ لیکن چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ تم کیسی ہو؟ میرے دل سے تو تمھارے لیے ہر وقت دعائیں نکلتی ہیں۔

امی! مجھے آپ کی دعاؤں کے ساتھ آپ کی مدد کی بھی ضرورت ہے۔ میں ایک مشکل میں آ گئی ہوں۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔

اس نے مسکین لہجے میں کہا تو بیگم شمیم تڑپ اٹھیں۔

بولو بیٹا۔ تمھارے لیے تو میری جان حاضر ہے۔

امی آپ کی جان نہیں چاہیے۔ دراصل میں نے جاب چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میرا اپنا تو کوئی گھر نہیں تھا۔ کمپنی نے گھر دے رکھا تھا۔ میرے والدین بھی نہیں ہیں۔ کوئی بھائی بھی نہیں۔ دو شادی شدہ بہنیں ہیں۔ ان کے گھر تو جا کر رہ نہیں سکتی۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر رہوں۔

اسریٰ نے یہ سب کچھ انتہائی مظلومیت سے رونے والی شکل بنا کر کہا تھا۔ اس کی بات پر بیگم شمیم کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ فوراً بولیں۔

ارے بیٹا۔ تمھیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا گھر بھی تمھارا ہی گھر ہے۔ تم فوراً اپنا سامان لے کر یہاں آجاؤ، میرے ہوتے ہوئے تم بے گھر نہیں ہو سکتیں۔

مگر امی یہاں وقار صاحب بھی رہتے ہیں۔ اچھا نہیں لگے گا۔ لوگ باتیں بنائیں گے۔

اسریٰ نے بڑی معصومیت سے ان کے سامنے اپنا مسئلہ نئے زاویے سے رکھا۔

اس کی بات پر وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

بیٹا وقار تو کسی عورت کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ میں تو کب سے اس سے شادی کے لیے کہہ رہی ہوں۔ لیکن تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ایک جوان لڑکی کی موجودگی میں لوگ باتیں تو کریں گے۔

اب وہ موقع آگیا تھا کہ اسریٰ ان کے سامنے وہ بات رکھے جس کے لیے وہ یہ سارا دکھڑا بیان کر رہی تھی۔ وہ کچھ اٹکتے ہوئے بولی۔

امی......آپ اگر وقار صاحب سے......میرا مطلب ہے کہ......اگر ہماری شادی ہو جائے تو......میرا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور......میں آپ کے پاس مستقل رہنے لگوں گی۔

اس کی بات پر بیگم شمیم لمحہ بھر کو پریشان ہو گئیں۔ انھیں اس کی بالکل توقع نہیں تھی کہ اسریٰ یہ بات اتنے صاف انداز میں کہہ دے گی۔ وہ حیران ہوتے ہوئے بولیں۔

مگر بیٹا کہاں تم اور کہاں ......

امی مجبوری ہے۔ اب کوئی اور راستہ بھی نہیں ہے نا۔

اسریٰ نے بڑی معصومیت سے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

لیکن وقار کی والدہ بہر حال بڑی عمر کی خاتون تھیں۔ وہ کچھ نہ کچھ سمجھ گئیں کہ یہ معاملہ مجبوری کا نہیں ہے۔ انھوں نے اسریٰ سے براہ راست سوال کر لیا۔

تم وقار کو پسند کرتی ہو؟

اسریٰ نے خاموشی سے گردن جھکا دی۔

تم نے اس سے بات کی؟

انھوں نے اگلا سوال کیا تو اسریٰ نے کہا۔

وہ نہیں مانتے۔

اس پر بیگم شمیم غصے سے بولیں۔

ٹھیک ہے۔ اب میں دیکھتی ہوں وہ نالائق کیسے تم سے شادی سے انکار کرتا ہے۔ تم اسے میرے کمرے میں بھیجو اور تھوڑی دیر باہر بیٹھ کر انتظار کرو۔ وہ تمھارے پاس آ کر خود تم سے کہے گا کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے۔

کچھ ہی دیر میں وقار اپنی والدہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسریٰ باہر ہی رک گئی تھی۔ وقار کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ معاملہ کچھ گڑ بڑ ہے۔

اس نے آتے ہی پوچھا۔

امی آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اسریٰ نے بتایا تھا کہ آپ مجھے فوراً بلا رہی ہیں۔

ہاں بیٹا۔ اب تو میں زندگی سے زیادہ موت سے قریب ہوں۔ چاہتی ہوں کہ تم سے کچھ باتیں کرلوں۔

امی آپ کیسی باتیں کررہی ہیں۔ اب تو الحمدللہ آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی ہے۔

ہاں بیٹا، مگر زندگی میں خوشی تو ابھی بھی نہیں ہے نا۔ جب تک سونیا زندہ تھی، میں پوتا پوتی کی نعمت سے محروم رہی۔ مگر تم سے ایک لفظ نہ کہا کہ جانتی تھی کہ تم اس کے معاملے میں کتنے حساس ہو۔ پھر اس کی موت کے بعد تم نے دنیا چھوڑی۔ میں نے وہ غم بھی سہا۔ تم سے دوسری شادی کا کہا۔ مگر تم نے میری ایک نہیں مانی۔ اب سوچتی ہوں کہ مروں گی تو خدا کے حضور یہی گواہی دوں گی کہ میرے بیٹے نے مجھے زندگی میں کوئی خوشی نہیں دی۔

وقار اپنی والدہ کی اس بات پر سٹپٹا کررہ گیا۔

مگر امی میں نے آپ کی خدمت میں کوئی کمی نہیں کی۔

بیٹا خدمت تو سب کچھ نہیں ہوتی نا۔ ایسی خدمت تو میری اسریٰ نے بھی کچھ ہی عرصے میں کرلی ہے۔ مگر اس نے ایک بیٹی بن کر جو خوشی مجھے دی ہے وہ تم کبھی نہیں دے سکے، نہ دے سکو گے۔ سوچتی ہوں کہ اسریٰ کی شادی تم سے کردیتی تو مرنے سے پہلے میرے سارے غموں کا ازالہ ہوجاتا۔ مگر میں تمھیں جانتی ہوں۔ ایک مری ہوئی عورت کی خاطر اپنی ماں کی بات تم نے نہ پہلے مانی ہے نہ اب مانو گے تو اب خدا کے حضور پیش ہوکر تو میں یہی کہوں گی کہ میرا بیٹا میرا نافرمان تھا۔

اب وقار پوری بات سمجھ گیا۔

تو اسریٰ نے آپ سے بات کی ہے؟

کیا غلط بات کی ہے اس نے؟ یہ میرے دل کی آواز تھی۔ میری برسوں کی دعا تھی۔ خدا نے میری دعا اس طرح سنی کہ آسمان سے ایک نیک پری کو ہمارے گھر میں بھیج دیا۔ مگر تم ناشکرے پن

سے باز نہیں آتے۔تم تو عورتوں کو دیکھنے کے لیے بالکل اندھے ہو۔ ورنہ تم دیکھتے کہ اسریٰ کی شکل میں اللہ نے تمھارے صبر کا بدلا تمھارے گھر بھیجا ہے۔

امی ! میں سونیا کو ایک کونے میں رکھ دوں تب بھی یہ جانتا ہوں کہ اسریٰ صرف میرے احسانوں کا بدلہ اتارنے کی کوشش کر رہی ہے۔

تمھارے احسانوں کا بدلہ وہ اتار چکی ہے۔ بیٹا وقار! ایک بات یاد رکھنا۔ آج کے دور میں بڑے لوگ وہ نہیں ہوتے جو احسان کرتے ہیں۔ بڑے لوگ وہ ہوتے ہیں جو احسان کا بدلہ اتارتے ہیں۔ کیونکہ وقت گزرنے کے بعد کسی کو یاد نہیں رہتا کہ اس پر کیا احسان کیا گیا ہے۔ اسریٰ یہ کر رہی ہے تو اس کا بڑا اپن ہے۔

یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ یہ اگر اس کا بڑا اپن ہے تو کیا اسے یہ سزا دی جائے کہ اس کی عمر سے پندرہ برس بڑے آدمی کے پلے اسے باندھ دیا جائے۔

بیٹا! اتنی بات ہوتی تو میں خود اسے منع کر دیتی۔مگر تم نے اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غور سے نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ تم عورتوں کو غور سے دیکھتے ہی نہیں۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ وہ تمھیں واقعی پسند کرتی ہے۔ یہ معاملہ صرف احسان اتارنے کا نہیں ہے۔

پھر وہ اسے مزید سمجھاتے ہوئے بولیں۔

دیکھو! تم نے بہت صبر کر لیا ہے۔ اب شکر کا وقت ہے۔

مگر امی آپ جانتی ہیں کہ میں سونیا کے بعد کسی سے شادی نہیں کر سکتا۔

میرے بیٹے! جاؤ اور باہر جا کر اُس لڑکی کو غور سے دیکھو۔ وہ سونیا ہی کا دوسرا روپ ہے۔ خدا نے تمھاری مری ہوئی بیوی کو دوبارہ زندہ کر کے تمھارے پاس بھیجا ہے۔ اس کا ظاہر سونیا کا ہے، مگر اس کا باطن سونیا سے کہیں بہتر ہے تاکہ جنت میں بھی وہ تمھارے ساتھ رہ سکے۔ خدا نے

تمھارے لیے معجزہ کیا ہے۔ یہ معجزے وہ ہر کسی کے لیے نہیں کرتا۔

وقار سر جھکائے بیٹھا رہا۔ اسے خاموش دیکھ کر بیگم شمیم دوبارہ بولیں۔

جاؤ اور باہر جا کر خدا کے اس احسان کی قدر کرو۔ اسریٰ اللہ کی وہ نعمت ہے جسے تمھارے پاس اللہ نے خود بھیجا ہے۔ اسے ٹھکراؤ گے تو کفران نعمت کے مرتکب ہو گے۔ ماں کا دل دکھانے کے الگ سے گناہ گار ہو گے۔ مجھے آخری عمر میں اگر یہ سکھ نہیں دے سکتے تو مجھے لاوارثوں کے کسی مرکز میں چھوڑ کر آ جاؤ۔ ایسی اولاد کا کیا فائدہ جو ماں کو خوشی نہ دے سکے۔

وقار کے پاس فرار کے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔

ٹھیک ہے امی۔ جیسے آپ کی مرضی۔

ایسے نہیں۔ وہ باہر بیٹھی ہے۔ اسے جا کر خود بتاؤ کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ یہ میرا حکم ہے۔

امی پلیز...... یہ میرا مزاج نہیں ہے۔

میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ جاؤ اور جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔

وقار بادل نخواستہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

وقار ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنی والدہ کے کمرے سے نکلا تو باہر اسریٰ بیٹھی ہوئی تھی۔ وقار کو دیکھ کر اس نے سر جھکا لیا۔ وقار نے اسے پہلی دفعہ غور سے دیکھا اور بس دیکھتا رہ گیا۔ وہ ایک لمحے پہلے تک اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ مگر اب اسے محسوس ہوا کہ جو کچھ وہ اسریٰ سے کہنے جا رہا ہے وہ اس کے دل کی آواز ہے۔

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ آہستہ سے اس کے قریب آ کر بولا۔

اسریٰ میں تم سے شادی کروں گا۔

اس کی بات پر اسریٰ نے اسے سر اٹھا کر دیکھا اور دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

میں تھوڑی سی بدتمیز ہوں۔آپ کو برداشت کرنا ہوگا۔

یہ کون کہتا ہے؟

سب کہتے ہیں۔

بالکل غلط کہتے ہیں۔

تو سچ کیا ہے میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔

اسریٰ خوش ہوگئی تھی۔وہ سمجھی کہ وقار اب اس کی تعریف کرے گا۔

تم تھوڑی نہیں بلکہ بہت زیادہ بدتمیز ہو۔

یہ کہہ کر وقار ہنستا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔اسریٰ نے وقار کو پہلی دفعہ ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔اسے وہ ہنستا ہوا بہت اچھا لگا۔اس نے ہنستے ہوئے پیچھے سے آواز لگائی۔

جیسی بھی ہوں۔اب تو آپ کو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔

وقار اور اسریٰ کی شادی کو ایک سال گزر گیا پتہ ہی نہ چلا۔اس عرصے میں وقار کو ایک بالکل مختلف اسریٰ سے واسطہ پڑا۔اس کی سخت مزاجی نرمی میں بدل چکی تھی۔وقار کی طرح اسریٰ کی زندگی بھی عبادت، خدمت، انفاق اور اخلاق سے آراستہ ہوچکی تھی۔سونیا کے برعکس وہ وقار اور اس کی والدہ دونوں کی بہت خدمت کرتی تھی۔

اس سب کے ساتھ اس نے وقار کے حالات کو بھی بدل دیا تھا۔اسریٰ پیسے ضائع کرنے کی عادی نہیں تھی۔ برسہا برس میں اس نے اعلیٰ عہدوں پر کام کرتے ہوئے جو کچھ کمایا تھا، اسے

مختلف طریقوں سے انویسٹ کر رکھا تھا۔اسی بنا پر اس نے اطمینان سے وقار کی والدہ کا علاج کرالیا تھا۔ پھر بھی اس کے پاس کافی پیسے بچے تھے۔

اس نے وقار کو آمادہ کرلیا کہ دوبارہ بزنس شروع کرے۔ پھر اس نے اپنا اور وقار کا سارا سرمایہ اکٹھا کر کے ایک بزنس شروع کر دیا تھا۔ سرمایہ اس سطح سے بہت کم تھا جہاں وقار نے کام چھوڑا تھا، مگر اول تو یہ دونوں بزنس کی بہت اچھی سمجھ رکھتے تھے،اس سے کہیں بڑھ کر اللہ نے ان پر ایسا فضل کیا کہ مٹی میں ہاتھ ڈالتے تو وہ بھی سونا بن جاتی۔ یوں کاروبار تیزی سے ترقی کرنے لگا۔ان کے حالات بہتر ہوگئے تو وہ بہتر جگہ پر شفٹ ہوگئے۔گھر میں ایک دفعہ پھر ملازمین کی چہل پہل شروع ہوگئی۔

ان تمام چیزوں سے کہیں بڑھ کر اسریٰ نے وقار کے دل و دماغ کے ہر صفحے سے سونیا کا نقش مٹا دیا تھا۔وہ تھی ہی ایسی۔ چھا جانے والی۔اپنے آپ کو منوا لینے والی۔اپنی جگہ خود بنا لینے والی۔ اس نے وقار کے گھر، زندگی اور اس کے دل میں اپنی جگہ خود بنالی تھی۔

یہ شادی کی پہلی سالگرہ کا دن تھا۔اس موقع پر اسریٰ نے یہ اصرار کیا تھا کہ وہ دونوں کہیں باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ چنانچہ آج وقار اسے ایک پرفضا مقام پر ڈنر کے لیے لایا تھا۔ وہاں پہنچ کر کھانے کا آرڈر دینے کے بعد وقار ہاتھ دھونے واش روم چلا گیا۔ واپس آیا تو اس نے غور سے اسریٰ کو دیکھا۔وہ خاموش بیٹھی ہوئی دور خلاؤں میں کہیں دیکھ رہی تھی۔اس وقت اسریٰ اسے بہت اچھی لگی۔اس کے چہرے پر عجیب سی روشنی تھی۔وقار اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس کے قریب جا کر انگریزی میں پوچھا۔

معاف کیجیے گا مس۔کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟

اسریٰ نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا اور پھر سنجیدگی سے منہ دوسری طرف پھیرتے

ہوئے انگریزی ہی میں جواب دیا۔

مجھے اجنبیوں کا اس طرح بے تکلف ہونا پسند نہیں۔

مگر میرا خیال ہے کہ ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔

ہوسکتا ہے۔مگراس کا مطلب یہ نہیں کہ میں آپ کو اپنے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دوں۔

اسریٰ کے لہجے میں اب بھی سنجیدگی تھی۔

وقار نے اس کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

دراصل مجھے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔

تو کیجیے؟ اسریٰ نے قدرے بے رخی سے کہا۔

کیا آپ مجھ سے شادی کرنا چاہیں گی؟

اس کی بات پر اسریٰ زیرلب مسکرا کر ناز کے ساتھ بولی۔

سوری! میں پہلے ہی سے شادی شدہ ہوں۔

اس بات پر دونوں نے ایک قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستے رہے۔

وقار نے شادی کے بعد اپنی شخصیت کو اسریٰ کے حساب سے بہت کچھ بدلا تھا۔اس نے کبھی اسریٰ کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ ان کی عمر میں زیادہ فرق ہے۔اپنی گہری سنجیدگی کو اس نے اسریٰ کی خاطر اس لطافت میں بدلا تھا جس کا اظہار ابھی ہوا تھا۔

ان کی ہنسی تھمی تو وقار نے اسریٰ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

آج تم میں بہت روشنی لگ رہی ہے۔

ہاں مجھے بھی لگ رہی ہے۔مگراس کی وجہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ یہ بتائیں میں نے آپ کو شادی کے بعد تنگ تو نہیں کیا۔

نہیں اسریٰ۔ تم نے تو میری زندگی کو خوشیوں کے وہ رنگ دیے ہیں جن سے میں عرصے سے محروم ہو گیا تھا۔ لیکن یہ بتاؤ تمھیں تو پچھتاوا نہیں ہوا کہ تم نے مجھ سے شادی کر لی۔

وقار! مجھے دس دفعہ بھی زندگی ملے گی تو میں ہر زندگی آپ کے ساتھ گزارنا چاہوں گی۔

اس کی بات پر وقار نے فوراً گرہ لگائی۔

دس دفعہ نہیں بس ایک دفعہ اور زندگی ملے گی۔ وہ میرے ساتھ گزار لینا۔

اسریٰ ہنسنے لگی اور ہنستے ہنستے بولی۔

آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ محبت کرنے والے، خیال کرنے والے، قربانی دینے والے، احساس کرنے والے۔ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔

اسریٰ کے لہجے میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وقار نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اب میں سوچتا ہوں کہ میں نے سونیا کے بعد اتنے برس تک شادی نہیں کی تو یہ بھی اللہ کی مصلحت تھی۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ تم میری زندگی میں آؤ۔ ورنہ امی کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ میری دوسری شادی کرا دیں، مگر میں مان کر نہیں دیا۔ مگر پتہ نہیں تمھاری دفعہ کیا ہوا تھا۔ انھوں نے ایک دفعہ کہا اور میں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ورنہ تو دس برس پہلے ہی میری شادی ہو چکی ہوتی۔ شاید تنہائی کے دس سال اس لیے آئے کہ ان کے بعد تمھیں میرے پاس آنا تھا۔

لیکن ان دس برسوں میں آپ نے خدا کو پا لیا۔

ہاں یہ دس برس ضائع نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ میری زندگی کے سب سے قیمتی برس بن گئے۔ ان میں، میں نے خدا کو پا لیا۔ خدا کی کتاب کو پا لیا۔ اس کے رسول کو پا لیا۔ اس کی جنت اور جہنم کو پا لیا۔ یہی وہ حتمی سچائیاں ہیں جن کو پانے کے لیے انسان کو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

اور میں نے صرف آپ کو پایا اور آپ کے ذریعے سے یہ سب کچھ پا لیا۔ میرا کام تو بڑا

آسان ہو گیا۔

اسریٰ یہ کہہ کر ہنسنے لگی۔

ہاں مگر مجھے اس بات کا بہت دکھ ہے کہ ہمارے معاشرے نے اسلام کے نام پر جن چیزوں کو پایا ہے وہ اسلام کا اصل تعارف نہیں ہیں۔ ہم نے اسلام کے نام پر اللہ کے بجائے غیر اللہ کو پایا ہے۔ اسلام کے نام پر قرآن مجید اور پیغمبر علیہ السلام کی اصل تعلیم کے بجائے اپنے تعصّبات اور خواہشات کو پایا ہے۔ ہم نے اسلام کے نام پر آخرت کے بجائے دنیا میں جنت کی تعمیر کو مقصد بنالیا ہے۔ ہم نے اسلام کے نام پر اپنے نفس کے تزکیہ کے بجائے دوسروں پر مذہب ٹھونسنے کو دین کا نصب العین بنالیا ہے۔ اسلام کی اصل دعوت کو دنیا تک پہنچانے کے بجائے دوسروں سے نفرت کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے۔ اس میں سے کچھ بھی اسلام نہیں۔

مگر ہم کیا کریں وقار؟ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ جن کی ذمہ داری تھی کہ صورتحال کی اصلاح کریں وہ برتن کو اندر کے بجائے باہر سے دھوتے ہیں۔ وہ کمر کو توڑ دینے والے بوجھوں کو خود انگلی نہیں لگاتے اور دوسروں کی پیٹھ پر لاد دیتے ہیں۔ وہ مچھروں کو چھانتے ہیں اور اونٹوں کو نگل جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اپنا پیروکار بنانے کے لیے خشکی اور تری کا دورہ کرتے ہیں اور جب بنالیتے ہیں تو اپنے سے دوگنا جہنم کا ایندھن بنادیتے ہیں۔ وہ چند ظاہری باتوں کو دین بنا کر پیش کرتے ہیں اور دین کی اصل تعلیم جو قرآن میں محفوظ ہے اس کو ذرہ برابر اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔ جو اسلاف کے نام کی مالا جپتے ہیں، مگر آج کے ان لوگوں کو جھٹلاتے ہیں جو اسلاف کے علم کے اصل وارث ہیں۔

آپ کچھ نہیں کر سکتے؟ اسریٰ نے سوال کیا۔

میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے بمشکل تمام خود سچائی کو دریافت کیا ہے۔ مگر یہ سچائی بہت بڑی

ہے۔میں نے قرآن کی شکل میں خدا کو بولتے ہوئے سنا ہے۔ میں نے قرآن کی شکل میں پیغمبر اسلام کی سیرت کو زندہ دیکھ لیا ہے۔ میں نے اس کتاب مبین میں صحابہ کرام کی اس زندگی کو پالیا ہے جسے آسمانی صحیفوں میں خدا کی بادشاہی کو زمین پر قائم ہونے سے تعبیر کیا گیا تھا۔مگراس سچائی کو دوسروں تک پہنچانا تو ایک بہت بڑی جنگ ہے۔ یہ جنگ میرے بس کی بات نہیں ہے۔کاش خدا مجھے اولاد دے تو میں اسے اس کام کے لیے وقف کردوں۔

اس کی بات پر اسریٰ دھیرے سے مسکرائی۔

وقار آپ نے کچھ دیر پہلے کہا تھا نا کہ مجھ میں آپ کو بہت روشنی نظر آرہی ہے۔ یہ روشنی میری نہیں آپ کی دی ہوئی ہے۔میں آج آپ کو یہاں اسی لیے لائی تھی۔ یہ بتانے کے لیے کہ آپ باپ بننے والے ہیں۔

اسریٰ کی بات پر وقار ششدر رہ گیا۔اس کی پوری جوانی یہ جملہ سننے کے لیے ترس گئی تھی۔ اس نے سونیا کی خوشی کے لیے کبھی اس کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔اسریٰ کے سامنے بھی کبھی اس کی زبان سے ایسا کوئی جملہ نہیں نکلا تھا۔آج پہلی دفعہ اس کی زبان سے بات کرتے کرتے بے خیالی میں یہ بات نکل گئی تھی اوراگلے ہی لمحے اللہ تعالیٰ نے گویا اسے یہ خوش خبری سنادی کہ اس کی برسوں کی تمنا پوری کردی گئی۔

اسریٰ! میری زندگی کے اس سب سے خوبصورت جملے کے لیے تمھارا شکریہ۔تم میری زندگی میں آنے والی سب سے بڑی نعمت ہو۔

اس کی بات پر اسریٰ کھل اٹھی۔

لیکن یہ بتائیں کہ اگر بیٹی ہوگئی تو آپ کو مایوسی تو نہیں ہوگی۔

بھئی مایوسی کی کیا بات ہے۔ بیٹی تو خدا کی رحمت ہوتی ہے۔میری ماں اور تم بھی تو کسی کی

بیٹیاں ہی تو ہونا۔ تمھی لوگوں کے دم سے میری کائنات روشن ہے۔

تو بیٹی کا نام کیا رکھیں گے۔

جو تم چاہو۔ لیکن بیٹا ہوا تو پھر اس کا نام میں نے سوچ لیا ہے۔

کیا نام سوچا ہے آپ نے۔

اس کا نام عبداللہ ہوگا۔

اوہ۔ کتنا پیارا نام ہے۔ تو بس طے ہوگیا۔ اگر ہمارے ہاں بیٹا ہوا تو اس کا نام عبداللہ ہوگا۔

انشاءاللہ۔ وقار نے کہا ہی تھا کہ ویٹر ان کا کھانا لے کر ان کی میز کے پاس آ گیا۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

عبداللہ وقار کے خاندان میں خوشیوں کی ایک بہار لے کر آیا تھا۔ میاں بیوی کی خوشی تو اپنی جگہ تھی، مگر سب سے زیادہ خوش بیگم شمیم تھیں۔ ان کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ وقار اور اسریٰ تو آفس میں ہوتے تھے، وہ سارا دن اپنے پوتے کو سنبھالتی تھیں۔ عبداللہ کے آنے سے ان کی ساری بیماریاں اور ساری ناتوانیاں رخصت ہو چکی تھیں۔ معصوم عبداللہ بھی ماں باپ سے زیادہ دادی سے مانوس تھا۔

ایک روز وقار اور اسریٰ دفتر سے آئے تو کھانے کی میز پر وقار نے اپنی والدہ سے کہا۔

میرا اور اسریٰ کا حج کا ارادہ ہوا ہے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گی۔ اگر آپ چلیں گی تو ہم عبداللہ کو بھی ساتھ لے لیں گے۔ ورنہ یہیں آپ کے پاس چھوڑ جائیں گے۔

بھئی وقار میں نے تمھارے ابا کے ساتھ جوانی ہی میں حج کر لیا تھا۔ عمرہ تم نے کرا دیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اچھے حال میں اپنے گھر کا دیدار کرایا اور صحت مند حالت میں حج اور عمرہ

جیسی عبادات ادا کرادیں۔ اب میری ہڈیاں اتنی مشقت کے قابل نہیں ہیں۔ تم دونوں ہو کر آ جاؤ اور عبداللہ کو میرے پاس چھوڑ دو۔

دیکھ لیں امی۔ عبداللہ آپ کو تنگ تو نہیں کرے گا۔ اسریٰ نے سوال کیا۔

ارے یہ کیا تنگ کرے گا۔ تم سے زیادہ یہ مجھ سے مانوس ہے۔ تمھاری تو شکل ہی رات کو دیکھتا ہے۔ سارا دن تو میرے پاس رہتا ہے۔ میرا بیٹا میرے ساتھ خوش رہے گا۔

یہ کہتے ہوئے انھوں نے ننھے عبداللہ کو پیار کیا۔ وہ اس وقت بھی ان کی گود ہی میں تھا۔

چلیے امی یہ بھی ٹھیک ہے۔ ویسے بھی ہم زیادہ دن کے لیے نہیں جا رہے۔ بس پندرہ دن کے لیے جائیں گے۔ امید ہے اس عرصے میں اللہ یہاں سب خیریت رکھے گا۔

ہاں ہاں تم دونوں جاؤ۔ اللہ تمھاری حاضری قبول کرے۔

وقار اور اسریٰ نے حج عجیب وارفتگی کے عالم میں کیا تھا۔ خاص طور پر اسریٰ کے لیے یہ بڑا غیر معمولی تجربہ تھا۔ وقار کے برعکس وہ پہلی دفعہ حرم میں آئی تھی اور یہاں کی روحانیت سے مسحور ہو کر رہ گئی تھی۔ خاص کر وقار کے ساتھ نے اس کی کیفیات کو بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔ وقار اسے ہر قدم پر یہ بتاتا تھا کہ مناسک حج میں سے کس رکن کا کیا مقصد ہے۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے انھوں نے عمرہ ادا کیا۔

عمرے کے دوران میں اس نے اسریٰ کو بتایا کہ حج و عمرہ شیطان کے خلاف عباد الرحمٰن کی جنگ کی تمثیل ہے۔ احرام آزاد ہوتے ہوئے بھی پابند زندگی اختیار کرنے کی ایک علامت ہے۔ اسے پہن کر وہ خدا کی خاطر اپنی ہر خواہش سے اوپر اٹھنے کا عزم کرتے ہیں۔ طواف خدا کی ہستی کو اپنی زندگی کا مرکزی خیال بنا کر ایک پروانے کی طرح اسے اپنا مقصود بنانے کا استعارہ ہے۔ سعی

اس کے لیے اپنی ہر جد و جہد کو خالص کرنے کا نام ہے۔ حلق اور قصر خود کو اس کی غلامی میں دینے کا نام ہے۔

حج میں بھی وقار اسریٰ کو ہر رکن کی ادائیگی کے دوران میں اس کا مقصد بتاتا رہا۔ منیٰ میں حاضری شیطان کے خلاف صف بندی کا پہلا مظہر اور عباد الرحمٰن کا پہلا پڑاؤ ہے۔ عرفات میدان جنگ میں خدا کے حضور دعا و زاری اور اس کی مدد و نصرت کی درخواست کا عمل ہے۔ مزدلفہ لشکر شیطان پر حملے سے قبل کا ایک آخری پڑاؤ ہے اور اس کے بعد منیٰ میں رمی جمار کا عمل شیاطین پر سنگ باری کر کے ان کے خلاف جنگ کا استعارہ ہے۔ پہلے دن کی رمی کے بعد بال کٹوا کر اور قربانی کر کے احرام کی بیشتر پابندیاں اتر جاتی ہیں۔ یہ قربانی اس بات کی علامت ہے کہ انسان ضرورت پڑنے پر اپنی جان بھی اللہ کی راہ میں قربان کر سکتا ہے۔

حج کے بعد منیٰ میں قیام کے دوسرے دن وقار اور اسریٰ رمی کر کے لوٹ رہے تھے۔ حسب معمول بہت زیادہ ہجوم تھا۔ ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے یا پھر خیموں کا ایک پورا شہر آباد تھا جس میں لاکھوں لوگ رہ رہے تھے۔ لوگ اپنے کھانے پکانے کا انتظام انہی کیمپوں میں گیس کے چولہوں میں کر رہے تھے۔ اسریٰ یہ سب کچھ دیکھ کر وقار سے بولی:

وقار یہ خیمے کپڑے کے بنے ہوئے ہیں۔ لوگ اطمینان سے یہاں چولہے جلا رہے ہیں۔ خدانخواستہ آگ لگ گئی تو کیا ہو گا۔ ہوا بھی اتنی تیز چل رہی ہے۔ لوگ بھی اتنے ہیں۔

اسریٰ یہ ہمارا قومی مزاج ہے۔ لوگ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ ریاستیں بھی اس وقت تک حرکت میں نہیں آتیں جب تک کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ ہم نے اپنی قوم میں تعلیم و تربیت کا مزاج ہی نہیں بنایا۔ ہم ایک ارب مسلمان نہیں ہیں، ایک ارب کا بے شعور ہجوم ہیں۔

ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔حج کی جو اسپرٹ آپ بتاتے رہے ہیں، مجھے تو یہاں کسی کے اندر وہ نظر نہیں آتی۔دیکھا نہیں تھا کہ لوگ رمی کرتے وقت اور طواف کرتے وقت کس طرح دھکے دے رہے تھے۔

ہاں اسریٰ ہمارے ہاں بس ظاہری چیزیں سکھائی جاتی ہیں۔اصل روح لوگوں کو نہیں بتائی جاتی۔اس لیے لوگ عین اس وقت جب وہ شیطان کو کنکریاں مار رہے ہوتے ہیں، شیاطین کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔

ابھی وقار نے یہ کہا ہی تھا کہ ایک دھماکے کی آواز آئی۔انھوں نے پلٹ کر دھماکے کی سمت دیکھا۔کچھ دور خیموں میں آگ لگ گئی تھی اور ہر طرف ہلچل مچ گئی تھی۔

وقار بے اختیار بولا۔

اسریٰ وہی ہوا جو تم کہہ رہی تھیں۔تھوڑی دیر میں یہ آگ پھیل جائے گی۔

وقار کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ لوگ جان بچانے کے لیے دیوانہ وار بھاگنے لگے۔

وقار چیخا۔

اسریٰ بھاگو! ورنہ لوگ ہمیں کچل دیں گے۔

اسریٰ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئیں۔وہ اس شور اور ہنگامے سے بری طرح ڈر گئی تھی۔اس نے بھاگنا شروع کر دیا۔مگر اس کی رفتار سست تھی۔وقار کو بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے ہلکی رفتار سے دوڑنا پڑ رہا تھا۔اس نے اسریٰ کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

اسریٰ تیز بھاگو۔آگ پھیل رہی ہے۔

وقار نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

تیز ہوا آگ کو تیزی سے پھیلا رہی تھی۔آگ کے مہیب شعلے منہ پھاڑے اپنے سامنے

آنے والی ہر چیز کو نگلتے چلے جا رہے تھے۔ خیموں میں موجود لوگ جان بچانے کے لیے چیختے چلاتے جائے پناہ کی تلاش میں بھاگ رہے تھے۔ ایک قیامت صغریٰ کا منظر تھا۔

میں اس سے زیادہ تیز نہیں بھاگ سکتی۔ آپ آگے جائیں میں آجاؤں گی۔

پاگل ہوئی ہو کہ میں تمھیں چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔

پھر وقار نے گردن گھما کر پیچھے سے آنے والے ایک بڑے ہجوم کو دیکھا تو چلایا۔

اسریٰ کونے میں ہو جاؤ۔ یہ لوگ ہمیں کچل ڈالیں گے۔

یہ کہتے ہوئے وقار نے اسریٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے کونے میں کرنے کی کوشش کی۔

وہ کافی کونے میں ہو گئے، مگر پھر ایک بھاگتے ہوئے شخص نے اسریٰ کو زور سے دھکا دے کر راستے سے ہٹایا۔ وہ کمزور لڑکی اس دھکے کو کیا برداشت کرتی۔ وہ نیچے گر گئی۔ وقار کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ ہجوم اس پر چڑھتا ہوا گزرنے لگا۔

یہ دیکھ کر وقار دیوانہ ہو گیا۔ اس نے بھاگنے والوں کو پوری قوت سے دھکا دے کر ان کا راستہ روکا اور اسریٰ کو اپنی گود میں اٹھا کر بالکل کونے میں لے گیا۔ وہاں اس نے ایک خیمے کے سہارے اسے بٹھا دیا۔

اسریٰ بری طرح خوف زدہ تھی۔ وہ زخمی بھی ہو چکی تھی۔ وقار نے چیختے ہوئے کہا۔

اسریٰ تم ٹھیک ہو۔ کیا تم چل سکتی ہو۔

نہیں وقار لوگ میرے پورے جسم پر سے دوڑ رہے تھے۔ میری ٹانگوں سے اٹھا نہیں جا رہا۔ میں تو چل بھی نہیں سکتی۔

اسریٰ نے اپنی ٹانگیں ہلانے کی کوشش کی مگر اس کی چیخ نکل گئی۔ شاید ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا۔

وقار نے ارد گرد دیکھا۔ کہیں سے مدد کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہر شخص اپنی جان کے لیے بھاگ رہا تھا۔ اس نے خیموں کی سمت دیکھا۔ آگ تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ ایک تو ہوا اسے آگے بڑھا رہی تھی اور دوسرے خیموں میں رکھے گیس کے سلنڈر وقفے وقفے سے پھٹ رہے تھے اور آگ کی شدت میں اضافہ کر رہے تھے۔

چلو میں تمھیں گود میں لے کر چلتا ہوں۔

نہیں وقار مجھے چھوڑ دیں۔ آپ چلے جائیں۔ آپ بچ جائیں گے۔

تمھارے بغیر میں بچ کر کیا کروں گا۔

یہ کہتے ہوئے وقار نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھالیا۔ اس نے ارد گرد دیکھا۔ ایک طرف آگ تھی اور دوسری طرف بھاگتے ہوئے لوگ۔

وقار آپ عبداللہ کے لیے چلے جائیں۔

ہمارا عبداللہ اللہ کے حوالے۔ وہی اس کا رکھوالا ہے۔

یہ کہہ کر وقار نے اسے اٹھا کر ممکنہ حد تک تیز بھاگنا شروع کر دیا۔ مگر اب اس کی رفتار بہت ہلکی ہو چکی تھی۔ اسریٰ کو بچانے کی کوشش میں وہ خود بھی زخمی ہوا تھا۔ وہ مرکزی راستے کے بجائے خیموں کے پاس سے بھاگ رہا تھا۔ کیونکہ وہاں شدید اندیشہ تھا کہ لوگ اسے دھکا دے کر گرا دیں گے اور اس دفعہ وہ شاید اسریٰ کو نہ بچا سکے۔ مگر وقار کو اندازہ نہیں تھا کہ اس نے ایک زیادہ بڑا خطرہ مول لے لیا ہے۔ ہوا کا رخ بار بار بدل رہا تھا۔ جہاں وہ جاتی آگ کو ساتھ لے جاتی۔ اور آگ کی وجہ سے خیمے کے اندر موجود سلنڈر ایک بم کی طرح پھٹ جاتا۔

وقار مجھے چھوڑ دو۔

اسریٰ نے وقار کو ہانپتے ہوئے دیکھا تو دوبارہ چیخ کر کہا۔

کسی قیمت پر نہیں۔

اسریٰ نے پیچھے گردن کر کے دیکھا۔ ہوا نے ایک دفعہ پھر رخ بدلا تھا۔ شعلے اسی سمت بڑھ رہے تھے جہاں وہ موجود تھے۔ اسریٰ نے آسمان کو دیکھ کر کہا۔

پروردگار ہمارا عبداللہ تیرے حوالے۔

اس کے ساتھ ہی ان کے بالکل قریب ایک خیمے میں انتہائی خوفناک دھماکہ ہوا۔ وہ دونوں نیچے گر گئے۔ اگلے لمحے موت نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

\-

وقار اپنی داستان کے اختتام پر خاموش ہو گیا تھا۔ باقی لوگ بھی خاموش تھے۔ ناعمہ رو رہی تھی۔ عبداللہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ اسریٰ کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ صرف وقار پرسکون تھا۔

اس نے عبداللہ کا کندھا تھپتھپایا جو اس کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

بیٹا! تمھاری ماں کو نہ چھوڑ کر میں نے اچھا کیا نا۔ تم اس بات پر ناراض تو نہیں ہو؟

نہیں! بابا آپ نے بہت اچھا کیا۔ مجھے آپ پر فخر ہے۔ آپ کا بیٹا ہونے پر فخر ہے۔ آپ بہت بڑے انسان ہیں بابا۔ آپ بہت بڑے انسان ہیں۔

یہ کہہ عبداللہ نے وقار کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور انھیں اپنے رخسار سے لگا لیا۔

بابا! آپ کو تکلیف تو ہوئی ہو گی نا؟

ناعمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے سوال کیا۔

نہیں بیٹا۔ یہی اصل بات ہے۔ خدا کے لیے جینے والوں کو موت کے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اُس وقت جیسے ہی دھماکہ ہوا میں سن ہو گیا تھا اور دنیا سے میرا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ پھر اگلے

ہی لمحے ہر منظر بدل گیا۔میرے چاروں طرف فرشتے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ہر تکلیف، ہر غم، ہر پریشانی ختم ہو چکی تھی۔انتہائی سکون اور اطمینان کا عالم تھا۔فرشتے بہت عزت اور تکریم کے ساتھ مجھے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ایک لمحے کو تو مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔اگلے لمحے احساس ہوا کہ یہ وہ زندگی شروع ہو چکی ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کر رکھا تھا۔مگر جانتے ہو میں نے ان فرشتوں سے پہلے دو سوال کیا پوچھے؟

میں بتاتی ہوں؟

ناعمہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔پھر جواب کا انتظار کیے بغیر بولی۔

آپ نے پہلے پوچھا ہو گا کہ امی کہاں ہیں اور پھر یہ کہ عبداللہ کا کیا ہو گا۔

ارے میری بیٹی تو بہت ذہین ہے۔میں نے واقعی یہ دو سوال اسی ترتیب سے پوچھے تھے۔ جس پر فرشتوں نے مجھے اطمینان دلایا کہ اسریٰ کا بھی یہاں استقبال ہو چکا ہے۔

اور میرے متعلق انھوں نے کیا بتایا؟

عبداللہ نے بڑے تجسس سے کہا۔

تمھارے متعلق انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی پیغام دیا کہ تم نے اپنے بیٹے کو میرے حوالے کیا ہے تو میں زندگی بھر اس کی مدد کروں گا۔اس نے میری رہنمائی کی قدر کی تو اس سے وہی کام لیا جائے گا جو تم چاہتے تھے۔

شکریہ بابا۔مجھے معلوم ہے۔میں جو کچھ بھی ہوں آپ ہی کی وجہ سے ہوں۔

اور میں بھی جو کچھ ہوں انھی کی وجہ سے ہوں۔

یہ کہہ کر اسریٰ اپنی جگہ سے اٹھی اور وقار کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئی اور اس کے گھٹنوں پر اپنا سر رکھ دیا۔

اس وقت عجیب منظر تھا۔ عبداللہ، ناعمہ اور اسریٰ تینوں وقار کے قدموں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وقار ان سب کے بیچ میں اپنی نشست پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے شکر گزاری کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سب بھی خاموش تھے، مگر ان کا دل خدائے رحمٰن کی حمد کے نغموں سے آباد تھا۔ فضا میں بھی ہر سو ایک مکمل سکوت طاری تھا۔ مگر یہ سکوت بھی اپنی پرسکون لے میں خدا کی حمد کر رہا تھا۔ غرض زمین سے لے کر آسمان تک ہر چیز اپنی خاموش زبان میں اس خدائے واحد کی حمد کے ترانے گا رہی تھی جس نے درد و غم اور دکھ و آزار کے ہر سامان کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں قید کر دیا اور تمام نعمت و راحت کو اس کے فرمانبردار بندوں کے لیے جنت میں جمع کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد وقار کی آواز نے اس سکوت کو توڑا۔

ہم سب کا امتحان الگ الگ تھا۔ ہم سب نے اپنے اپنے امتحان کو اچھی طرح نبھایا ہے۔ اسی لیے اپنے رب کا انعام پایا۔ اور یہ اچھا نہیں لگتا کہ انعام یافتہ لوگ اس طرح زمین پر بیٹھیں۔ تم لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھو۔

وقار کی بات پر تینوں اپنی جگہوں پر جا بیٹھے۔ ناعمہ نے بیٹھتے ہوئے وقار سے کہا۔

لیکن بابا آپ کو پتہ ہے! عبداللہ پچھلی دنیا میں بالکل آپ کی کاپی تھے۔

میرا بیٹا مجھ سے بہتر تھا۔ اس پر مجھ سے کہیں زیادہ اللہ کا فضل ہوا ہے اور جانتی ہو ناعمہ ایسا کیوں ہوا ہے۔

رہنے دیں بابا۔ عبداللہ نے احتجاج کرتے ہوئے کہا، مگر ناعمہ نے فوراً مداخلت کی۔

نہیں بابا آپ بتائیں۔

میں نے جس حقیقت کو پایا تھا۔ اسے پا کر میں مطمئن ہو گیا تھا۔ میں نے خود کو اس حقیقت کے مطابق ڈھالا اور اپنی کامیابی پر مطمئن ہو گیا۔ مگر میرا بیٹا ایسا نہیں تھا۔

وقار نے محبت سے عبداللہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔

عبداللہ نے جنت کے کسی مقام پر قناعت اختیار نہیں کی تھی۔ اس میں آگے سے آگے بڑھنے کی جستجو تھی۔ اس نے خود کو ہمیشہ کمترین سمجھا اور سوچ اور عمل ہمیشہ اونچے سے اونچے درجے کا رکھا۔

ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں ناعمہ۔

جی بابا۔ یہ ایسے ہی تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی اندرونی شخصیت کو چھپا کر رکھا۔ ہمیشہ انکساری کا مظاہرہ کیا۔ مگر خدا کی محبت اور جنت کی خواہش ان میں انتہائی شدید تھی۔ اس کے لیے یہ اپنی شخصیت اور عمل کو بہتر سے بہتر بناتے گئے۔ مگر پھر بھی میں ان سے پچھلی دنیا میں واقف نہیں ہو سکی۔ اب دیکھتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اندر کتنا اعلیٰ تھا جس کا عکس اب ان کے چہرے پر نظر آتا ہے۔

ناعمہ نے عبداللہ کو دیکھ کر کہا جس کا چہرہ ان سب سے زیادہ روشن تھا۔ وقار نے عبداللہ کے روشن چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے ناعمہ سے مزید کہا۔

میرے بیٹے کی یہی وہ غیر معمولی شخصیت ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا کام لیا۔ یہی اس کے درجات میں بلندی کا اصل سبب بنا کہ اس نے خدا کے اصل دین کو بے کم و کاست لوگوں تک پہنچایا تھا۔ اس نے اپنے ہر تعصب، خواہش، جذبے اور ذوق کو ایک کونے میں رکھ کر دین کو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے، دریافت کیا۔ ایمان و اخلاق کی دعوت کو قرآن مجید سے اخذ کیا۔ پھر پوری قوت اور طاقت کے

ساتھ اس کی دعوت، اس کے دلائل، اس کے احکام اور اس کے مطالبات کو کھول کر لوگوں تک پہنچایا۔ اس راہ میں کسی مخالفت کی پروا کی نہ کسی مفاد کا خیال کیا۔ نہ کسی سے مرعوب ہوا نہ کسی سے ڈرا۔ عبداللہ نے جو صدا بلند کی، اس سے نجانے کتنے لوگ جنت میں جا پہنچے۔ یہی وہ چیز ہے جو اس کے اتنے بلند درجات کا سبب بن گئی۔

وقار کی بات ختم ہوئی تو عبداللہ نے فوراً کہا۔

نہیں بابا۔ اس سب میں میرا کیا کمال ہے۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی کہ اس نے اپنی ذات، اپنی کتاب اور اپنے رسول کو میرے لیے اہم ترین بنا دیا تھا۔ سارا احسان صرف اسی کا ہے۔

عبداللہ نے ہمیشہ کی طرح وہی بات کہی جسے وہ دل سے درست سمجھتا تھا۔

ہاں اس سے کس کو انکار ہے۔ ساری خوبی خدا میں ہے۔ تم سوچو تو سہی کہ اگر خدا نہ ہوتا، اس کی رحمت نہ ہوتی تو میری اور اسریٰ کی داستان کیسی ٹریجڈی پر ختم ہوتی۔ بلکہ ہم میں سے ہر شخص کی کہانی خدا کے بغیر چھوٹی یا بڑی ایک ٹریجڈی پر ختم ہوتی۔ اس لیے کہ موت سے بڑی کوئی ٹریجڈی نہیں۔

وقار کی بات پوری ہوئی تو ناعمہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

ہاں بابا۔ خدا نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو انسان سب کچھ پا کر بھی محرومی کے ساتھ دنیا سے فنا ہو جاتا۔ لیکن اس کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا اور جنت کے ان اعلیٰ درجات کو حاصل کرنے کا موقع دیا۔ لیکن بابا...... ایک سوال ہے......

ناعمہ کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا۔ اس سے قبل وقار کچھ کہتا عبداللہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

بابا اس کو سوال کا موقع نہ دیں۔ یہ بھیجہ کھا جاتی ہے۔

میں آپ سے نہیں پوچھ رہی، اپنے بابا سے پوچھ رہی ہوں۔

ناعمہ کے لہجے میں قدرے ناز تھا۔ وقار نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

تم جو چاہو پوچھو بیٹا۔

اس کی بات پر ناعمہ نے ٹھہر ٹھہر کر بولنا شروع کیا۔

بابا ایسا کیوں ہے کہ عبداللہ آپ کے بیٹے ہیں...... میں ان کی بیوی ہوں...... امی آپ کی بیگم ہیں...... آپ وقار، امی اسریٰ، یہ عبداللہ اور میں ناعمہ کیوں ہوں......پچھلی دنیا میں ہم سب اپنی اپنی جگہ پر کیوں تھے........... ہماری تقدیریں ایسی کیوں تھیں......آپ اور امی بڑھاپے کو پہنچے بغیر مر گئے......ہماری کہانیاں اس طرح پوری کیوں ہوئیں......اور جو کہانیاں ادھوری رہ گئیں وہ کیوں رہ گئیں؟

سوالات کا انبار تھا جو ناعمہ نے وقار کے سامنے رکھ دیا۔ وقار نے کچھ کہنے کے بجائے بے بسی سے عبداللہ کو دیکھا۔ اس نے فوراً کہا۔

میں نے کہا تھا نا بابا۔ اس کو موقع مت دیجیے گا۔

عبداللہ کی بات پر سب زور سے ہنس پڑے۔ ہنسی تھمی تو وقار نے ناعمہ سے کہا۔

بیٹا میں آسان ترین راستہ بتاتا ہوں۔ اب تم جنت میں آ گئی ہو تو یہ باتیں خود اس ہستی سے پوچھ لو جس نے یہ امتحان گاہ بنائی تھی۔

بابا! اتنی ہمت کہاں ہے کہ ان کے سامنے کچھ کہا جا سکے۔ ان کا سامنا کون کر سکتا ہے؟

کوئی نہیں کر سکتا۔ کس کی مجال ہے کہ اس کے حضور پیش ہوتے وقت اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہ سکے۔ مگر جس پر وہ کرم کر دیں۔ بس وہی......

یہ کہتے ہوئے وقار نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شرف

حاصل ہو چکا تھا۔

لیکن امید ہے کہ میرے ذہن میں جو گرہیں موجود ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرح کھول ہی دیں گے۔

تمھاری گرہیں اللہ تعالیٰ ضرور کھولیں گے۔ مگر تم پہلے ہمیں کھانا تو کھلاؤ۔

عبداللہ نے ناعمہ کو توجہ دلائی تو ناعمہ فوراً اپنی نشست سے اٹھ گئی۔

سوری! دراصل بابا کی کہانی ایسی تھی کہ میں سب کچھ بھول گئی۔ چلیے کھانے کے لیے چلتے ہیں۔ امی آپ میرے ساتھ آیئے۔

ناعمہ نے اپنا ہاتھ اسریٰ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اسریٰ نے ناعمہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ اسے لے کر آگے بڑھنے لگی تو عبداللہ بھی تیزی سے دوسری سمت سے آیا اور اپنی ماں کا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

یہ پہلے میری امی ہیں۔ تمھاری بعد میں ہیں۔

نہیں اب تو پہلے میری ہیں۔

نہیں میری ہیں۔

ان دونوں میں باقاعدہ ایک جھگڑا شروع ہو گیا۔

بھئی میں بتاتی ہوں۔

اسریٰ نے جھگڑا نمٹاتے ہوئے کہا۔

میں تم دونوں ہی کی ماں ہوں۔

اپنی باتوں میں مگن وہ تینوں آگے بڑھ گئے۔ وقار ایک مسکراہٹ کے ساتھ انھیں آگے بڑھتا ہوا دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔

سیاہ آسمان تاروں کی محفل سے جگمگا رہا تھا۔تارے بھی مختلف رنگوں کے تھے۔ ان کے جھرمٹ بھی الگ الگ مگر بہت خوبصورت ڈیزائن اور شکلیں بنا رہے تھے۔ یہ اس جنت کا بہت تھوڑا سا حصہ تھا جہاں انسانیت کے کامران و کامیاب لوگوں کو اب ہمیشہ کے لیے بسنا تھا۔اس احساس سے کہ خود وقار ان کامیاب لوگوں میں شامل تھا، اس کی آنکھوں میں بھی ستارے جھلملا اٹھے۔اس کی زبان سے صرف اتنا نکلا۔

سب کچھ کے مالک۔سب کچھ دینے کا شکریہ۔

وہ کچھ دیر تک آسمان کو دیکھتا رہا۔ پھر اسے اچانک کچھ خیال آیا۔اس کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی۔قرآن مجید کے اس نسخے کو دیکھنے کی خواہش جسے وہ دنیا میں پڑھا کرتا تھا۔ جو اپنی موت تک وہ اپنے ساتھ حج پر لے کر گیا تھا۔

پھر وقار اپنی سوچ پر خود ہی ہنس پڑا۔

وہ نسخہ اب کہاں سے آئے گا؟

اس نے باقی لوگوں کو دیکھا۔ وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے آگے جا چکے تھے۔وہ ان کے پیچھے جانا ہی چاہتا تھا کہ ایک خادم چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور ادب سے جھکتے ہوئے بولا۔

آقا! کچھ دیر قبل ایک فرشتہ آیا تھا اور آپ کی ایک امانت دے کر گیا تھا۔اس نے کہا تھا کہ آپ جب تنہا ہوں تو یہ امانت آپ کے حوالے کر دی جائے۔

یہ کہتے ہوئے خادم نے دونوں ہاتھوں سے جو چیز وقار کی طرف بڑھائی اسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ یہ قرآن مجید کا وہی نسخہ تھا جو پچھلی دنیا میں وقار کے پاس رہتا تھا۔ یہ نسخہ بالکل اسی حالت میں تھا جس میں اپنی موت سے قبل وقار نے اسے دیکھا تھا۔وقار نے بے یقینی کی کیفیت میں خادم سے وہ نسخہ لیا۔وہ خادم سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا، مگر پھر خاموش ہو گیا۔خادم ادب سے سلام کر کے رخصت ہو گیا۔وقار نے بے اختیار آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

تو ہر چیز سے پہلے ہے۔ تجھ سے پہلے کوئی نہیں۔ تو ہر چیز کے بعد ہے۔ تیرے بعد کچھ نہیں۔ تیری ہستی ہر جگہ پوشیدہ ہے، مگر ہر جگہ تیرا ظہور ہے۔ تیرا علم ہر شے پر محیط ہے اور تو ہر چیز کو اس کے ہونے سے پہلے جان لیتا ہے۔

وقار کی نگاہ آسمان سے قرآن کی طرف پلٹی۔ اس نے بلا ارادہ قرآن مجید کو کھولا۔ اس کے سامنے سورہ آل عمران کا ایک مقام تھا جسے اس نے ماضی میں کبھی ہائی لائٹ کیا ہوگا۔

''لوگو! دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمھارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے۔ یہ ان پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال۔ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہوں کو بخش دے۔ اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے۔''

وقار نے آیات کی تلاوت ختم کی اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

میرے رب تیری ہر بات سچی ثابت ہوئی۔ کیا ہی اچھا بدلہ ملا ہے کام کرنے والوں کو۔

یہ کہہ کر اس نے قرآن مجید کو بند کر کے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور پھر سرشاری کے عالم میں اپنے بیوی بچوں کی طرف آگے بڑھ گیا۔

”جب زندگی شروع ہوگی“

(مصنف: ابو یحییٰ)

- ☆ ایک ایسی کتاب جس نے دنیا بھر میں تہلکہ مچا دیا
- ☆ ایک ایسی تحریر جسے لاکھوں لوگوں نے پڑھا
- ☆ ایک ایسی تحریر جس نے بہت سی زندگیاں بدل دی
- ☆ ایک ایسی تحریر جواب ایک تحریک بن چکی ہے
- ☆ آنے والی دنیا اور نئی زندگی کا جامع نقشہ ایک دلچسپ ناول کی شکل میں
- ☆ ایک ایسی تحریر جو اللہ اور اس کی ملاقات پر آپ کا یقین تازہ کر دے گی
- ☆ علم و ادب کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف

”قسم اُس وقت کی“

(مصنف: ابویحییٰ)

- ☆ ایک ایسی کتاب جس نے کفر کی طرف بڑھتے کئی قدموں کو تھام لیا
- ☆ ایک منکر لڑکی کی داستان سفر جو سچ تلاش کرنے نکلی تھی
- ☆ ایک خدا پرست کی کہانی جس کی زندگی سراپا بندگی تھی
- ☆ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور روز قیامت کا ناقابل تردید ثبوت
- ☆ رسولوں کی صداقت کا نشان دور رسالت کی زندہ داستان
- ☆ کفر والحاد کے ہر سوال کا جواب ہر شبہے کا ازالہ
- ☆ ایک ایسی کتاب جو آپ کے ایمان کو یقین میں بدل دے گی
- ☆ ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ”جب زندگی شروع ہوگی“ کا دوسرا حصہ

مزید معلومات کے لیے رابطہ:

0332-3051201, 0345-8206011

”بس یہی دل“

(مصنف: ابویحییٰ)

☆ دل کو چھو لینے والے مضامین

☆ ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

☆ آنکھوں کو نم کر دینے والے الفاظ

☆ ابویحییٰ کے قلم سے نکلے ہوئے وہ مضامین جو ایمان و اخلاق کی اسلامی دعوت کا بھرپور اور موثر بیان ہیں۔

☆ دلنشین اسلوب میں لکھی گئی ایسی تحریریں جنھیں پڑھ کر آپ دل کے دروازے پر ایمان کی دستک سن سکیں گے۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ:

0332-3051201, 0345-8206011

”حدیثِ دل“

(مصنف: ابویحییٰ)

مجموعہ مضامین جس میں آپ پائیں گے اپنی

- ☆ شخصیت کی تعمیر
- ☆ اخلاق کی اصلاح
- ☆ ایمان کی تازگی
- ☆ اقدار کی زندگی اور
- ☆ افکار کی تشکیل نو
- ☆ ہمیشہ کی طرح ابویحییٰ کے الفاظ کی دستک آپ اپنے دل کے دروازے پر محسوس کریں گی۔

''تیسری روشنی''

(مصنف: ابویحییٰ)

- ☆ ابویحییٰ کی داستان حیات۔ تلاش حق کی سچی کہانی
- ☆ نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد
- ☆ جب زندگی شروع ہوگی کے حوالے سے اٹھائے گئے اہم سوالات کا جواب
- ☆ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے والے رویوں کا تفصیلی بیان
- ☆ امت مسلمہ کے اتحاد کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے ایک رہنما تصنیف
- ☆ ابویحییٰ کی ایک اور منفرد تصنیف

When Life Begins

English Translation of Abu Yahya Famous book

Jab ZindagiShuruHo Gee

A Book that created ripples through out the orld

A Writing that was read by Millions

A Book that changed many Lives

A Writing that has become a Movement

A Comprehensive sketch of the World and Life in Hereafter in the form of an interesting Novel

A Book that will strengthen your Faith in God and Hereafter

The first book of its kind in the world of Literature

”قرآن کا مطلوب انسان“

(مصنف: ابو یحییٰ)

- ☆ قرآن مجید پر مبنی اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام
- ☆ اللہ تعالیٰ ہمیں کیسا دیکھنا چاہتے ہیں
- ☆ وہ کن لوگوں کو جنت عطا کریں گے
- ☆ کون سے اعمال انہیں ناراض کر دیتے ہیں
- ☆ ان کی پسند اور ناپسند کا راستہ کیا ہے
- ☆ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ان اپنے الفاظ میں جاننے کا منفرد ذریعہ
- ☆ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین اخلاق نبوی کا قرانی نمونہ
- ☆ ابو یحییٰ کی ایک منفرد تصنیف

مزید معلومات کے لیے رابطہ:

”ملاقات“

(مصنف: ابویحییٰ)

☆ اہم علمی، اصلاحی اجتماعی معاملات پر ابویحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

☆ کریم اور رحیم کا خطاب پانے والے انبیا کی دلنواز سیرت کا بیان

☆ دین کی حقانیت اور دعوت دین کے اہم پہلوؤں کی وضاحت

☆ قیامت اور قرب قیامت کے اہم احوال کی تفصیل

☆ اہم معاشرتی اور خاندان مسائل کے حل کے لیے رہنما تحریریں

☆ لونڈیوں سے تعلقات کے ضمن میں اسلام کے موقف کی وضاحت

☆ مسائل زندگی کے حل کے لیے رہنما تحریریں

☆ ہم جنسی تعلقات اور ارتقا جیسی عملی اور فکری گمراہیوں کی موثر تردید

”کھول آنکھ زمیں دیکھ“

(مصنف: ابو یحییٰ)

- ☆ مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفر نامہ
- ☆ کینیڈا، امریکہ کی زندگی کا تفصیلی جائزہ
- ☆ مکہ، مدینہ کی مقدس سرزمین اور سعودی عرب کا احوال
- ☆ سری لنکا، تھائی لینڈ، ملائیشا اور سنگاپور کی زندگی کا نقشہ
- ☆ مغرب اور مشرق کے ممالک کا تقابل اور اسلام کی علمی برتری کا بیان
- ☆ مغربی تہذیب کی کمزوریوں نظام کی خوبیوں کا بے لاگ جائزہ
- ☆ سات ممالک کے اہم قابل دید مقامات کی دلچسپ منظر کشی
- ☆ سفر نامے کے اسلوب میں لکھی گئی ایک اہم فکری کتاب

''آخری جنگ''

(مصنف: ابویحییٰ)

- ☆ جب زندگی شروع ہوگی کی کہانی کا دلچسپ تسلسل
- ☆ شیطان اور انسان کی ازلی جنگ کا آخری معرکہ
- ☆ شیطانی طاقتوں کے طریقہ واردات کا دلچسپ بیان
- ☆ شیطان کے حملوں کا ناکام بنانے کے موثر طریقے
- ☆ مسلمانوں کے عروج کا وہ راستہ جو قرآن مجید بتاتا ہے
- ☆ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کامیابی کا حقیقی راستہ
- ☆ تاریخ کے وہ اسباق جو مسلمان بھول چکے ہیں
- ☆ یہ سب کچھ عبداللہ اور ناعمہ کی داستان کی شکل میں پڑھیے

”سیرِ ناتمام“

(مصنف: ابو یحییٰ)

☆ آسٹریلیا کی نئی دنیا کے تمام اہم شہروں کے دعوتی سفر کی روداد

☆ مغرب اور مشرق کے سنگم ترکی کا آنکھوں دیکھا حال

☆ جدید اور قدیم دنیا کے تفریحی مقامات کی دلچسپ سیر

☆ سترہ صدیوں تک دنیا کا مرکز رہنے والے استنبول کی کہانی

☆ احوال سفر کے دلچسپ مشاہدات، معلومات اور نئی چیزوں کا تعارف

☆ ابو یحییٰ کے دلچسپ اور پر مغز تجزیے، تنقید اور تبصرے

☆ ہر قدم پر تاریخ کے اسباق اور جدید و قدیم دنیا کا تعارف

☆ آپ کے وژن اور طرز فکر کو نیا انداز عطا کرنے والی کتاب

☆ ایک داستان سفر جو سفر سے بڑھ کر بھی بہت کچھ ہے

مزید معلومات کے لیے رابطہ:

0332-3051201, 0345-8206011

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Inzaar Official Page: www.facebook.com/inzaartheorg

Whatsapp Broadcast list: Send ‘INZ’ to +92-334-1211120 from Whatsapp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

Join us on Youtube @ youtube.com/inzaar-global

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar@gmail.com

Our material in audio form is available on USB/CD

ماہنامہ انذار

مدیر: ابویحییٰ

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کے لیے:

کراچی کے لیے 500، بیرون کراچی کے لیے 400 روپے کا منی آرڈر ہمارے پتے پر ارسال کیجیے......یا

ایک پے آرڈر/ بینک ڈرافٹ بنام ''ماہنامہ انذار'' بینک الفلاح المحدود (صدر برانچ)

اکاؤنٹ نمبر 0171-1003-729378 کے نام بھجوائیے۔

رسالہ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا۔

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔

2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے۔

3) تعمیر ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے۔

ایجنسی لینے کا طریقہ کار:

ایجنسی کے لیے ہر ماہ کم از کم پانچ رسالے لینا ضروری ہے۔

ایجنسی کا ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔

ایجنسی لینے کے لیے فون نمبر **0332-3051201** پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

خدا بول رہا ہے

قرآن خدائے رحمٰن کی صفت کلام کا ظہور ہے۔ اس کا لفظ لفظ خدائے رحمٰن کا انتخاب ہے جسے جبریل امین نے لوح محفوظ سے پایا اور قلب حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پوری امانت داری کے ساتھ نازل کر دیا۔ جسے نہ کبھی شیاطین جن چھو سکے، نہ شیاطین انس اس میں کوئی تبدیلی و تحریف کرنے کے قابل ہو سکے۔ باطل نہ اس کے آگے سے راہ پا سکا، نہ پیچھے سے اس میں داخل ہو سکا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی وہ ہدایت تھی جو قیامت تک تمام نبیوں اور رسولوں کے قائم مقام ہو کر انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

قرآن مجید کی عظمت اور اہمیت کا یہی وہ احساس تھا جو اب ایک ناول کی شکل میں ڈھل کر قارئین کے سامنے پیش ہے۔ اس کی کہانی جنت کی زندگی اور میرے پہلے ناول ''جب زندگی شروع ہو گی'' کے مرکزی کردار عبداللہ سے اٹھی ہے۔ ناول کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب عبداللہ حشر کے مراحل سے گزر کر جنت میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ کہانی میں دو نئے کردار داخل کیے گئے ہیں اور اصل پیغام انھی کی داستان کے پس منظر میں بیان کیا گیا ہے۔

کہانی کا آغاز جنت کی دنیا سے ہوا ہے اور بوجوہ کہانی کی رفتار کچھ ہلکی رکھی گئی ہے۔ مگر جیسے ہی اصل داستان شروع ہوتی ہے، کہانی میں اتنی تیزی اور روانی آجاتی ہے کہ قاری کے لیے انشاء اللہ کتاب چھوڑنا آسان نہیں رہے گا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اس عاجز نے کوشش کی ہے کہ اصل پیغام کو کہانی کے پس منظر میں اس طرح بیان کیا جائے کہ وہ کوئی ٹھونسی ہوئی چیز نہ لگے بلکہ اصل داستان کا ایک لازمی حصہ لگے۔

ISBN 978-969-9807-16-9
9 789699 807169